مناقب الحضراتؒ

تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ بنوریہ

تالیف

حضرت شیخ محمد امین بدخشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ترجمہ و تقدیم

ڈاکٹر صاحبزادہ معین نظامی

خانقاہِ فتحیہ

گلہار ○ کوٹلی ○ آزاد کشمیر

تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ بنوریہ

مناقب الحضرات

نتائج الحرمین کی تیسری جلد

تالیف

حضرت شیخ محمد امین بدخشی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ترجمہ و تقدیم

ڈاکٹر صاحبزادہ معین نظامی
شعبۂ فارسی اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور

خانقاہِ فتحیہ
گلہار ○ کوٹلی ○ آزاد کشمیر

نام کتاب : مناقب الحضرات

مصنف : شیخ محمد امین بدخشیؒ

اردو ترجمہ : ڈاکٹر صاحبزادہ معین نظامی

اشاعت : ۲۰۰۲ء

کمپوزنگ : سلطانیہ

تعداد : سات سو پچاس

زیر اہتمام : خانقاہِ فتحیہ گلہار، کوٹلی، آزاد کشمیر
Rs: 800/-

انتسابؒ

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی مجددی چیچوی مدظلہ العالی

جامع مسجد شریف الفردوس، گلہار کوٹلی آزاد کشمیر

کے نام

جو صحیح معنوں میں ان حقائق و معارف کے نسبی اور روحانی وارث ہیں

فہرست

برسبیلِ تذکرہ

خواجہ بہاء الدین نقشبند (متوفی ۷۹۱ھ) سے پوچھا گیا: ''آپ کو کس چیز کے ذریعے پایا جائے؟'' فرمایا: ''شریعت سے'' (۱) ان سے یہ قول بھی منسوب ہے کہ فرمایا: ''ہم نے سنّتِ مصطفیٰ ﷺ کی پیروی اختیار کی اور صحابہ کرام کے آثار کی اقتدا کو اپنایا ہے۔'' (۲) پوری تاریخ نقشبندیہ میں شریعت کا یہ التزام اور اتباعِ سنّت کا یہ اہتمام نظری طور پر ہی نہیں، عملی طور پر بھی دکھائی دیتا ہے۔ مشائخ نقشبندیہ نے اپنے مقصدِ اولیٰ یعنی اشاعتِ شریعت کے حصول کے لیے قلم اور کاغذ کا وسیلہ بھی اختیار کیا تو تاریخ سلسلہ میں وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف اور تفحص و تحقیق کی ایک ٹھوس، متنوع اور ہمہ جہت روایت قائم ہوگئی۔ وہاں جس قدر استقامتِ شریعت کی روایت قدیم اور مضبوط ہے، اسی قدر علمی روایت بھی مسلسل اور مستقل ہے۔ اس روایت میں مشائخ و مسترشدین سبھی حصّہ دار اور شامل ہیں۔

یہ خیال نہ فرمایا جائے کہ پابندیِ شریعت کی وجہ سے نقشبندیہ کے ہاں محض ''آثارِ جلال'' ہی پائے جاتے ہیں۔ امرِ واقع ہے کہ ان کے ہاں ''آثارِ جمال'' بھی بکثرت موجود ہیں۔ خالص اسلامی علوم (جیسے تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، نظری عرفان) کے ساتھ ساتھ مشائخ و متبعین نقشبندیہ نے شعروشاعری بھی کی۔ مثنویاں اور قصے لکھے اور ادبِ عالیہ تخلیق کیا۔ یہ بات مکمل اطمینان اور علمی وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اگر فارسی زبان وادب کی قدیم جغرافیائی قلمرو (ماوراء النہر، توران، خراسانِ بزرگ، ایشیائے صغیر، ہندوستان) کی کوئی علمی، فکری اور ادبی تاریخ یکجا تدوین کی جائے تو اس میں سب سے زیادہ حصّہ نقشبندی

مصنّفین کا ہوگا۔(۳) اِن مصنّفین کے انفرادی علمی کارناموں پر ہمیں محقّقین کا کام تو ملتا ہے لیکن جہاں تک مجھے علم ہے سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ اور وابستگان کے علمی، فکری اور ادبی کارناموں پر کوئی مُدوّن تاریخ موجود نہیں ہے۔

نقشبندیہ کی شاندار علمی روایات میں سے ایک تذکرہ نویسی یا مقامات نویسی ہے جس کا آغاز خواجہ بہاء الدّین نقشبند کے راست خلفا نے کر دیا تھا۔ صلاح بن مبارک بخاری (م ۷۹۳ھ) یا خواجہ محمد پارسا بخاری (م ۸۲۲ھ) کی انیس الطّالبین وعدّۃ الطالبین اپنے موضوع پر اوّلین کتاب ہے۔(۴) خواجہ نقشبند کے ایک اور خلیفہ مولانا یعقوب چرخی (م ۸۵۱ھ) کے نامور مرید اور خلیفہ خواجہ عبیداللہ احرار (م ۸۹۵ھ) کے مناقب، کرامات اور حالات پر ہمیں ان کے بلاواسطہ مریدوں مولانا شیخ احمد کا رسالہ خوارقِ عاداتِ احرار اور مولانا محمد قاضی سمرقندی (م ۹۲۱ھ) کی کتاب سلسلۃ العارفین وتذکرۃ الصّدیقین دستیاب ہے لیکن یہ تمام کتابیں تذکرہ نویسی کی اُس روش اور روایت کی نمائندگی کرتی ہیں جن میں سنین وسوانح کم اور مناقب وخوارقِ عادات اور ملفوظات زیادہ درج ہوئے ہیں۔ سلسلۂ نقشبندیہ کے حلقۂ ارادت میں تذکرہ نویسی کی نسبتاً ایک معیاری اور مستند روایت اسی دور میں خراسان میں قائم ہوئی جب خواجہ عبیداللہ احرار کے دو عقیدت مندوں مولانا نورالدین عبدالرحمان جامی ہروی (م ۸۹۸ھ) نے نفحات الانس من حضرات القدس اور مولانا فخرالدین علی بن حسین واعظ کاشفی سبزواری (م ۹۳۹ھ) نے رشحات عین الحیات نامی کتب تصنیف کیں۔ دسویں صدی ہجری کے اوائل میں ماوراء النہر میں قزلباشوں کی شورش اور ایران میں صفویوں کے برسرِ اقتدار آنے اور اس کے نتیجے میں علماء مشائخ اہلسنّت وجماعت پر کڑا وقت آنے سے پورے علاقے کا علمی ماحول تلپٹ ہوگیا۔ ایران وتوران

کے روشن دماغ ہندوستان میں جمع ہوگئے اور یہاں کے علم پرور ماحول میں اپنے جوہر دکھانے لگے۔ تصنیفی وتخلیقی کاموں کے نقطہ نظر سے دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں ہندوستان فارسی زبان وادب کا اُمّ القریٰ بن گیا۔ خود ایران میں بھی ان موضوعات پر قلم نہ اٹھایا جاتا تھا جن پر ہندوستان میں دادِ تحقیق دی جارہی تھی۔ کیفیت اور کمیت دونوں اعتبار سے ہندوستان کا یہ تصنیفی دور ایک بھرپور دور اور ایران کا یہ دور ''قرونِ خالیہ'' کا دَور ہے۔ (۵) ہندوستان کے مغل دربار یا مقامی امرا و نوابین کے ہاں داد و دہش پانے والے مہاجرین بالخصوص ایرانی مہاجر شعرا، مصنفین ہنرمندوں کے تخلیقی کارناموں، کا چرچا تو ہوا ہے۔(۶) لیکن ہندوستان میں تورانی مہاجرین جو علمی وتحقیقی روایت اپنے ساتھ لائے اور ہندوستان کی فارسی پر جو اثرات ڈالے اس کا ذکر خال خال محققین ہی کرتے ہیں۔ ہاں حافظ محمود خان شیرانی (م۱۹۴۶ء) اِس روایت پر ضرور تاکید کرتے رہے۔ مشائخ کے تذکروں ہی کو لیجیے، ہندوستان میں بدخشان سے آئے ہوئے مصنفین نے خوب کام کیا۔ محمد ہاشم کشمی بدخشی (م۱۰۴۵ھ؟) نے رشحات عین الحیات کا تکملہ نسمات القدس من حدائق الانس لکھا۔ ان کا ایک دوسرا تذکرہ زبدۃ المقامات بھی موجود ہے۔ ہمارے مصنف محمد امین بدخشی (ولادت ۱۰۲۰ھ) صاحبِ نتائج الحرمین بھی اپنے ہم وطن محمد ہاشم کشمی کی طرح اپنے وطن مالوف میں سلسلۂ نقشبندیہ (مجددیہ) میں جذب ہوگئے۔ سرہند پہنچ کر صاحبزادگانِ حضرت مجدد الف ثانی بالخصوص خواجہ محمد معصوم سرہندی (م۱۰۷۹ھ) کے دامنِ فیض بار سے وابستہ ہوئے اور انھی کی معیت میں ہندوستان سے حرمین شریفین ہجرت کی اور اپنے شیخ کی وفات تک ان کی خدمت میں حجاز ہی میں رہے۔

نتائج الحرمین کی تیسری جلد موسوم بہ مناقب الحضرات بنیادی طور پر شیخ آدم

بنوری اور ان کی اولاد، خلفا اور اہم مریدوں کا تذکرہ ہے، بالخصوص وہ مریدین جنھوں نے شیخ کے ساتھ ہندوستان سے حرمین شریفین ہجرت کی تھی۔ موضوع کی رعایت سے ہمارے مصنف نے اس میں حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے دو مریدوں شیخ طاہر بندگی اور حاجی خضر روغانی اور حضرت مجدد کے بیٹوں اور پوتوں کے حالات و مناقب بھی درج کیے ہیں۔ اس طرح یہ گیارہویں صدی ہجری کے مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، بالخصوص شیخ آدم بنوری سے پھولنے پھلنے والی شاخ کا معاصر تذکرہ ہے جسے مصنف نے اپنی راست معلومات اور اپنے معاصرین سے حاصل کردہ معلومات کو یکجا کر کے تصنیف کیا ہے۔

برصغیر جو کبھی تہذیبی طور پر فارسی کا مرکز تھا، اب یہاں مرور زمانہ کے ساتھ فارسی کا چلن کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے اور ہمارے تہذیبی اور روحانی سرمائے سے جو زیادہ تر فارسی زبان ہی میں محفوظ ہے، استفادے کی صورت بھی محدود سے محدود تر ہو رہی ہے۔ صرف خواص کی اس سرمائے تک دسترس ہے اور وہی اسے علمی حاجتوں کے لیے اگر ضروری خیال کریں تو استعمال کرتے ہیں۔ عامۃ الناس ایک طرح سے اِس عظیم علمی ورثے سے بے خبر اور بے بہرہ ہیں۔ ایسی صورت حال میں اس علمی وراثت کو رائج الوقت زبانوں میں ترجمہ کر کے ہی موجودہ اور مستقبل قریب کی نسلوں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔

مناقب الحضرات اپنے موضوع کے اعتبار سے سلسلۂ مجددیہ کی ایک نہایت اہم دستاویز اور بنیادی مأخذ ہے لیکن فارسی اور مخطوط ہونے کی وجہ سے عام طالبین و قارئین کی دسترس سے دور تھی۔ اب معین نظامی استاد شعبۂ فارسی اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور نے اسے اردو زبان میں ترجمہ کر کے خاص و عام کے لئے اس سے استفادہ سہل بنا دیا ہے۔

کسی بھی کامیاب ترجمے کے لیے مترجم میں تین خصوصیات کا بہ یک وقت پایا جانا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ اولاً وہ اس زبان پر کماحقہ دسترس رکھتا ہو جس سے ترجمہ کیا جارہا ہے، ثانیاً اُسے اُس زبان پر بھی کامل عبور ہو جس میں ترجمہ کیا جارہا ہے۔ ثالثاً کتاب کے موضوع کے اسرار ورموز سے واقف ہو۔ میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ یہ تینوں محاسن ہمارے فاضل مترجم کی ذات میں جمع ہیں۔ فارسی سے ان کا ذوق وعلاقہ بچپن سے چلا آرہا ہے جو اب اس زبان سے ان کے پیشہ ورانہ تعلق کے بعد تخصّص کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اب تک انہوں نے دوسری زبانوں سے جو اردو تراجم کیے ہیں یا طبع زاد ادب کے جو نمونے پیش کیے ہیں وہ پہلے ہی سنجیدہ قارئین کے حلقے سے دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ تصوّف سے اُن کی آبائی وابستگی اور دل بستگی نے ان کے لیے کتبِ تصوف کو سمجھنا اور بھی آسان بنادیا ہے۔ مترجم کی یہ تینوں ذاتی خوبیاں مناقب الحضرات کے اردو ترجمے میں بھی جاری وساری نظر آتی ہیں، جسے پڑھتے ہوئے کم از کم مجھے یہ کہیں محسوس نہیں ہوا کہ میں اصل نہیں بلکہ ترجمہ پڑھ رہا ہوں۔ ایسے علمی اور متین متن کے لیے جس نپے تلے، بامحاورہ اور جلیل اسلوب کے حامل ترجمے کی ضرورت تھی، پروفیسر ڈاکٹر معین نظامی صاحب زید مجدہ نے وہ پوری کر دی ہے۔ انہوں نے اس کام پر اپنا جو قیمتی وقت صرف کیا ہے یقیناً اس سے ان کے علمی مراتب میں اضافہ ہوگا اور ان کی یہ سعی جمیل ان کے لیے توشۂ آخرت بھی ثابت ہوگی۔

بندۂ درگاہی

ادارۂ معارف نوشاہیہ — عارف نوشاہی

۶۹۔ ماڈل ٹاؤن، ہمک — ۵ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ

اسلام آباد۔ پاکستان ۲۳۔ستمبر ۲۰۰۱ء

فون:(051)4490224

ای میل ganjbakhsh@yahoo.com

حواشی

۱و۲۔ صلاح بن مبارک بخاری، انیس الطالبین وعدّۃ السالکین، بہ تصحیح ومقدمہ دکتر خلیل ابراہیم صاری اوغلی، بہ کوشش دکتر توفیق ہ۔ سبحانی، سازمان انتشارات کیہان، تہران، ۱۳۷۱شمسی/۱۹۹۲ء، صفحہ۱۴۲، نیز: طبع استنبول،۱۹۹۴ء، ص۶۱، طبع پٹنہ،۱۹۹۶ء، ص۱۳۔۱۲۔

۳۔ اس سلسلے میں علاقے کے فارسی ادب کی متداول ادبی تاریخوں اور کتابیاتی جائزوں (براؤن، ایتھے، سٹوری، سعید نفیسی، ذبیح اللہ صفا، ظہور الدین احمد) کے علاوہ ہم ایک جدید کتابیات کا حوالہ دیں گے جو اس نوعیت کے مطالعہ کے لیے اسلامی ماوراء النہر کے تناظر میں بے حد مفید ثابت ہو سکتی ہے:

Yuri Bregel, Bibliography of Islamic Central Asia, Parts I.II.III, ,Indiana University (Research Institute of Inner Asian Bloomington(Ind) Studies), 1995. 2276pp.

۴۔ انیس الطالبین وعدۃ السالکین کے کچھ قلمی نسخوں میں مصنف کا نام خواجہ محمد پارسا لکھا ہے اور کچھ دوسرے نسخوں میں صلاح بن مبارک بخاری۔ اس کتاب کی دو روایتیں موجود ہیں۔ ایک مفصل اور دوسری مختصر۔ اگرچہ مطبوعہ نسخے (دیکھیے حاشیہ۱) میں صلاح بن مبارک ہی کا نام ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ خواجہ محمد پارسا نے بھی خواجہ بہاء الدین نقشبند کے مقامات پر ایک کتاب لکھی تھی۔ دیکھیے: احمد طاہری عراقی، مقدمۂ قدسیہ تألیف خواجہ محمد بن پارسای بخارائی، تہران، ۱۹۷۵ء، ص۷۵۔۷۴۔

۵۔ ایرانی محقق احمد منزوی نے ۱۹۹۵ء سے تہران سے ایک کتابیاتی سلسلے "فہرست وارۂ کتابہای فارسی" کی اشاعت کا آغاز کیا ہے جس کی اب تک پانچ جلدیں شائع ہو چکی

ہیں۔ یہ فارسی کتابوں کی موضوع وار فہرست ہے اور اس میں دنیا بھر میں شائع شدہ سینکڑوں مجلد فہارس مخطوطات و مطبوعات سے معلومات جمع کی گئی ہیں۔ بعض موضوعات (مثلاً تذکرہ ھائے مشائخ) کو ایک نظر دیکھنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان پر زیادہ تر کام برّصغیر میں ہوا ہے۔ اگر تین جدول برائے وسطی ایشیا، ایران، برصغیر بنا کر مذکورہ فہرستوارہ سے تاریخ تصنیف کے اعتبار سے کتب کا اندراج کیا جائے تو مجھے یقین واثق ہے کہ برصغیر کے خانے کے اندراجات سب سے زیادہ ہوں گے۔ تاریخی، موضوعی، جغرافیائی، تقابلی مطالعے کے لیے شائد اس طرح کے جائزے مرتب کرنا سودمند ثابت ہوگا۔

۶۔ لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی (م ۱۲۲۳ھ) نے ذہنی جدت سے کام لیتے ہوئے ہندوستان آنے والے تورانی، ایرانی مہاجرین شعرا کا ایک تذکرہ شام غریبان (مؤلفہ ۱۱۹۷ھ) مرتب کیا۔ (طبع کراچی، ۱۹۷۷ء)۔ اسی نوعیت کا ایک تحقیقی کام معاصر ایرانی محقق احمد گلچین معانی (م ۲۰۰۰ء) نے کاروان ہند کے نام سے انجام دیا ہے۔ جس میں صفوی دَور (۹۰۷ تا ۱۱۳۵ھ) میں صرف ایران سے ہندوستان آنے والے ۷۷۵ شعرا کے تراجم درج ہوئے ہیں۔ یہ تذکرہ دو جلدوں میں مشہد (ایران) سے ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔ راقم الحروف کی تجویز اور تحریک پر اِس سلسلے کی تکمیل دو پاکستانی ریسرچ سکالروں نے تہران یونیورسٹی کے لیے تحقیقی تعلیمی مقالات لکھ کر کی یعنی محمد سلیم مظہر، بررسی احوال و آثار پارسی گویان ایرانی درشبہ قارہ (از دورۂ غزنوی تا آغاز قرن دہم ہجری) اور اعجاز احمد ندیم، پارسی گویان ایرانی درشبہ قارہ (۱۱۳۱ تا ۱۳۴۴ھ)۔ یہ دونوں مقالات تا حال غیر مطبوعہ ہیں۔ اگر یہ تینوں تحقیقات بیک وقت سامنے رکھ کر برصغیر کی معارف پروری بالخصوص غیر ملکی شعرا کی پرورش کی تصویر کشی جائے تو اس تصویر کے رنگ بہت گہرے نظر آئیں گے۔

دیباچہ

زیرِ نظر کتاب ''نتائج الحرمین'' کی تیسری جلد ''مناقبُ الحضرات'' کا بامحاورہ اور سلیس اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی تاریخ میں ایک اہم روحانی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ نقشبندی مجدّدی سلسلے کی مستند تاریخ بھی ہے اور اس کے اکابر مشائخ کا معتبر معاصر تذکرہ بھی۔ اِس میں بہت سے مشائخ کے ملفوظات بھی محفوظ ہیں اور مکتوبات بھی۔ یہ عظیم صوفیا کے حالات کا مجموعہ بھی ہے اور ان کے مکاشفات وکرامات کا ذخیرہ بھی۔ اس میں کئی اہم علمی وفقہی مسائل بھی ہیں اور عرفانی نکات بھی۔ اس میں مغل دور کے ہندوستان کی تاریخی جھلکیاں بھی ہیں اور اس عہد کے سماج کی آئینہ داری بھی ہے۔ اس میں بہت سے سالکانِ طریقت کے دورِ تربیت اور ان کے روحانی ارتقاء کی دلچسپ اور مفید سرگزشت بھی ہے اور اسے کئی حضرات کا اجتماعی سفرنامۂ حج بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب برّصغیر کے خانقاہی نظام کا جامع ریکارڈ بھی ہے اور ان کے تربیت یافتہ اہلِ دل کے اخلاق وکردار کی جیتی جاگتی روایت بھی ہے۔ اگر ہم اسے حضرت امام ربّانی، مجدّد الف ثانیؒ [ ] اور آپؒ کے خلیفۂ اعظم حضرت سیّد آدم بنوریؒ [متوفی ۱۰۵۳ء] اور ان کی اولاد، خلفاء اور مُریدین کا انسائیکلوپیڈیا کہیں تو قطعاً بے جا نہ ہوگا۔ اِس کے مطالب میں اِتنا تنوع ہے کہ اسلامی تصوّف کی تاریخ میں شاید ہی کوئی اور کتاب اِتنی کثیر الجہات اور جامع الموضوعات ہو!

احوالِ مصنّف:

اِس غیر معمولی اہمیّت کی حامل کتاب کے مصنف حضرت علامہ شیخ محمد

امین بدخشیؒ [متوفی بعد از ۱۰۹۰ھ] ہیں۔ شیخ محمد امین بدخشیؒ کی بے مثال علمی و تصنیفی خدمات کے پیشِ نظر، ان کا نامِ نامی عرفانی ادب کی تاریخ میں ہمیشہ سُنہری حروف میں لکھا جائے گا۔

مصنف کے حالاتِ زندگی کے بارے میں مُستند ترین معلومات کا سرچشمہ خود انھی کی یہ تصنیف ہے۔ اِس کتاب میں مصنف نے مختلف مقامات پر ضمناً اپنے احوال بھی تحریر کیے ہیں۔ اپنے نسبتاً مفصّل حالات انھوں نے حضرت سیّد آدم بنّوریؒ کے خلفا کے ذیل میں لکھے ہیں۔ انھی خودنوشت حالات پر، نئی ترتیب سے ایک نظر ڈالنا مفید ہوگا۔

حضرت شیخ محمد امین بدخشیؒ کے بیان کے مطابق، وہ ۱۰۲۰ھ میں بدخشان میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک علمی اور روحانی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے والدِ بزرگوار کا نام شیخ علی الدین جہانگیر بدخشیؒ تھا اور وہ کُبرویہ سلسلے کے مشہور شیخِ طریقت حضرت شیخ خلیل اللہ بدخشیؒ کے مریدِ خاص تھے۔ گھر کے ماحول پر دین و عرفان کا غلبہ تھا، اس لیے شروع ہی سے اُن کی تربیت صوفیانہ نہج پر کی گئی۔ اُنھوں نے بچپن میں اپنے والد کو ہمیشہ "اورادِ فتحیہ" پڑھتے دیکھا۔ وہ مصنف کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلیا کرتے تھے۔ اِس اندازِ تربیت کے نتیجے میں مصنف کے دل و دماغ میں علماء اور مشائخ کی محبت راسخ ہوگئی، دین اور روحانیت کی طرف اُن کا میلان بڑھ گیا اور اُنھوں نے اپنی ساری زندگی دینی و روحانی علوم کی تحصیل و تکمیل اور تصنیف و تالیف کے لیے وقف کردی۔

مصنف کے والد نے اُنھیں لڑکپن ہی میں حضرت شیخ سلطان محمد فرخاریؒ سے بیعت کرادیا تھا۔ اِس بیعت کا واقعہ بھی بڑا دلچسپ ہے اور مصنف نے اسے اپنے لیے خصوصی اعزاز و افتخار جان کر قلمبند کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ جب میرے والد مجھے حضرت شیخ

سلطان محمد فرخاریؒ کی خانقاہ میں بیعت کرانے لے گئے تو شیخ نے دس روزہ خلوت اختیار کر رکھی تھی۔ خادموں نے بتایا کہ شیخؒ تو لڑکوں کو بیعت نہیں کرتے ہیں۔ شیخؒ کو معلوم ہوا تو آپؒ نے مجھے خلوت میں طلب فرمالیا۔ میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر، زانو بہ زانو بٹھا کر توجہ اور تلقین دی، بیعت کرلیا اور بہت لطف وکرم فرمایا۔ شیخؒ کے مریدوں کو بہت حیرت ہوئی اور انھوں نے کہا کہ اِس خوش نصیب لڑکے کے سوا شیخ نے آج تک کسی لڑکے کو بیعت سے مشرف نہیں کیا۔

آغازِ جوانی میں (۱۰۳۵ھ کے لگ بھگ) انھیں وطن سے ہجرت کرنا پڑی۔ علاقے میں اُزبکوں کی شورش اور مغلوں کی لشکرکشی کی وجہ سے فتنہ وفساد کا بازار گرم ہوگیا اور بلخ وبدخشان کے علاقوں کو تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔ مصنّف کے والد نے اپنی بصیرت وفراست کی بدولت قبل از وقت ہی جان لیا تھا کہ یہ علاقے بربادی کی لپیٹ میں آجائیں گے۔ اسی وجہ سے وہ وہاں سے نقل مکانی کرلینا چاہتے تھے لیکن ان کی زندگی میں ایسا نہ ہوسکا۔ والدین کی وفات اور بلخ وبدخشاں کی تباہی کے بعد مصنّف حجازِ مقدّس جانے کی نیّت سے نکل کھڑے ہوئے۔ حرَمَین کی زیارت کا شوق اُنھیں بچپن ہی سے تھا اور والدین کی زندگی میں اُنھیں کئی بار خوابوں میں مکہّ ومدینہ کی زیارت بھی ہوچکی تھی۔

ترکِ وطن کے بعد وہ کچھ عرصہ کابل، جلال آباد اور پشاور میں مقیم رہے۔ اِن شہروں میں انھوں نے دینی تعلیم بھی حاصل کی اور مختلف بزرگانِ دین کی صحبتوں سے روحانی فیض بھی پایا۔ ان کے اساتذہ میں مُلّا عبدالکریم پشاوریؒ اور اخوند مُلّا یوسف پشاوریؒ کے نام ملتے ہیں۔ یہ دونوں حضرات بعد میں حضرت سیّد آدم بنّوریؒ کے مرید وخلیفہ اور مصنّف کے پیر بھائی بنے۔ مصنّف نے لکھا ہے کہ وہ ۱۰۴۰ھ میں پشاور میں مُلّا یوسف پشاوریؒ کے پاس

پڑھتے تھے اور مصنّف کے علاوہ شیخ محمد صدیق اور مُلّا حسن علی کا شمار اُن کے بہترین شاگردوں میں ہوتا تھا۔ اِسی زمانے میں اُنھوں نے شیخ عثمان پشاوری کے ساتھ مل کر ملّا یوسف پشاوریؒ سے ''شرحِ وقایہ'' کا درس بھی لیا۔ شیخ عثمان پشاوریؒ بھی بعد میں حضرت بنّوریؒ کے مرید و خلیفہ ہو گئے تھے۔ مصنّف نے مولانا شیخ فتح محمد برہان پوریؒ کو بھی اپنا استاد لکھا ہے۔

اس کے علاوہ مصنّف کو عرب و عجم کے جن نامور علماء اور محدثین کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا، اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مُلّا عیسیٰؒ، مُلّا مختارؒ، مُلّا چالاک پشاوریؒ، مُلّا عبدالسلامؒ، مُلّا سعید خانؒ، مُلّا سعد اللہ خان لاہوریؒ، شیخ محمد بابلیؒ، مُلّا محمد مصریؒ، شیخ عیسیٰ مغربیؒ، امام علیؒ، مولانا زین العابدین طبریؒ، شیخ تاج الدین مالکیؒ، شیخ الاسلام محمد مکّیؒ، شیخ عبدالرّحمان خیاریؒ اور مُلّا نافع مدنیؒ۔

اُنھوں نے علمِ تصوّف کا باقاعدہ درس حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ، حضرت خواجہ محمد سعید سرہندیؒ اور حضرت شیخ سیّد آدم بنّوریؒ سے لیا۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ سے اُنھوں نے مکتوباتِ امام ربّانیؒ اور مکتوباتِ معصومی پڑھے۔ نیز انھوں نے مصنّف کو لوائحِ مولانا عبدالرّحمان جامیؒ اور عارفانہ رباعیات پڑھنے کا حکم بھی دیا تھا۔

اِس تفصیل سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ مروجّہ نقلی و عقلی علوم میں درجۂ کمال حاصل کر چکے تھے۔ انھوں نے جو بھی پڑھا، رسماً نہیں بلکہ محقّقانہ انداز میں پڑھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انشا پردازی کی تربیت بھی حاصل کر لی، جو اُس زمانے میں عام نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اعلیٰ پائے کے ایک ایسے مصنّف کے طور پر سامنے آئے جو روایتی علوم و فنون میں کامل مہارت کے ساتھ وسعتِ فکر و نظر کا حامل بھی ہے۔

شیخ محمد امین بدخشی ؒ ۱۰۴۷ھ میں لاہور پہنچے اور تقریباً ایک ماہ قیام کیا۔ لاہور میں وہ کئی مشائخ اور علماء سے ملے۔ اُنھوں نے مشہور نقشبندی بزرگ حضرت خواجہ خاوند محمود ؒ کی خدمت میں خاص طور پر حاضری دی۔ انھوں نے مصنّف کے ساتھ خصوصی شفقت ومحبت روا رکھی۔ پہلی ملاقات ہی میں کھڑے ہو کر اُن کا استقبال کیا اور گلے ملے۔ اس کے بعد کندھے سے اپنی چادر اتار کر فرش پر بچھائی، مصنّف کو اُس پر بٹھایا اور اپنے ہاتھوں سے اُنھیں کھانا کھلایا۔ خواجہ ؒ کے قریبی مریدوں کو بھی اس پر تعجّب ہوا کہ وہ ایک اجنبی پر اِتنی نوازشات فرما رہے ہیں۔

مصنّف نے حضرت مجدّد الف ثانی ؒ اور شیخ آدم بنّوری ؒ کی شہرت پہلے ہی سُن رکھی تھی۔ لاہور میں قیام کے دوران کچھ علماء ومشائخ نے مصنّف کو حضرت مجدّد الف ثانی ؒ کے فضائل سے آگاہ کیا اور آپ ؒ کے صاحبزادگان کے علمی وروحانی مرتبے کا کچھ اِس انداز میں ذکر کیا کہ مصنّف کے دل میں زیارت کا بے پناہ اشتیاق پیدا ہو گیا۔ بعض علماء اور مشائخ نے حضرت سیّد آدم بنّوری ؒ کا خصوصی ذکرِ خیر بھی کیا۔ چنانچہ وہ لاہور سے سرہند کے لیے روانہ ہوئے۔

۱۰۴۷ھ ہی میں مصنّف سرہند پہنچ گئے۔ حضرت خواجہ محمد سعید ؒ اور حضرت خواجہ محمد معصوم ؒ نے اُن پر بہت شفقت کی۔ اُنھیں حضرت خواجہ محمد معصوم ؒ میں زیادہ کشش محسوس ہوئی، اس لیے اگلے ہی روز اُن کے حلقۂ ارادت میں آ گئے اور مرشدِ کامل کی توجّہ کے طفیل روز بہ روز روحانی ترقّی کرتے گئے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم ؒ نے انھیں لوائح جامی اور مکتوباتِ امام ربّانی کے کچھ حصے پڑھائے اور خلافت واجازت دے کر طالبانِ طریقت کی راہنمائی کے لیے لاہور بھیج دیا۔ لاہور میں مصنّف کے سلسلۂ طریقت نے بہت فروغ پایا اور کئی

سالکوں نے اُن سے کسبِ فیض کیا۔

اس کے بعد حج وزیارت کے شوق میں لاہور سے نکلے اور ایک بار پھر سرہند جا پہنچے۔ خیال آیا کہ کچھ مزید علمِ دین حاصل کرنا چاہیے۔ اب کی بار انھوں نے حضرت مجدّد الف ثانی ؒ کے تینوں صاحبزادوں کی شاگردی اختیار کی اور خوب معنوی فوائد حاصل کیے۔ اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں کہ انھوں نے ۱۰۵۰ھ میں سرہند میں حضرت خواجہ محمد سعیدؒ سے ہدایہ پڑھا اور تفسیر وحدیث اور مکتوبات امام ربّانی کے دروس میں شرکت کی۔ انھی دنوں حضرت سیّد آدم بنوریؒ کے صاحبزادے حضرت سیّد غلام محمدؒ بھی حصولِ علم اور کسبِ فیض کے لیے سرہند میں مقیم تھے۔ سیّد غلام محمدؒ اور مصنف ایک دوسرے سے بہت مانوس ہوگئے۔ یہاں تک کہ مصنّف اُنھی کے حجرے میں خلوت اختیار کرتے تھے۔ مصنّف کے پاس مُعمّا کی ایک کتاب تھی۔ سیّد غلام محمدؒ نے وہ کتاب اُن سے مستعار لی اور استفادہ کیا۔ حضرت سیّد آدم بنوریؒ بھی عُرسوں میں شرکت اور حاضری کے لیے سرہند آیا کرتے تھے۔ مصنّف کی اُن سے بھی ملاقاتیں ہوتی رہیں اور وہ حضرت شیخؒ کی پُرکشش شخصیت سے بے حد متاثر ہوئے۔ اُنھوں نے حضرت شیخؒ کے جو احوال وفضائل تواتر سے سُن رکھے تھے، اب اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اُن کی تصدیق کرلی تھی! چنانچہ ان کے دل میں حضرت بنوریؒ کی عقیدت ومحبت میں اضافہ ہوتا گیا۔

اِسی اثنا میں مصنّف نے سُنا کہ حضرت سیّد آدم بنوریؒ حج پر روانہ ہورہے ہیں تو اُن کے دل میں سفرِ حجاز کا اشتیاق تازہ ہوگیا۔ انھوں نے بے اختیار ہوکر حضراتِ سرہند سے روانگی کی اجازت چاہی۔ رمضان ۱۰۵۱ھ میں وہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے ساتھ اعتکاف بیٹھے تھے۔ حضرت خواجہ کو سیّد آدم بنوریؒ کی طرف اُن کے میلان کا اندازہ ہوگیا تھا

اور آپؒ نے اُنھیں بہ خوشی اجازت دے دی تھی کہ وہ حضرت بنّوریؒ کی صحبت اختیار کرلیں۔ اب اُنھوں نے حضرت بنّوریؒ کے ساتھ حج پر روانہ ہونے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے کامل رضا ورغبت سے اُنھیں اجازت عطا کی اور دوبارہ خلافت اور مخصوص تبرکات سے بھی نوازا۔

سرہند سے نکل کر مصنّف نے کچھ عرصہ حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے خلیفے میر نعمان بدخشیؒ اور شیخ عبدالحئیؒ کی خدمت میں بھی گذارا اور اس سلسلے میں ساتھیوں کی ملامت بھی سُنی۔

شیخ محمد امین بدخشیؒ ۱۰۵۱ھ ہی میں کسبِ فیض اور ہمراہی کی نیّت سے حضرت سیّد آدم بنّوریؒ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حضرت شیخؒ اُس وقت شاہ آباد میں تھے کہ مصنّف نے اُن سے تلقین اور توجّہ پائی اور باقاعدہ طور پر اُن کے نیاز مندوں میں شامل ہوگئے۔ اِس کے بعد وہ حضرت شیخؒ کی زندگی کے آخری لمحے تک، بیس ماہ اور ایک دن اُن کے ہمراہ رہے اور خلوت وجلوت میں اُن سے استفادہ کرتے رہے۔ مصنّف کا بیان ہے کہ وہ مجموعی طور پر پانچ سال تک حضرت خواجہ محمد معصومؒ اور حضرت سیّد آدم بنّوریؒ کی صحبت میں رہے۔

حضرت سیّد آدم بنّوریؒ ۱۰۵۱ھ میں اہل وعیال سمیت سفرِ حج پر روانہ ہوئے۔ آپؒ کے ہمراہ ایک سو خلفاء اور مریدین بھی تھے۔ بندرگاہ سورت سے بحری جہاز پر روانگی ہوئی۔ جہاز راستے میں ڈوب گیا۔ لوگوں کا مال واسباب سب ضائع ہوگیا البتہ جانیں محفوظ رہیں۔ بڑی مشکلوں سے ۹۔ ذی الحجہ ۱۰۵۲ھ کو عرفات میں پہنچے۔ مناسکِ حج بجالائے۔ ساتھی آپؒ کے ارشادات سے بہرہ یاب ہوتے رہے۔ آپؒ چھ ماہ مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔ جمادی الآخر/رجب ۱۰۵۳ھ میں مدینہ منوّرہ کے لیے روانہ ہوئے اور زندگی کے باقی ایام

وہاں گذارے۔ یکم رمضان سے ۱۰۔شوال تک مسجد نبوی میں چلّہ کشی کی۔ مصنّف نے بھی آپ کے ساتھ بیس دن اعتکاف کیا۔ حضرت شیخؒ نے اہم مقدّس مقامات کی زیارتیں کیں اور ۱۳۔شوال ۱۰۵۳ھ جمعہ کو وہیں انتقال فرمایا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے روضۂ انور کے قریب دفن ہوئے۔

مدینہ منورّہ ہی میں روضۂ رسول ﷺ کے سامنے حضرت سیّد آدم بنّوریؒ نے مصنّف کی دستار بندی کی اور خلافت واجازت عطا کر کے فرمایا کہ اگر جاہ ومرتبہ اور پیری مریدی کا سلسلہ چاہتے ہو تو اپنے وطن چلے جاؤ۔ لیکن مصنّف نے اسی بابرکت سرزمین پر رہنے کو ترجیح دی۔ وہ حضرت بنّوریؒ کی وفات کے کچھ عرصے بعد مکہ مکرمہ میں مقیم ہو گئے۔ ان کے اکثر برادرانِ طریقت حجاز ہی میں مقیم تھے اور ہندوستان سے بھی ساتھیوں کی آمدورفت جاری رہتی تھی۔ اِس لیے اُنھوں نے حجاز ہی کو مرکز بنایا او عمر بھر وہیں رہائش پذیر رہے۔

مکہ مکرمہ میں اُنھوں نے نتائج الحرمین کی تالیف وترتیب کا کام شروع کیا۔ یہ عظیم وجلیل کام تقریباً نصف صدی جاری رہا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ بیچ میں تقریباً بیس سال یہ کام رکا رہا اور مصنّف علمائے حجاز سے تفسیر وحدیث پڑھنے میں مصروف رہے۔ اِس عرصے میں اُنھوں نے کچھ مقامی لوگوں کی روحانی تربیت بھی شروع کی لیکن یہ تجربہ زیادہ خوشگوار ثابت نہ ہو سکا۔ اُن کا بیشتر وقت گوشہ نشینی، تصنیف وتالیف اور درس وتدریس ہی میں گذرا۔ اُن کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حدیث، اصولِ حدیث اور تصوف کا درس دیا کرتے تھے اور اہلِ زبان عرب بھی اُن سے استفادہ کرتے تھے۔

مکہ مکرمہ میں حضرت سیّد آدم بنّوریؒ کے خلیفہ شیخ محمد شریف شاہ آبادیؒ دو سال

تک مصنف کے ساتھ ایک ہی گھر میں اور پانچ برس ان کے ہمسائے میں رہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ ۱۰۶۰ھ میں شیخ محمد جمال پشاوریؒ ان کے ساتھ ایک ہی گھر میں مقیم تھے۔

مصنف نے حضرت سیّد بنوریؒ کی تصانیف کی تصحیح اور کتابت اور اُن کے عربی ترجمے کا کام بھی جاری رکھا۔ اس سلسلے میں شیخ محمد شریف شاہ آبادیؒ اُن کے ساتھ کام کرتے رہے۔ مصنّف نے حضرت سیّد بنوریؒ کی تصانیف کے کاتبوں کے لیے ایک دستور العمل بھی لکھا ہے جس کی ایک نقل کتب خانۂ خیریہ پشاور میں موجود ہے۔

حَرَمَین شریفین میں اپنے ذریعۂ مُعاش کے بارے میں مصنّف نے وضاحت سے کچھ نہیں لکھا۔ البتہ کئی بار یہ ضرور لکھا ہے کہ بغیر کسی مقررّہ آمدنی یا وظیفے کے بھی اللہ نے اُنھیں کبھی کسی کا محتاج نہیں ہونے دیا۔ وہ بار بار اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اُنھیں کبھی تنگ دستی کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور اگر کبھی کوئی مالی مسئلہ پیدا ہوا بھی تو اللہ نے ان کے دل میں قناعت اور صبر و شکر ڈال دیا۔

اندازہ ہوتا ہے کہ مصنّف عمر بھر مجرد ہی رہے۔ یہ معلوم ہوا کہ اُن کے خاندان کے کچھ افراد حَرَمَین میں موجود تھے۔ حضرت شیخ غلام محی الدین قصوریؒ (متوفی ۱۲۷۰ھ) نے حَرَمَین سے کچھ کتابیں خریدی تھیں۔ اُن میں سے ایک کتاب پر آپ کی تحریر کردہ یہ یادداشت موجود ہے کہ یہ کتابیں شیخ محمد امین بدخشیؒ کے اہلِ خاندان سے خریدی گئی ہیں۔ (بہ روایت پروفیسر محمد اقبال مجدّدی) لیکن یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ لوگ مصنّف کی اولاد میں سے تھے یا اُن کے رشتہ داروں کی اولاد میں سے تھے۔

۸۔ ۱۰۶۷ھ میں حضراتِ سرہند اپنے صاحبزادگان اور خلفاء اور مریدوں کے ساتھ حج و زیارات کے لیے حَرَمَین شریفین حاضر ہوئے تو مصنّف زیادہ تر اُن کے ساتھ

ساتھ رہے۔ حضراتؒ نے حسبِ معمول اُن کی بہت عزّت افزائی کی اور حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے اُنھیں ایک بار پھر خلافت عطا فرمائی۔

مصنّف کے قطعی سالِ وفات کا اندازہ نہیں ہوسکا۔ وہ ایک جگہ تحریر کرتے ہیں کہ اُنھیں حرَمَین میں رہتے ہوئے پچاس سال ہوگئے ہیں۔ اِس روایت کی روشنی میں یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ ۱۱۰۰ھ تک ضرور زندہ تھے۔ نتائج الحرَمَین میں اُنھوں نے جو آخری سنہ تحریر کیا ہے وہ ۱۰۹۰ھ ہے۔ شیخ محمد امین بدخشیؒ کے ایک معاصر مصنّف مولانا محمد عمر چمکنی پشاوریؒ اپنی کتاب ''ظواہر'' میں لکھتے ہیں کہ شیخ محمد امینؒ آخری عمر میں مصر چلے گئے تھے اور وہیں دفن ہیں۔ مصر روانگی کا سال، اُس کی وجہ اور حتمی سالِ وفات متعین نہیں ہوسکا۔ ظواہر کا قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔

نتائج الحرَمَین کے علاوہ اور کئی تصانیف بھی مصنّف کی یادگار ہیں۔ ان کی اکثر تصانیف عربی و فارسی دونوں زبانوں میں ہیں۔ اُنھوں نے اپنی مندرجہ ذیل کتابوں کے نام گنوائے ہیں:

۱۔ رسالہ حقیقہ در مفاضلہ بین الانسان والکعبہ (عربی و فارسی)

۲۔ رسالہ جمعہ (عربی و فارسی)

۳۔ رسالہ فقہ ضروریہ در مذاہبِ اربعہ

۴۔ مناسک الحج والتمرہ وفضائلھما

۵۔ آداب الزّیارۃ

۶۔ رسالہ فقرات عرفانیہ و شجراتِ طریقۃ

۷۔ رسالہ مشاجرات المدینہ وردّ الحاسدیّہ وجواب الکشاشیہ

۸۔اختصار التّاریخ فی فضایل الحرمین الشّریفین

۹۔منتخب احادیث الجوامع والمسانیہ

۱۰۔رسالہ مکتوبات

۱۱۔رسالہ امینیّہ فی سلوک الاولّیہ

۱۲۔رسالہ در توحید وجودی

۱۳۔درودِ الہامیہ

معاصر فاضل محقق پروفیسر اقبال مجددّی صاحب نے مصنّف کی تصانیف کی تعداد اکیس تحریر فرمائی ہے (دانشنامۂ جہان اسلام، جزوۂ ہفتم، غلام علی حدّاد عادل، بنیاد دائرۃ المعارف اسلامی، تہران، ۱۳۷۵ش، ص۱۱۳۴) لیکن ہمیں دیگر کتابوں کے نام معلوم نہیں ہوسکے۔

مصنّف کی عادات وخصائل اور اخلاق وکردار کے بارے میں اندازہ ہوتا ہے کہ اِتنے علم وفضل اور کمالات کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اُنھیں کبر ونخوت سے محفوظ رکھا تھا۔ حسب نسب، علم یا زہد وپارسائی کی بنیاد پر وہ کبھی احساسِ برتری کا شکار نہیں ہوئے بلکہ عمر بھر اپنے آپ کو ایک ادنیٰ طالب علم سمجھ کر علمِ دین کے حصول میں مگن رہے اور تصنیف وتالیف کی صورت میں اپنے سلسلۂ طریقت کی بہت بڑی خدمت انجام دیتے رہے۔اُن کے مزاج میں عاجزی، مسکینی اور قناعت کا غلبہ تھا۔ دل ودماغ حرص وہوس اور شہرت پسندی سے پاک تھا۔ خوش اَخلاق اور ملنسار تھے۔ علمی وعرفانی معاملات میں بہت فعّال اور سرگرم تھے۔ کسی کی سرپرستی اور راہنمائی سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

اُنھیں حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے تین بار خلافت عنایت فرمائی تھی اور حضرت

خواجہ محمد سعید سرہندیؒ اور حضرت سیّد آدم بنّوریؒ نے ایک ایک بار۔ وہ صاحبِ کشف وکرامات بزرگ تھے۔ کتاب میں اُنھوں نے جابجا اپنے سچے خواب اور مکاشفے تحریر کیے ہیں۔ ایسی باتیں بیان کرتے ہوئے اُن کا لب ولہجہ خودستائی والا نہیں ہوتا بلکہ وہ ساتھیوں کی تربیت یا اظہارِ نعمت کے لیے عاجزانہ انداز میں ایسی باتیں لکھتے ہیں۔ اُن کے روحانی مرتبے کا یہ عالم ہے کہ وہ متعدد مشائخ سے فیض یاب ہونے کے علاوہ حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے تقریباً چالیس خلفا اور خاص مریدوں کی صحبت میں رہ چکے تھے۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے اُنھیں کاملوں اور مقبولانِ بارگاہ میں شمار کیا ہے اور اُن کی صحبت کو غنیمت قرار دیا ہے۔ حضرت سیّد آدم بنّوریؒ نے اُنھیں سعادت مندی کی بشارت دی اور ہمیشہ اچھے انداز میں یاد کیا۔ حرمین میں قیام کے دوران تو آپؒ اُس وقت تک علمی وروحانی مسائل بیان ہی نہیں کرتے تھے، جب تک شیخ محمد امین بدخشیؒ محفل میں موجود نہیں ہوتے تھے۔ مصنّف کو کئی بار خواب میں حضرت رسول کریم ﷺ کی زیارت کی سعادت بھی نصیب ہوئی تھی۔ اِن تمام باتوں کے باوجود اُن کی تحریر سے فضل فروشی، خودنمائی یا غرور وتکبر کا احساس تک نہیں ہوتا۔ علمائے حق اور مشائخِ کامل کی یہی علامت اُن کے کمال کی دلیل ہے۔ اُنھوں نے بار بار یہ بھی لکھا ہے کہ ایسی باتوں کے بیان کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اِن انعامات میں اضافہ فرمائے!

مصنّف نتائج الحرمین حق گوئی کو کبھی فراموش نہیں کرتے تھے۔ کسی علمی یا روحانی مسئلے پر وہ بڑے دوٹوک انداز میں اپنی جچی تلی رائے بیان کرتے تھے اور اِس سلسلے میں کسی مصلحت کا شکار نہیں ہوتے تھے۔ اُنھیں تحریر وتقریر میں کمال حاصل تھا اور وہ اپنے بھرپور استدلال اور زورِ قلم یا جوشِ بیان سے قائل کرلیا کرتے تھے۔ اپنے ساتھیوں میں سے شیخ

عبداللہ کوہاٹیؒ اور شیخ عبداللہ سلطان پوریؒ سے اُن کے طویل مباحثے اور مناظرے اِس کی بہترین مثالیں ہیں۔

اُن کی علمی دیانت کا یہ عالم ہے کہ اُنھوں نے حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی کتابوں ''فتوحاتِ مکیہ'' اور ''فصوص الحکم'' سے جا بہ جا استفادہ کیا ہے اور کئی مقامات پر بڑے واضح انداز میں وجودی عرفان کا دفاع بھی کیا ہے۔ اُن کے ساتھیوں میں سے شیخ امید علی گوالیاریؒ اور شیخ قاسم سہارن پوریؒ پر انھی کیفیات کا غلبہ تھا جس کی وجہ سے اکثر احباب اُنھیں مطعون کیا کرتے تھے۔ مصنّف نے ان کا بھرپور دفاع کیا ہے اور عالمانہ وعارفانہ بحث کا حق ادا کر دیا ہے۔ نقشبندیوں کے صوفیانہ لٹریچر میں ایسے مباحث بہت کم ملتے ہیں۔

اِنھی بے مثال خصوصیات کے پیشِ نظر وہ اپنے ساتھیوں میں بہت مقبول اور محترم سمجھے جاتے تھے۔ نقشبندی مجدّدی سلسلے کے اکثر خلفاء اُنھیں حرمین میں اپنے سلسلے کا نمائندہ قرار دیتے تھے اور خط وکتابت کے ذریعے اُن کے ساتھ مستقل رابطہ رکھتے تھے۔ اکثر علماء اور مشائخ ہندوستان میں اُن کی تصانیف سے استفادہ کرتے اور گاہے بہ گاہے مختلف مسائل پر لکھنے کی فرمائش بھی کیا کرتے تھے۔

حضرت سیّد آدم بنوریؒ کے کئی مریدوں اور خلفاء نے باقاعدہ طور پر شیخ محمد امین بدخشیؒ کی شاگردی اختیار کی۔ اُنھوں نے شیخ محمد جمال پشاوریؒ کو قرآن پاک پڑھایا اور حضرت بنوریؒ کی کتاب ''نکات الاسرار'' کا درس دیا۔ شیخ اسد اللہ چنابی لاہوریؒ نے حدیث، فقہ اور تصوّف میں اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ شیخ بازید یوسف زئی نے نہ صرف اُن سے دینی علوم حاصل کیے بلکہ اُن کی صحبتوں سے فیضِ باطن بھی پایا۔ شیخ احمد

سنّوریؒ تو اُن کے ساتھ مریدوں کا سا برتاؤ کیا کرتے تھے۔

اکثر و بیشتر ساتھی مصنّف کی سرپرستی کے خواہاں رہتے اور اُن کے مشوروں کو خاص اہمیت دیتے تھے۔ کتاب میں کئی ایسے واقعات موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ساتھیوں کو اُن کی دانش و بصیرت پر کتنا اعتماد تھا!

ایک کامیاب مصنّف کے طور پر اُن کے کمالِ فن کا اعتراف اُن کے ایک ہم عصر مصنّف مولانا بدرالدّین سرہندیؒ نے بھی کیا ہے۔ مولانا سرہندیؒ نقشبندی مجدّدی سلسلے کے اہم ترین مؤرخ اور تذکرہ نگار ہیں۔ اُن کی کتابیں اِس سلسلے کے مُستند ابتدائی مآخذ قرار دی جاتی ہیں۔ مصنّف کے پیر بھائی شیخ ابونصر انبالویؒ نے اُنھیں ایک خط میں لکھا ہے کہ اُنھوں نے مولانا سرہندیؒ کو مصنّف کی کچھ تحریریں پڑھائیں۔ مولانا نے کہا کہ میری شیخ محمد امین بدخشیؒ سے شناسائی تو تھی لیکن مجھے اِس سے پہلے اُن کے علم و فضل کا اندازہ نہیں تھا! مولانا بدرالدّین سرہندیؒ نے نہ صرف مصنّف کے اسلوبِ نگارش کی تعریف کی بلکہ اُن کی تحریر کا کچھ حصّہ اپنی تصنیف میں بھی شامل کیا۔ اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک اہم اور مستند مصنّف کے طور پر ان کی زندگی ہی میں اُن کی شہرت ہوگئی تھی اور ہم عصر مؤلّفین اُنھیں قدر کی نظر سے دیکھنے لگے تھے۔

کتاب کا نام:

مصنّف نے اِس کتاب میں دو مقامات پر بڑی صراحت سے لکھا ہے کہ اِس کتاب کا نام ''مَناقبُ الحَضَرات'' ہے اور یہ ''نتائج الحرمَین'' کی تیسری جلد ہے۔ مزید دو مقامات پر بھی ''مناقبُ الحضرات'' ہی لکھا گیا ہے۔ اِتنی ضخیم کتاب کے متن میں اس کے

کچھ عُرفی نام بھی ملتے ہیں۔ دو جگہ پر اِسے ''مناقبِ آدمیّہ''، ایک بار ''نتائج الحرمَین ومناقب الشیخین''، ایک بار ''مناقبِ احمدیہ ومعصومیّہ'' اور ایک بار ''مقاماتِ احمدیّہ ومناقبِ آدمیّہ'' بھی لکھا گیا ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق اِس کا نام ''مناقبُ الحضرات'' ہی ہے۔ خود متنِ کتاب سے بھی اِس کی تائید ہوتی ہے۔ مصنّف نے یہ نام سب سے زیادہ یعنی چار بار استعمال کیا ہے اور معنوی اعتبار سے سب سے زیادہ موزوں بھی یہی ہے۔

مرکزی موضوع:

کتاب کا مرکزی موضوع حضرت سیّد آدم بنوریؒ کی ذاتِ والا صفات ہے۔ آپؒ کے ظاہری وباطنی احوال کا جامع ترین منبع یہی کتاب ہے۔ مصنّف نے اپنے پیر ومرشد کے حالات، مکاشفات، مشاہدات، مکتوبات، ملفوظات اور آپؒ کے خلفاء اور مریدین کے زیادہ سے زیادہ احوال قلمبند کیے ہیں۔ ابتدا میں حضرت بنوریؒ کے شیخ طریقت حضرت شیخ احمد مجدّد الف ثانیؒ اور ان کے صاحبزادگان کے احوال بھی ہیں۔ نیز حضرت بنوریؒ کے دو پیر بھائیوں حضرت شیخ طاہر بندگی لاہوریؒ اور حاجی خضر روغانیؒ کا تذکرہ بھی ہے۔ اس لیے کہ حضرت بنوریؒ نے اِن دونوں بزرگانِ دین سے بھی اکتسابِ فیض کیا تھا۔

حضرت سیّد آدم بنوریؒ کے ابتدائی حالات اور اُن کے روحانی سفر کی تفصیلات زیادہ تر خود حضرت بنوریؒ ہی کی کتابوں سے انتخاب کی گئی ہیں۔ مولانا بدرالدّین سرہندیؒ کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ مصنّف نے بہت سے ایسے احوال بھی لکھے ہیں جو دیگر کتابوں میں نہیں ملتے۔ ایسی روایات حضرت بنوریؒ یا آپؒ کے مستند قریبی ساتھیوں

سے سُنی گئی ہیں۔ یہ احوال بہت اہمیت کے حامل ہیں اور ان سے حضرت سیّد آدم بنّوریؒ کی شخصیت کے کئی پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ نیز آپؒ کی باطنی سرگذشت کی بہت سی نئی کڑیاں سامنے آتی ہیں۔ قارئین کو پتہ چلتا ہے کہ اوائل میں حضرت بنّوریؒ خوش نویس کے طور پر شاہی ملازم رہے اور بعد میں منصب دار بھی بنے۔ آپؒ نے جوگیوں اور سنیاسیوں سے بھی استفادہ کیا۔ بہت سے مجذوبوں کی خدمت بھی کی۔ کسبِ فیض کے لیے حضرت میاں میر قادریؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے لیکن اندازہ کر لیا کہ آپؒ کے حصّے کا فیضان اُن کے پاس نہیں ہے۔

کتاب کا اہم ترین حصّہ وہ ہے جس میں حضرت آدم بنّوریؒ کے خلفاء، مریدین کے احوال اور آپؒ کے سفرِ حج کی تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔ حضرت بنّوریؒ کے آخری ایام کی جُزئیات تک محفوظ کی گئی ہیں۔ یہ تفصیلات اور کسی کتاب سے نہیں مل سکتیں۔ آپ کے خلفاء اور مریدین کے احوال بھی خاصے کی چیز ہیں۔ اکثر و بیشتر حضرات نے اپنے حالات خود دیکھ کر، شاملِ کتاب کرنے کے لیے مصنّف کو فراہم کیے۔ بعض احباب کے احوال اُن کی زبانی سُن کر، اُن کی موجودگی ہی میں لکھ لیے گئے اِس لیے اُن کے ثقہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ یہ انفرادی معلومات ایسی ہیں جن کا کسی اور مآخذ میں ملنا ممکن ہی نہیں۔ اِس طرح بہت سے گمنام لوگوں کے حالاتِ زندگی اور باطنی کیفیات محفوظ ہوگئی ہیں جو ایک غیر معمولی علمی و تحقیقی کارنامہ ہے۔

مآخذ و منابع:

مصنّف نے زبانی روایات کے علاوہ بہت سی معروف اور غیر معروف

کتابوں سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے۔ جتنا تنوّع کتاب کے مطالب میں ہے، اُتنی ہی رنگارنگی اس کے منابع میں بھی ہے۔ مصنّف کی یہ محققانہ اور دیانت دارانہ عادت قابلِ تعریف ہے کہ وہ بڑے اہتمام سے اپنے مآخذ کے نام نقل کرتے جاتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب کی تالیف وتدوین میں اُنھوں نے تقریباً چالیس کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ اُن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

قرآن کریم، صحیح بخاری، صحیح مسلم، مستدرک حاکم، مشکوٰۃ، ترمذی، ابنِ ماجہ، ابوداوٗد، سُنَنِ نسائی، قوت القلوب، کشف المحجوب، تعرّف، اسرار العبادات، نوادر الاصول، فاتحۃ العلوم، مناسک زاد الحج، تفسیر درّ المنثور، تذکرۃ الاولیائے عطارؒ، نفحات الانسِ جامیؒ، رسالہ محبوبیۂ خواجہ محمد پارساؒ۔ فتوحاتِ مکیّہ، فصوص الحکم، رشحات، مکتوباتِ منیری، مبداء ومعادِ امام ربانیؒ، مکتوباتِ امام ربانیؒ، مکتوباتِ معصومیؒ، کشف الغطائے شیخ محمد فرخ سرہندیؒ، زبدۃ المقامات وحضرات القدسِ بدرالدّین سرہندیؒ، تذکرۂ مشائخ معصومیۂ میر محمد بدخشی کولابی، رسالہ یاقوتیہ، نکاتِ الاسرارِ شیخ بنّوریؒ اور خلاصۃ المعارفِ شیخ بنّوریؒ۔

اِن منابع سے مصنّف کی علمیّت اور وسعتِ مطالعہ کے ساتھ ساتھ اُن کے موضوعات کی جامعیّت کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔

سببِ تالیف:

مصنّف نے کتاب کے ابتدائیے میں تحریر کیا ہے کہ جب وہ حضرت سیّد آدم بنّوریؒ کی صحبتوں سے فیض یاب ہونے لگے تو آپؒ کی بلند پایہ علمی وروحانی گفتگوئیں سُن کر اُنھیں احساس ہوا کہ یہ ارشادات سالکوں کی تربیت کے لیے آبِ حیات

کا درجہ رکھتے ہیں اور صفائے باطن کے عمل میں اہلِ دل کے لیے بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ وہ بہت سے مشائخ کی خدمت میں رہ چکے تھے لیکن انھوں نے اِتنے متاثر کن انداز میں یہ اَسرار و رُموز اور کسی سے نہیں سُنے تھے۔ ایسی منفرد باتیں اُس دور میں بھی عنقا تھیں۔ چنانچہ اُنھیں خیال آیا کہ اگر یہ باتیں تحریری صورت میں محفوظ نہ کی گئیں تو بہت بڑی محرومی ہوگی۔ اِس کے بعد اُنھوں نے متعدد استخارے کیے اور واضح بشارتیں پائیں۔ خود حضرت شیخ بنّوریؒ نے بھی اُنھیں احوال و ملفوظات نویسی کی اجازت دی اور مصنّف نے ابتدائی طور پر لکھنے کا کام شروع کر دیا۔ ان کے پیشِ نظر بنیادی مقصد یہی تھا کہ یہ سرمایۂ علم و عرفان محفوظ ہو جائے اور آنے والے زمانوں میں بھی لوگ اس سے استفادہ کرتے رہیں۔

حضرت شیخؒ کے انتقال کے بعد آپؒ کا ظاہری فراق بھی مصنّف کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ مزید برآں غریبُ الوطنی اور دربہ دری کا احساس بھی اُنھیں اذیّت میں مبتلا رکھتا تھا۔ لہٰذا اُنھوں نے اِس جاں کاہ غم واندوہ سے چھٹکارا پانے کے لیے پوری توجّہ اور تن دہی سے یہ مفید کا شروع کر دیا۔ اِس سے اُن کے اضطراب میں کمی ہو جاتی تھی اور اُنھیں یوں لگتا تھا جیسے اُن کے زخموں پر مرہم رکھ دیا گیا ہو۔

زمانۂ تصنیف اور اس کے مراحل:

مصنّفؒ نے کتاب کا ابتدائی مواد حضرت شیخ بنّوریؒ کی زندگی ہی میں، ۱۰۵۲-۳ھ میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ قیامِ حرَمین کے تقریباً پچاس برسوں میں اُنھوں نے مواد کی جمع آوری اور مسودے کی تحریر جاری رکھی۔ ۱۰۹۰ھ تک وہ یقینی طور پر اس میں مشغول رہے تھے۔ گویا اس کتاب کی ترتیب و تالیف تقریباً چالیس برس جاری رہی۔ یہ ایک طویل

مدّت ہے اور مصنّفؒ کے جذبہ واشتیاق کو داد دینی پڑتی ہے کہ اُنھوں نے اپنی زندگی اس کام کے لیے وقف کیے رکھی۔

اِس عرصے میں وہ جن احوال وکیفیات سے گذرے، اُنھوں نے کتاب کے مختلف مقامات پر ان کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ اس سے مناقبُ الحَضَرات کی سرگذشتِ تالیف سے آگاہی ہوسکتی ہے۔

مصنّف کا بیان ہے کہ وہ طبعاً تصنیف وتالیف کے شغل سے گریزاں تھے لیکن بہ ہرحال انھیں یہ کام کرنا ہی پڑا۔ سب سے پہلے مدینہ منورّہ کے ایک محدّث نے انھیں کہا تھا کہ وہ اپنے پیرومرشد کے بارے میں دیکھے جانے والے خواب تحریر کرلیں۔ کتاب لکھنے سے پہلے اُنھوں نے کئی استخارے بھی کیے جن میں اُنھیں واضح اشارے ہوئے کہ خیروبرکت کے کام میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔ قریبی احباب بھی اُن سے درخواست کرتے تھے کہ وہ تصنیف کا کام شروع کردیں تاکہ ہر ایک کا فائدہ ہو۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ان کی طبیعت راغب نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ کبھی کبھی یہ خیال بھی آتا تھا کہ جو تھوڑا بہت کام پہلے کیا جاچکا ہے، اس میں بھی وقت ہی ضائع ہوا ہے۔ اِس عرصے میں کئی بار خواب میں حضرت بنّوریؒ نے بھی ان کی حوصلہ افزائی کی اور ان کی خدمات کو سراہا۔ مصنّف نے اپنے آپ کو مختلف علوم وفنون کی تحصیل میں مصروف رکھا اور علم تفسیر، حدیث اور فقہ پڑھتے رہے۔ تصنیفی کام میں یہ تعطّل تقریباً بیس برس جاری رہا۔ قیاس ہے کہ یہ وقفہ حضرت شیخؒ کی وفات کے کچھ ہی عرصے کے بعد شروع ہوگیا تھا۔

ساتھیوں کا اصرار بھی بڑھ گیا اور خود اُن کی بھی یہ حالت رہنے لگی کہ دل ودماغ میں ہر وقت حضرت شیخؒ کے احوال ومناقب کا غلبہ رہتا اور تمام باتیں مجسم ہوکر اُنھیں کہتیں

کہ ہمیں لکھو! اُن کی کوشش کے باوجود بھی یہ کیفیت زائل نہ ہوئی اور نماز و مراقبہ میں بھی غالب رہتی۔ پھر ایک رات انھوں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ستارے گر رہے ہیں اور یہ مناقب اُن میں سے انڈوں سے نکلنے والے چوزوں کی طرح نکل کر دوڑ دوڑ کر مصنّف کے دامن میں چھپ رہے ہیں، مصنّف اُن سے بھاگتے ہیں تو چوزے اُڑ اُڑ کر اُن تک پہنچ جاتے ہیں۔ پھر انھوں نے بیداری کی حالت میں بھی یہ کیفیت ملاحظہ کی۔ آخر کار اُنھوں نے خود کو دوسری مصروفیات اور متفرق خیالات سے نجات دلا کر اس کام کے لیے وقف کر دیا۔

وہ یہ واضح کرتے ہیں کہ انھیں روحانی طور پر اِس کتاب کی تصنیف کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں کسی غرض یا لالچ کو دخل نہیں ہے۔ نیز یہ کہ انھوں نے محض اللہ کی رضا کے لیے یہ خدمت انجام دی ہے۔ اُنھوں نے ساتھیوں سے گذارش کی ہے کہ وہ اس کتاب کی تصحیح بھی کریں اور اس کی نشر و اشاعت میں بھی حصّہ لیں۔

کتاب کی تالیف و ترتیب میں مصنّفؒ نے بہت سی مستند کتابوں سے مدد لی۔ اِس کے علاوہ اُنھوں نے حضرت شیخ بنوریؒ، آپؒ کی اولاد، خلفاء اور اہم مریدوں کی بیان کردہ بہت سی زبانی روایات کو بھی شاملِ کتاب کیا۔ اِس ضمن میں وہ یہ اعتراف بھی کرتے ہیں کہ وہ بہت سے باتیں بُھلا بھی بیٹھے ہیں۔ زبانی روایات کے ساتھ ساتھ اُنھوں نے بہت سے حضرات سے فرمائش کر کے ان کے احوال اور یادداشتیں لکھوائیں اور پھر اُن کا انتخاب، کتاب میں شامل کیا۔ اِس حوالے سے اُنھوں نے اختصار کو مدِ نظر رکھا ہے اور ساتھیوں کی تحریروں کا مختصر، جامع اور مفید انتخاب کیا ہے۔

بہت سی ساتھیوں کی تحریریں اُنھیں دیر سے موصول ہوئیں جب کہ وہ اپنے طور پر

کتاب کی تصنیف سے فارغ ہو چکے تھے۔ مصنفؒ نے ان کی تحریروں کا انتخاب یا خلاصہ بھی شامل کیا۔ کتاب کے زمانۂ تالیف کے طویل ہونے کی ایک وجہ غالباً یہ بھی ہے۔

مصنفؒ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اُنھوں نے ۱۰۷۰ھ تک لکھا جانے والا تمام مسودّہ اپنے پیر بھائی شیخ یار محمد جلال آبادیؒ کو نظر ثانی اور اصلاح و ترمیم کے لیے دکھایا تھا۔ جسے اُنھوں نے بہت پسند کیا تھا اور اس کے مختصر ہونے کا شکوہ بھی کیا تھا۔

دورانِ تالیف میں بہت سے ساتھی اُن کی خصوصی حوصلہ افزائی بھی کرتے رہے۔ شیخ ابوالفتحؒ (متوفی ۱۵۔محرم ۱۰۵۴ھ) حضرت بنوریؒ کے قدیم اور اہم خلیفۂ طریقت تھے۔ وہ ہر طرح سے مصنف کا خیال رکھتے تھے۔ انھیں بڑے اصرار سے چراغ اور تیل کے پیسے دیا کرتے تھے۔ مَرَض الموت میں بھی ہر روز تازہ لکھی جانے والی تحریر پڑھتے یا سنتے تھے۔ اُنھیں نزع کی حالت میں بھی یہی فکر لگی ہوئی تھی کہ کتاب جلد از جلد مکمل ہو جائے مصنفؒ لکھتے ہیں کہ اگر اُن کی ہمّت اور حوصلہ افزائی نہ ہوتی تو غریب الوطنی اور بے سروسامانی کی حالت میں مصنف شاید تصنیف و تالیف کا کام جاری نہ رکھ سکتے۔

شیخ محمد شریف شاہ آبادیؒ نے بھی مصنفؒ کی بے حد مدد کی۔ مسوّدے کی تصحیح و نقل میں مصنفؒ نے ان کے تعاون کا خصوصی ذکر کیا ہے۔ شیخ فرید پشاوریؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ اِس تصنیفی خدمت پر بہت خوشی کا اظہار کرتے تھے اور مصنفؒ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ شیخ امید علی گوالیاریؒ نے بھی مصنف کی بہت ہمت افزائی کی، شیخ اسد اللہ چنابی لاہوریؒ روزانہ مصنف کی خدمت کے لیے آتے اور طرح طرح کے کھانے بنا کر لایا کرتے تھے۔

کتاب مکمل ہوگئی تو مصنفؒ کو خاطر خواہ اطمینان نہ ہوا۔ انھوں نے اپنی کتاب

کی اہمیت وافادیت کے بارے میں کوئی بلند بانگ دعویٰ نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس اسے ایک ابتدائی بنیادی کام قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اتفاق سے یہ کام ان کی منشا کے مطابق نہیں ہوسکا۔ اُنھوں نے اس کی چار وجوہات بھی بیان کی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنّف کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

مناقب کی شایانِ شان جمع آوری اور تصنیف کا حق ادا نہ ہوسکنے کی پہلی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اکثر واقعات اور ملفوظات دور دراز کے مختلف علاقوں میں بسنے والے ساتھیوں کے سینوں اور ذہنوں میں محفوظ تھے اور ان میں سے بہت کم حصّہ تحریر ہوسکا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر ساتھیوں نے واقعات، مناقب اور اپنی سرگذشت بیان کرنے سے اجتناب کیا کیوں کہ اُن کے بقول انھیں اظہار کی اجازت نہیں تھی۔ مصنّف کے خیال میں تیسری وجہ یہ ہے کہ ایسی کتاب تصنیف کرنے والے کو جن خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے تھا، مصنّف اُن سے محروم تھے۔ ایسی کتاب اُس ساتھی کو لکھنی چاہیے تھی جسے بہت زیادہ صحبتِ شیخ میسّر رہی ہو، ملنے کے مواقع اکثر ملتے رہے ہوں اور وہ مختلف دنوں میں ایسی باتیں سُنتا اور لکھتا رہے۔ جب کہ مصنّف کو شیخ کی صحبت بہت کم نصیب ہوئی تھی اور وہ بھی سفر کی حالت میں جب اطمینانِ خاطر بھی نہیں تھا اور طرح طرح کی مصیبتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا تھا۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ حالات ومقامات کا اظہار اُس وقت کیا جاتا ہے جب ان کی قدر و قیمت یا اہمیت کا احساس ہو۔ جب کہ حضرت شیخ بتوریؒ کے ہاں ان چیزوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ لہذا زبانی یا تحریری طور پر انھیں محفوظ کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی گئی تھی جس کے نتیجے میں مصنّف کو مواد کی جمع آوری میں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

قبولِ روایات میں احتیاط:

مصنفؒ کے حُسنِ نیت اور علمی و تحقیقی دیانت کا سب سے بڑا مظہر ان کا یہ طرزِ عمل ہے کہ انھوں نے زبانی اور تحریری روایات قبول کرنے میں بے حد احتیاط کا مظاہرہ کیا ہے۔ اولیائے کرامؒ کے سوانح نگاروں اور تذکرہ نویسوں کے ہاں ایسے خالص محققانہ رویّے کی مثالیں کم ہی ملتی ہیں۔ مناقبُ الحضَرات کی یہ اہم خصوصیّت ایسی ہے کہ اس کی جتنی تعریف بھی کی جائے، کم ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ اُنھوں نے یہ کتاب حَرَمَین شریفین میں تحریر کی اور ظاہر ہے ان مقدّس مقامات پر کوئی مشکوک یا ضعیف روایت نہیں لکھی جا سکتی۔ اِس کے باوجود اُنھوں نے پوری دیانت داری سے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ وہ مستند روایات ہی کو شاملِ کتاب کریں۔ اُنھوں نے معتبر راویوں کی اہم روایات نقل کی ہیں اور وہ بھی اُن کی تحریروں سے یا خود اُن کی زبانی۔ زبانی روایتوں کے سلسلے میں بھی اُنھوں نے یہ اہتمام کیا تھا کہ بیت اللہ شریف کے سامنے، شیخؒ کے معتمد ساتھیوں اور راوی کی موجودگی میں لکھ لیا کرتے تھے۔ اُنھوں نے عام سُنی سُنائی باتیں نہیں لکھیں۔ ضعیف روایتیں نظر انداز کر دی ہیں۔ کئی مجذوب اور سرمست ساتھیوں کی بیان کردہ باتیں بھی نہیں لکھیں کہ جب یہ روایات خود اپنے ساتھیوں ہی کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوں گی تو بھلا اغیار انھیں کہاں قبول کریں گے۔

اِس غیر معمولی احتیاط کا اندازہ کرنے کے لیے صرف دو واقعات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مصنف قیامِ سرہند کے دوران میں اپنے پیر بھائی شیخ سلطان پوربیؒ سے کئی بار مل

چکے تھے اور ان کی درویشی، فقر اور بے نیازی سے بہت متاثر ہوئے تھے اور اُن کے احوال پر رشک کیا کرتے تھے۔ لیکن ۱۰۸۵ھ تک ان کے حالات شامل نہ کیے کیوں کہ کسی مستند راوی سے معلوم نہ ہوسکے تھے۔ ۱۰۸۵ء میں شیخ سلطانؒ کے خلیفہ عبدالحکیمؒ حج کے لیے آئے تو مصنّف نے بیت اللہ شریف کے سامنے اُن سے اپنے شیخ کے احوال لکھوائے اور کتاب میں شامل کیے۔ جب تک کسی براہِ راست راوی سے تصدیق نہیں ہوسکی اس وقت تک انھوں نے شیخ سلطان پوریؒ کے تفصیلی احوال ومناقب نہیں لکھے۔

مصنّفؒ نے حضرت بنّوریؒ کے مشہور خلیفہ شیخ عبدالخالق قصوری لاہوریؒ کے مختصر احوال لکھے اور تحریر کیا کہ اُن کے بہت سے احوال ومناقب مشہور ہیں لیکن چوں کہ ابھی تک کسی معتبر حوالے سے اُن کی تصدیق نہیں ہوسکی اِس لیے تفصیلاً نہیں لکھے۔ ۱۰۸۷ھ میں شیخ قصوریؒ کے کئی مریدین اور خلفاء حج پر گئے اور مصنّفؒ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ مصنّفؒ نے شیخ کے خلیفہ محمد فاضلؒ سے اُن کے حالات وواقعات سنے اور ان سے درخواست کی کہ مجھے یاد نہیں رہتے، اِس لیے لکھ کر دیں۔ شیخ محمد فاضلؒ نے مفصّل احوال لکھ کر دے دیے۔ اِس کے بعد مصنّف نے شیخ محمد فاضل کے بارے میں تحقیق کی کہ کیسے آدمی ہیں۔ اکثر ساتھیوں نے کہا کہ پابندِ شریعت، معقول اور قابلِ اعتماد شخص ہیں، ان کا لکھا ہوا مستند ہے۔ اِس پر بھی مصنّف کی تسلّی نہ ہوئی۔ چناں چہ انھوں نے خود استخارہ کیا اور تب کہیں جا کر شیخ محمد فاضل کے تحریر کردہ احوال ومناقب کتاب میں شامل کیے۔

اِتنی بے مثال احتیاط کے باوجود وہ لکھتے ہیں کہ مَیں نے ساتھیوں سے کہہ رکھا ہے کہ اگر اُنھیں کوئی خلافِ حقیقت واقعہ نظر آئے یا کسی بات میں شبہ ہو یا کسی روایت کا راوی ضعیف ہو تو وہ اُسے کتاب سے نکال دیں!

اُسلوبِ نگارش:

مناقبُ الحضرات کا اسلوبِ تحریر سادہ، سلیس اور باوقار ہے۔ آیات واحادیث اور اقوالِ علماء ومشائخ سے بہ کثرت استفادہ کیا گیا ہے۔ جا بہ جا مختلف کتابوں کے اقتباسات اور عبارات نقل کی گئی ہیں۔ موقع ومناسبت کے مطابق عربی اور فارسی کے معیاری اشعار بھی دیے گئے ہیں۔ مختلف تاریخیں اور سنین لکھ کر تاریخ اور تذکرہ نگاری کا اعلیٰ معیار قائم کیا گیا ہے۔ مصنف کی ایک پسندیدہ روش یہ ہے کہ مختلف واقعات یا روایات بیان کرتے ہوئے وہ جہاں بھی ضروری سمجھتے ہیں، اہم معلومات، ضروری وضاحت یا ذاتی تبصرہ شامل کرتے ہیں جس سے کتاب کی افادیت دوچند ہوگئی ہے۔ ایسی عبارات، واقعات وروایات کا تسلسل مجروح کیے بغیر آتی ہیں اور قارئین کی دلچسپی بڑھانے کا باعث بنتی ہیں۔

مصنفؒ کی فارسی نثر سلیس اور رواں ہے۔ اُن کے اندازِ تحریر کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی سادگی وروانی ہے۔ اُنھوں نے کتاب میں سات مقامات پر وضاحت سے لکھا ہے کہ انشاء پردازی اور عبارت آرائی اُن کے پیشِ نظر نہیں تھی اور اُنھوں نے شعوری کوشش سے اپنے اُسلوبِ تحریر کو تکلّف اور بناوٹ سے پاک رکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیّد آدم بنّوریؒ کو بھی عبارت آرائی پسند نہیں تھی اور آپؒ نے اُنھیں تحریر کی بے جا سجاوٹ سے روک دیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ کتاب عوامُ النّاس کے لیے لکھی گئی ہے اور اس کی عبارت جان بُوجھ کر سادہ اور واضح رکھی گئی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اِس سے فائدہ اٹھا سکیں اور وہ لوگ جو بہت زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں، استفادے سے محروم نہ رہ جائیں۔

یہ ایک دانشمندانہ اور حقیقت پسندانہ اِقدام تھا۔ ایسا عوامی اُسلُوب اپنانے کا یہ فائدہ ہوا کہ تحریر پیچیدہ اور مُبہم نہیں ہوئی اور مصنّفؒ نے دوسروں تک جو کچھ بھی پہنچانا چاہا، نہایت کامیابی سے پہنچالیا۔ نیز یہ کہ قارئین کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا۔ اُسلُوب کی اِسی خوبی کی وجہ سے یہ ایک ایسی کتاب قرار پاتی ہے جس سے علماء وفضلا کے ساتھ ساتھ عام پڑھے لکھے لوگ بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ کتاب میں شامل مصنّف کے دو طویل خطوں کی عبارت کسی حد تک ادیبانہ اور شاعرانہ ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مروجہ انشا پردازی پر بھی پوری طرح قادر تھے۔

علمی وعرفانی نکات:

مناقبُ الحُضرات محض ایک تذکرۂ مشائخ ہی نہیں ہے بلکہ علمی وعرفانی افادیّت کے اعتبار سے بھی بڑی نادر کتاب ہے۔ اِس کے مصنّف دینی علوم وفنون میں بے پناہ مہارت رکھتے تھے اور تصوّف وطریقت میں بھی اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے۔ اُن کی علمیّت کا اِس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ وہ تفسیر، حدیث اور فقہ کے علاوہ اُصولِ حدیث اور اُصولِ فقہ میں بھی صاحبِ نظر تھے۔ اُنھوں نے مجموعۂ احادیث بھی مُرتّب کیا اور تاریخ حَرَمَین اور آداب حج وعمرہ کے موضوع پر بھی کتابیں لکھیں۔ ان کا ایک منفرد علمی پہلو خاص طور پر قابل ذکر ہے اور وہ یہ ہے کہ اُنھیں حَنَفی فقہ کے ساتھ ساتھ مالکی، شافعی اور حنبلی فقہ میں بھی عبور حاصل تھا اور فقہی مذاہبِ اربعہ کے باہمی تقابلی مطالعے سے اُنھیں بہت دلچسپی تھی۔ اس میں اُن کے حجازی اساتذہ کرام کی نظری وعملی تربیت کو دخل ہے۔ یہی سبب ہے کہ فقہی مسائل کے بارے میں اُن کا رویّہ عام علماء کے سخت گیر رویّے سے مختلف ہے اور ان کے

ہاں نسبتاً زیادہ وسعتِ نظر پائی جاتی ہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں کہ اُنھیں فقہاء کے چاروں مسلکوں اور صوفیاء کے چاروں سلسلوں سے مکمل آگاہی حاصل ہوئی اور انھیں تمام مسالک یوں برحق معلوم ہوئے جیسے کعبے کے چار رکن اور چار اطراف ہوں! یاد رہے کہ چاروں فقہوں پر ایسی دسترس شاذ و نادر علماء ہی کو ہوتی تھی۔

مصنّف نے سب سے زیادہ جن علمی مباحث اور عرفانی نکات پر دادِ تحقیق دی ہے، وہ یہ ہیں:

نماز میں تعدیلِ ارکان، طواف اور حج و عمرہ کے فضائل، مسجد میں نماز جنازہ، حالتِ نماز میں قہقہہ، جمعہ کے مسائل، وضو اور غسل کی حکمت اور فوائد، مختلف شکلوں میں زیارتِ رسول ﷺ، خلفائے راشدین کی ترتیبی فضیلت، اہلِ تشیّع کے عقائد کی تردید، وحدت الوجود، حقیقتِ کعبہ، حقیقتِ محمدی، کعبہ پر انسانِ کامل کی فضیلت، ولایتِ انبیاء کی فضیلت، بزرگانِ دین سے محبت و عقیدت کے فوائد، مختلف سلاسلِ طریقت کی خصوصیات، بہ یک وقت یا یکے بعد دیگرے کئی مشائخ سے استفادے کی اہمیت، کرامات کا اثبات اور رویائے صالحہ کی اہمیت و فضیلت۔

اِس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مناقبُ الحضرات میں کتنے مختلف ضمنی فوائد جمع ہوگئے ہیں اور یہ نایاب کتاب کس حد تک شریعت و طریقت کی جامع ہے۔

تاریخی مطالب:

مناقبُ الحضرات میں کئی مقامات پر اہم تاریخی مطالب بھی ملتے ہیں جن سے شاہجہان کے دور کی سیاسی و سماجی صورتِ حال اور جہانگیر، شاہجہان، داراشکوہ اور

اورنگ زیب عالمگیر کے نقشبندی مشائخ سے روابط کی نوعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ کتاب سے جہانگیر اور حضرت مجدد الف ثانی ؒ ، نقشبندیوں سے شاہجہان اور اورنگ زیب عالمگیر کی عقیدت مندی اور داراشکوہ کی کشیدگی، ماوراء النہر میں ازبکوں کی شورش اور مغل لشکر کشی، داراشکوہ کی سرگرمیوں، شیخ آدم بنوری ؒ کے معاملے میں شاہ جہان کی غلط فہمی اور وزیر سعد اللہ خان کے معاندانہ رویے اور شاہجہان کے بیٹوں کی باہمی جنگِ تخت نشینی جیسے اہم معاملات پر روشنی پڑتی ہے۔ بہت سے امیروں اور لشکریوں کے نام اور مشائخ سے ان کے روابط کا ذکر بھی ملتا ہے۔

کرامات:

مناقبُ الحضرات کے مصنف شیخ محمد امین بدخشی ؒ کراماتِ اولیاء کے قائل ہیں اور انھوں نے نقلی و عقلی دلائل سے ان کا اثبات بھی کیا ہے لیکن مشائخ کے عام تذکرہ نگاروں کے برعکس وہ کرامتوں کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے۔ وہ بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ نیکی اور طاعت کی توفیق اور نفسانی خواہشات کی مخالفت ہی سب سے بڑی کرامت ہے۔ اُن کے بقول روحانی مرتبے کو کرامت پر موقوف سمجھنا نادانی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مشائخ کے عام مُریدین اپنے پیروں کی کرامتوں کو بہت زیادہ اہمیّت دیتے ہیں اور ان کا اظہار بہت پسند کرتے ہیں۔ اُن کا یہ رویّہ جاہلانہ اور غافلانہ ہے جو مصنّف کو شدید ناپسند ہے۔

چوں کہ یہ کتاب عوام کے لیے لکھی گئی ہے اور راویوں کی خاصی تعداد بھی عام طبقے سے تعلّق رکھتی ہے، اس لیے مصنّف ؒ کو مناقبُ الحضرات میں بار بار کرامات بھی لکھنی

پڑیں۔ بہت سے ساتھیوں نے اپنی تحریروں میں کرامات لکھ بھیجی تھیں، اِس لیے مصنّف ؒ کے سامنے اُنھیں شاملِ کتاب کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ تاہم اُنھوں نے ان کا گڑا انتخاب کیا اور کئی جگہوں پر راویوں کے سطحی اندازِ فکر پر افسوس کا اظہار بھی کیا۔ بعض روایات پر اُنھوں نے نکتہ چینی بھی کی ہے۔ یہ خصوصیت بھی اُن کی تصنیف کو عام درجے کے ایک معمولی تذکرے سے بہت بلند کر دیتی ہے اور بے ساختہ اُن کے علمی، تحقیقی اور فکری نقطۂ نگاہ کو خراجِ تحسین پیش کرنا پڑتا ہے۔

تکرارِ مطالب اور اُس کی توجیہ:

مناقبُ الحضرات جیسے وقیع و مستند تذکرے میں بہت سے مطالب کا کئی کئی بار اعادہ ملتا ہے جو بسا اوقات گراں گذرتا ہے۔ ابتدائیے میں مصنّف ؒ نے لکھا ہے کہ بعض باتیں کئی کئی روایتوں سے نقل ہوئی ہیں، اِس لیے عبارات میں کچھ تبدیلیاں کر دی گئی ہیں۔ بعض روایات میں تو لفظی تبدیلیاں بھی نہیں کی گئیں۔

مصنّف ؒ کو خود بھی اِس خامی کا اندازہ تھا اور انھوں نے اس سلسلے میں کئی بار معذرت بھی کی ہے۔ اُصولاً تو یہی مناسب ہوتا کہ وہ کوئی روایت بھی ایک سے زاید بار شامل نہ کرتے اور نظرِ ثانی میں تکراری عبارات و روایات نکال دیتے لیکن بہ وجوہ اُنھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کی توجیہ میں دو تین مقامات پر اچھا خاصا استدلال کیا ہے۔ اُن کے دلائل یہ ہیں کہ کسی عبارت یا مفہوم کا بار بار بیان کرنا اگر سمجھانے یا دوسری روایت کے بیان یا کسی اور مناسبت سے ہو تو جائز ہے جیسا کہ قرآن کریم میں کئی آیات اور صحاحِ ستّہ میں ہزاروں احادیث کا تکرار ہے! دوسرے مقام پر وہ تکرار کے فوائد گنواتے ہوئے اسے کارِ ثواب قرار

دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اس میں خدا اور رسول ﷺ کی پیروی ہے۔

اِس زورِ استدلال کے باوجود یہ بات اپنی جگہ پر درست ہے کہ بعض عام سی روایات کا اِتنا زیادہ تکرار مناسب معلوم نہیں ہوتا اور اگر اس سے دامن بچالیا جاتا تو اِتنی ضخیم کتاب پر انگشت نمائی کا یہ معمولی سا موقع بھی نہ آتا۔ بااین ہمہ کتاب کے مستند، ثقہ، دلچسپ اور مفید ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

اعتراضات اور ان کا جواب:

مصنفؒ کو تالیفِ کتاب کے دوران میں بہت سے علمی اور ذاتی اعتراضات کا نشانہ بھی بننا پڑا۔ اُنھوں نے بعض مقامات پر اعتراضات کا ذکر بھی کیا ہے اور اپنا جواب بھی پیش کیا ہے۔ ان اعتراضات اور جوابات پر ایک طائرانہ نظر بھی فائدے سے خالی نہیں ہوگی۔

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ حرمین میں بعض حاسدین نے صوفیاء کے ردّ میں ایک رسالہ لکھا۔ مصنف کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اس کی تردید میں قلم اٹھایا جائے۔ زیرِ نظر تذکرے کی تالیف کا سبب ایک یہ خواہش بھی تھی۔ اللہ تعالیٰ مصنفؒ کو جزائے خیر دے کہ اُنھوں نے قلمی جہاد کا فریضہ نہایت احسن انداز میں ادا کیا اور اُن کی یہ تصنیف رہتی دنیا تک ایسے لوگوں کا جواب بنی رہے گی جو حقیقتِ تصوّف سے ناآشنا اور صوفیائے کرام کی دینی وروحانی خدمات کے منکر ہیں۔

مصنفؒ نے حرمین میں بعض مقامی لوگوں کی روحانی تربیت بھی کی تھی جس کے نتیجے میں اُنھیں ذکرِ قلبی کی دولت عطا ہوگئی تھی لیکن وہ ناسمجھ اس کی قدر نہ کرسکے اور گھبرا

گئے۔ مکہ مکرمہ کے ایک مُلّا کو اِس صورتِ حال کا پتہ چلا تو اس نے ذکرِ قلبی کو غیر ضروری بلکہ خلافِ قرآن وسنّت قرار دے ڈالا اور مصنّف کو بھی نشانہ تنقید بنایا۔ مصنّف اس کی بے جا ملامت سے بہت رنجیدہ ہوئے اور کافی عرصہ دل شکستہ رہے لیکن اس کے باوجود انھوں نے قرآن وسنّت کی روشنی میں ذکرِ قلبی کی ضرورت وفضیلت ثابت کی۔

اغیار کے علاوہ مصنّف کو بعض احباب کی طرف سے بھی رنج پہنچا۔ مناقبُ الحضرات کی تصنیف پر سلسلے کے بعض کوتاہ اندیش ساتھیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ مصنّف نے حضرت خواجہ محمد معصومؒ اور حضرت سیّد آدم بنوریؒ کے مناقب اور کرامات بیان کرنے میں مبالغے سے کام لیا ہے۔ جب کہ ہم نے بھی دونوں حضراتؒ کے ساتھ کافی وقت گذارا ہے اور ایسی کیفیات نہیں دیکھیں۔ مصنّفؒ نے اُن کے جواب میں بہت دوٹوک لب ولہجہ اختیار کیا اور کہ کہ آپ لوگ خلافت واجازت کے طالب تھے، جاہ ومرتبہ چاہتے تھے، اِن احوال وکوائف سے آپ لوگوں کو کوئی سروکار ہی نہیں تھا لہذا اِن باتوں کی خبر آپ کو کیسے ہوسکتی تھی۔ آپ کو جو کچھ درکار تھا، آپ نے بس وہی حاصل کیا۔

کچھ لوگوں نے اِن خدشات کا اظہار بھی کیا کہ مصنّفؒ نے کسی لالچ کے پیشِ نظر چاپلوسی اور خوشامد کی ہے۔ مصنّف جواب میں کہتے ہیں کہ مَیں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ یا حضرت بنوریؒ کے مریدوں سے کبھی کوئی دنیوی فائدہ نہیں اٹھانا چاہا اور جو تحریری خدمت بھی انجام دی ہے، حُسنِ نیّت سے اللہ کے حکم اور پیرومرشد کی رضا کے حصول کے لیے انجام دی ہے۔

یہ باتیں مصنّف کی حقیقت پسندی، راست بازی، عظمتِ کردار اور ثابت قدمی کا ثبوت ہیں۔ معاصرانہ چشمک کی یہ جھلکیاں مختلف لوگوں کی نفسیات سمجھنے میں معاون

ثابت ہوتی ہیں۔

مصنفؒ نے بزرگانِ سلسلہ اور بعض ساتھیوں پر کیے گئے اعتراضات کا بھی ذکر کیا ہے اور عقلی، منطقی اور علمی و روحانی دلیلوں سے شبہات کے ازالے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں علم و فضل کے ساتھ ساتھ حکمت و فراست کی دولت سے بھی مالا مال کیا ہوا تھا۔

قلمی نسخے:

مناقبُ الحضَرات کا فارسی متن ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ اِس کے چند قلمی نسخے دستیاب ہیں۔ یہ تذکرہ اِتنا اہم ہے کہ اِس کا فارسی متن ضرور منظرِ عام پر آنا چاہیے تاکہ دنیائے فارسی کے محققین اور اہلِ ذوق بھی اِس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

کتاب کے آٹھ دستیاب قلمی نسخے مندرجہ ذیل کتب خانوں میں محفوظ ہیں:

۱۔ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور

۲۔ انڈیا آفس، لندن

۳۔ کتاب خانہ گنج بخش، مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد

۴۔ کتب خانہ خیریہ، مرشد آباد، پشاور

۵۔ کتب خانہ مکھڈ، اٹک

۶۔ کتب خانہ گولڑہ شریف، اسلام آباد

۷۔ کتب خانہ مدرسہ رفیع الاسلام، پشاور

۸۔ کتب خانہ ادارہ تحقیقاتِ عربی و فارسی، ٹونک، راجستھان، انڈیا

بدقسمتی سے اِن میں سے کوئی نسخہ بھی مکمل نہیں ہے۔ مترجم نے پہلے چار قلمی نسخوں سے استفادہ کیا ہے۔ مرکزِ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد والا نسخہ جامع تر ہے۔ اس کے پہلے صفحے کے علاوہ اندر سے بھی کئی اوراق غائب ہیں۔ لندن کے نسخے کا رسم الخط بہت عمدہ ہے لیکن اس کا متن بمشکل آدھا محفوظ ہے۔ غلط جلد بندی کی وجہ سے دو اور قلمی کتابوں کے منتشر اوراق اس میں شامل ہو چکے ہیں۔ یہ دو متن محمد مراد بن حبیب اللہ بن سعدی خُتنی کے دو رسالے ہیں۔ پہلا رسالہ شیخ محمد امین بدخشی ؒ کے جمع کردہ درودِ الہامیہ کا فارسی ترجمہ ہے۔ دوسرے رسالے کا نام رسالہ حنفیہ ہے جو حضرت امام ابوحنیفہ کے فضائل پر مشتمل ہے۔ لاہور اور پشاور کے نسخے بہت کم متفرق اوراق پر مشتمل ہیں۔ باقی چار نسخوں کے بارے میں بھی ایسی ہی مصدّقہ اطلاعات ملی ہیں۔

اللہ کے فضل و کرم اور اولیائے کاملین کی باطنی توجّہ کے طفیل مذکورہ چار نسخوں کو سامنے رکھ کر تقریباً مکمل متن ترتیب دے کر اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔ چاروں نسخوں کے حصول اور اُن کے منتشر اجزا کو ترتیب دینے میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور اس سلسلے میں جتنی صبر آزما تاخیر ہوتی رہی اُس کی کیفیت اہلِ تحقیق سے مخفی نہیں ہے۔

کچھ اِس ترجمے کے بارے میں:

زیرِ نظر ترجمہ ۱۹۹۹ء کے اواخر میں شروع ہوا اور تعطّل و تاخیر کے کئی مرحلوں سے گذر کر اوائل ۲۰۰۱ء میں مکمل ہوا۔ ترجمہ نگار کی سب سے پہلی کوشش یہی رہی ہے کہ مصنفؒ کی منشا اور ان کے پسندیدہ اسلوب کے مطابق ترجمے کی عبارت بھی سادہ، آسان اور عام فہم رہے۔ پوری کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ تحقیق و دیانت کے مسلمہ اصولوں

کے مطابق کیا جائے۔ ترجمے میں آیات واحادیث کے عربی متن کے ساتھ ساتھ سورۃ نمبر اور آیت نمبر کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے۔ کئی مقامات پر مصنفؒ فارسی میں لکھتے لکھتے بے ساختہ کئی کئی جملے اور صفحے عربی میں لکھ گئے ہیں۔ عربی متن دیے بغیر ایسی تمام عبارات کا ترجمہ تحریر کر دیا گیا ہے۔ فارسی اشعار کا برمحل استعمال مصنف کے اعلیٰ ادبی ذوق کا مظہر ہے۔ زیرِ نظر ترجمے میں فارسی اشعار کا متن بھی شامل کیا گیا ہے۔ فارسی اشعار کا بامحاورہ اور آسان ترجمہ لکھا گیا ہے۔ بعض مقامات پر کچھ ایسے مطالب حذف کر دیے گئے ہیں جن کا ایک سے زائد بار تکرار ہو چکا تھا۔ اس سے عبارت کا تسلسل اور مطلب ومفہوم قطعاً متاثر نہیں ہونے دیا گیا۔

ترجمہ نگار کا علمی درجہ طالب علمانہ سطح کا ہے، اس لیے صادقانہ کوشش کے باوجود، غلطی کا امکان بہ ہر حال موجود ہے۔ اہلِ علم حضرات سے درخواست ہے کہ اگر کوئی غلطی دیکھیں تو پیشگی عذر خواہی قبول کرتے ہوئے مترجم کو آگاہ فرمائیں اور عنداللہ اور عندالنّاس مشکور ہوں۔

کتاب کی پروف ریڈنگ میں بھی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ کوئی غلطی رہ نہ جائے۔ انسان کی استعداد محدود اور اس کی صلاحیتِ کار محدود تر ہے۔ اس ضمن میں چشم پوشی کی درخواست کی جاتی ہے:

غلامِ ہمت آن عارفانِ باکرم
کہ یک صواب نبینند وصد خطا بخشند

(ترجمہ) مَیں اُن صاحبِ کرم درویشوں کے حوصلے کا غلام ہوں جنھیں دِکھائی دینے کے لیے کوئی نیکی نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجود وہ سینکڑوں غلطیاں معاف کر دیتے ہیں!

اظہارِ تشکر:

اظہارِ سپاس کے سلسلے میں اوّل و آخر جس شخصیت کا دلی شکریہ واجب ہے، وہ حضرت شیخ خواجہ محمد صادق نقشبندی مجددی چیچوی مدظلہ العالی کی ذاتِ بابرکات ہے۔ آپ کی نگاہِ التفات نے اِس ناچیز کو ترجمے کی اہم خدمت بجالانے کے قابل سمجھا اور میرے لیے دینی و دنیوی اجرِ عظیم فراہم فرمایا۔

حضرت شیخ کی گراں قدر دینی، روحانی اور ملّی خدمات کا دائرہ بین الاقوامی ہے۔ خصوصاً ملک اور بیرونِ ملک سینکڑوں عظیم الشان مساجد اور مدارس کی تعمیر اور اُنھیں منظّم انداز میں باوقار اور فعال مراکز بنانے کے لیے آپ کی مساعی جمیلہ ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ اہلِ علم کی قدردانی اور تصنیف و تالیف کی حوصلہ افزائی آپ کی غیر معمولی خصوصیت ہے جس کی مثال معاصر مشائخ میں کم ہی ملتی ہے۔ آپ کے حسنِ اہتمام سے اب تک کئی علمی اور مذہبی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب بھی اِسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔

آپ نے اِس قیمتی دستاویز کو محفوظ کرنے اور آنے والی نسلوں کو اس کے فیضان سے بہرہ مند کرنے کے لیے اِس کے ترجمے کا اہتمام کیا۔ کتاب کے بکھرے ہوئے متن کو صحیح طور پر مرتب کرنا بجائے خود ایک کٹھن مرحلہ تھا۔ اگر آپ خصوصی دلچسپی نہ لیتے اور بھرپور سرپرستی نہ فرماتے تو کتاب کے دستیاب قلمی نسخوں تک رسائی بھی ممکن نہ ہوتی۔ آپ کی کوشش اور توجہ باطنی سے دستیاب نسخے بھی فراہم ہو گئے اور ترتیب متن کا مشکل ترین مرحلہ بھی بہ آسانی طے ہو گیا۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی تردّد نہیں ہے کہ اگر آپ کی توجہ شاملِ حال نہ ہوتی تو یہ کتاب قارئین تک نہ پہنچ سکتی۔ اِس سلسلے میں ہر وہ شخص حضرت شیخ کا ممنونِ

احسان ہوگا جو اِس کتاب سے روشنی پائے گا اور اپنے ذوق کی تسکین کرے گا۔

نام ور محقق پروفیسر محمد اقبال مجدّدی صاحب نے نہایت شفقت و اخلاص سے مصنّف اور کتاب کے بارے میں اپنی تحقیقی کاوشوں سے استفادے کا موقع دیا۔ اُن کی فراہم کردہ بعض اہم معلومات دیباچے میں شامل کر دی گئی ہیں۔ نقشبندی سلسلے کی ابتدائی تاریخ پر تخصص رکھنے والے پروفیسر ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب نے زیرِ نظر کتاب کی تقریظ لکھی ہے۔ دونوں صاحبانِ علم و دانش کا بہت ممنون ہوں۔

حضرت شیخ کے حکم پر بہت سے احباب نے مستقل رابطہ رکھا اور ضروری امور میں معاونت کی۔ بہت سے حضرات نے دُعاؤں میں یاد رکھا۔ مَیں ذاتی طور پر اُن میں سے بیشتر کو جانتا بھی نہیں ہوں۔ دُعا ہے کہ اللہ جلّ مجدہٗ کا لطف و کرم سب کے شاملِ حال ہو۔ خصوصاً حضرت صاحبزادہ محمد اقصد صاحب اور پروفیسر محمد حبیب اللہ شاہ صاحب تحسین و سپاس کے سزاوار ہیں کہ اُنھوں نے حضرت کے حکم کی تعمیل میں استقامت سے تعاون کیا۔

عزیزم پروفیسر احسان احمد اور ملک محمد اسلم نے اشاریہ سازی میں معاونت کی اور جناب خالد محمود بخاری اور جناب محمد زبیر نے عقیدت و محبت سے کمپوزنگ کی۔ سب حضرات کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔

معین نظامی

۸۔ ستمبر ۲۰۰۱ء

مناقب الحضرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور درود وسلام حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ بابرکات پر جو جانِ تخلیقات ہیں اور آپ ﷺ کی تمام اولاد، اُصحاب اور پیروکاروں پر، ہم پر، آپ پر اور مومنوں پر۔

کبھی نہ ختم ہونے والا خصوصی ہدیۂ حمد وصلوٰۃ اُس صاحبِ امانت ﷺ پر کہ خود صلوٰۃ بھی آپ ﷺ کی رکعت بھر نماز کا بھید ہے۔

اور اُس بادشاہ کا بے حساب شُکر کہ ہر چیز کا وُجود اُسی کے وُجود کا نتیجہ ہے۔ وہ خداوندِ کریم، جس نے اپنی بہترین حکمت اور نادر فطرت کے ذریعے، اپنے لُطف وکرم کے قلم سے، اپنے غیب کے خزانے سے، انسانوں کے نقش ونگار کو کتابِ ظہور پر رَقم فرمایا اور معرفت کے آبِ حیات کو حقیقتِ بشری کے اَندھیروں میں چُھپایا: "وَفِیْ اَنْفُسِکُم اَفَلا تُبْصِرُون" (اور وہ خود تُمھی میں ہے، کیا تُم نہیں دیکھتے ہو)؟ (۵۱/۲۱) اور اپنی بے پایاں عنایت سے، محبت کے جلے ہوئے خضر صفت عاشقوں کو سرچشمۂ معرفت تک پہنچایا۔

اور بے حد درود اور بے شمار تحسین حقیقت کے راستوں پر چلنے والوں اور شریعت کے ممالک کے پیشواؤں کی رُوحوں پر، خاص طور پر نبیوںؑ کے سردار حضرت مُحمّد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ ﷺ کی اَولاد، اُصحابؓ اور ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والے پیروکاروں پر۔

اِن میں سے ہر جُملہ، حضرت خلیفۃُ الزّمانی آدم بنوریؒ کا الہامی جُملہ ہے اور آپؒ کے علاوہ، اِس کی حقیقت کو صحیح طور پر اور کوئی نہیں جانتا۔

اَمّا بعد: اِس کتاب کا ناچیز مؤلف۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل واحسان سے اسے بخش

دے!۔ کہتا ہے کہ جب خُدائے بزرگ و برتر نے اپنے لُطف و کرم سے مجھ مسکین کو کعبۂ مقصود اور منزلِ مطلوب کے صحرا میں پہنچایا تو اچانک غیرتِ الٰہی کا گھوڑا ''لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ'' (اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو) (۲۸/۸۸) کی گھات سے باہر چڑھ دوڑا اور میرے غمزدہ دل کی گردن میں جذبۂ دیدار کی کمند ڈال کر، حضرت خلیفہ الزمانی ؒ کی پُر برکت صُحبت میں کھینچ لیے گیا۔ آپؒ کے لُطف و کَرم کے بادلوں سے، سالکوں کے باطن میں، حقیقت کی برکتوں کی بُوندا باندی ہوتی رہتی تھی۔ آپؒ کے ابرِ بہار کے قطرے، سُننے والوں کی سماعتوں کے سیپیوں میں معرفت بڑھانے والے آبِ حیات کی بُوندیں ٹپکاتے رہتے تھے۔

مجھے خیال آیا کہ ایسے عجیب و غریب احوال و مقامات تو آج کل کے زمانے میں ''کبریتِ اَحمر'' جیسے ہیں، اگر اِنھیں لکھ نہ لیا گیا تو مقامِ افسوس ہوگا۔ یہ بُلند مرتبہ باتیں، عالیشان راز ہیں اور آج کے دور میں عنقا ہیں۔ اگر یہ بھید دورِ حاضر کے بعد اَن کہے رہ گئے تو ناپسندیدہ ہوگا۔ حضرتؒ کے یہ بابرکت ارشادات، اللہ کے حکم پر، دل اور رُوح سے زبان پر آتے ہیں، اگر اِنھیں پڑھا نہ جا سکے تو اَفسوسناک بات ہوگی۔

چنانچہ کئی اِستخاروں اور واضح بشارتوں کے بعد، مَیں حکم کے مطابق، آپؒ کی خدمت میں کبھی کبھی کچھ ملفوظات لکھ لیا کرتا تھا۔ کچھ ارشادات لکھ چکا تھا کہ آپؒ کا انتقال ہو گیا اور یُوں آپؒ کی محفلوں کے چمنستانوں کے سایوں میں رہنے والے، جُدائی کے سُورج کی تپش میں، دُوری کی حیرت کے مینار پر روتے رہ گئے۔ اب ضروری ہو گیا تھا کہ آپؒ کے زیادہ سے زیادہ ایسے واقعات اور ملفوظات لکھ لیے جائیں جو لوگوں کی زبانوں پر ہیں۔ لازم تھا کہ مَیں آپؒ کے کچھ مکاشفے، ملفوظات، بشارتیں اور کرامتیں لکھ کر، احباب

کی محفلوں کے لیے فراہم کردوں کیونکہ اہلِ طریقت اپنی طبیعتوں کے ہاتھوں، اَپنے مَشائخ کی باتوں کی طرف رَغبت رکھنے پر مجبور ہوتے ہیں اور اُن کے اَحوال ومقامات کے ذکر سے، فراق کا دُکھ اُٹھانے والوں کی بے چینی کچھ تسکین حاصل کر لیتی ہے۔ اس سے، محبت میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور دَرَجات میں بھی تَرَقّی ہوتی ہے، کیونکہ محبوب کا ذکر جیسے بھی چَل رہا ہو، اَچھا ہی لگتا ہے:

چون کہ گُل رفت وگلستان شد خراب
بوی گُل را از کہ جوییم ، از گلاب

(ترجمہ) جب پھُول مُرجھا جائیں اور چَمن اُجڑ جائے تو گُلاب کی خوشبو کہاں سے ڈھونڈی جائے؟ عَرَقِ گُلاب سے!

جب کسی کا سُورج ڈوب جاتا ہے تو وہ اُس کی جگہ چراغ سامنے رکھ لیتا ہے۔ حضرتِ جُنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: ''مَشائخ کی حکایتیں، اللہ کی نعمت ہیں، جن سے ٹُوٹے ہوئے دلوں والے مُریدوں کے دلوں کو تقویت ملتی ہے!''

اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَ کُلًّا نَّقُصُّ عَلَیۡکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِہٖ فُؤَادَکَ'' (اے محمد ﷺ! تُمھیں گزرے ہوؤں کا قصہ سُناتا ہوں تاکہ تُمھارا دل اس پر ثابت قدم اور شوق اور ارادہ مضبوط ہو جائے)۔ (۱۱/۱۲۰)

حضرت حاتم اصمؒ کا ارشاد ہے: ''جو کوئی روزانہ قرآن کے ایک پارے کی تلاوت کرتا ہے اور مَشائخ کی کچھ حکایات کا مُطالعہ کرتا ہے، وہ اَپنے دین کو محفوظ کر لیتا ہے''۔

حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں: ''حضرت ابُو یُوسف ہَمدانیؒ سے پُوچھا گیا کہ جب مَشائخ وفات پا جائیں تو صحیح سلامت رہنے کے لیے کیا کرنا چاہیے''؟

اُنھوں نے فرمایا ہر روز مشائخ کے ملفوظات کا ایک وَرَق پڑھیں اور اُن کے اَحوال اور عُلوم ومَعارِف سُنیں تا کہ صحیح سلامت رہیں۔ اِسی لیے مَیں نے طالبانِ حقیقت کی تسلّی اور درویشوں کی ترغیب کے لیے اَولیائے کرامؒ کے اَحوال ومقامات کو قلمبند کرنا اپنے آپ پر لازم ٹھہرالیا اور اِسی وجہ سے میں نے ''تذکرۃ الاولیاء'' لکھا''۔

آپؒ ہی کا ارشاد ہے کہ: ''قرآن وحدیث کے بعد، بہترین باتیں، صُوفیاء کی باتیں ہیں۔ اِس لیے کہ اِن باتوں کی نسبت، اُن اَولیاءؒ سے ہوتی ہے اور یہی نسبت، نجات اور فوز وفلاح کا سَبَب بن جاتی ہے''۔

جیسا کہ فرمایا گیا ہے: ''مَنْ تَشَبَّــہ بِـقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ ''(جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی، وہ اُنھی میں سے ہے)

اور یہ بھی فرمایا گیا کہ: ''عِنْدَ ذِکر الصَّالحین تنزّل الرّحمہ''(جہاں نیک لوگوں کا ذکر ہو رہا ہو، وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے)

اَلْغَرض، ہر کام میں کسی کی کوئی نہ کوئی نیّت ہوتی ہے اور مجھ مسکین کا اِس شغل میں وقت لگانے کا مقصد، اپنے نفس کی بے چینی کی تسکین اور دلی غم کا اطمینان ہے کیونکہ میرے نزدیک اِس گفتگو میں مصروفیت سے بڑھ کر، جدائی کے تیر کا اور کوئی مرہم نہیں ہے اور ہجر کی آگ کی جَلن کے علاج کے لیے اِس جُستجو سے بہتر اور کچھ نہیں ہے۔

اُمید ہے کہ اگر اس کتاب میں کوئی خامی دیکھیں تو از راہِ عنایت اِصلاح فرمادیں گے۔ ناچیز نے اِسے حَرَمین شریفین میں جمع کیا ہے اور صحیح روایات نقل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ بعض مقامات پر، کئی روایات ہونے کی وجہ سے مجبوراً بار بار مختلف عبارتیں نقل کرنی پڑی ہیں۔ بعض روایات مَیں نے مشکوک ہونے کی وجہ سے چھوڑ دی ہیں، جیسا

کہ آگے آئے گا۔

اس کتاب کا نام ''مَناقِبُ الحَضَرات'' ہے اور یہ ''نتائج الحَرَمین'' کا تیسرا حصہ ہے۔ یہ تین مطالب، گیارہ ابواب، ایک دیباچے اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔

سب سے پہلے جان لینا چاہیے کہ اِس کتاب میں جہاں کہیں بھی ''حضرت ایشان'' یا ''مُجَدِدِ اَلفِ ثانی ؒ'' کے الفاظ آئیں، اُن سے حضرت شیخ احمد فاروقیؒ مُراد ہیں۔ جہاں بھی ''مخدومی'' یا معصومُ الزمانی'' کے الفاظ آئیں، وہاں حضرت شیخ معصوم عُمریؒ مُراد لیے جائیں۔ جہاں بھی لفظِ ''سیدی'' یا ''خلیفۂ الزمانی'' آئے، وہاں حضرت شیخ آدم نقشبندیؒ مُراد ہیں۔

مُقَدِمَہ: خواجگان کی مَحبت کی ترغیب، اِس کتاب کی تصنیف کی وجہ، سلسلہ نقشبندیہ کے فضائل، تنبیہات اور ضروری فوائد کے بیان میں۔

مَطْلَبِ اوّل: حضرت مجدد الف ثانیؒ اور آپؒ کی کچھ اولاد کے مختصر مناقب کے بیان میں ہے۔

مَطْلَبِ دُوُم: حضرت آدم بنوریؒ کے مختصر مناقب کے بیان میں ہے۔

مَطْلَبِ سوم: اِس میں آپؒ کے بعض خُلفاء کے اَحوال بیان کیے گئے ہیں۔

بابِ اوّل: حضرت آدمؒ کی ولادت، آپؒ کے آغازِ سلوک اور مکاشفات وواردات کا احوال، جو آپؒ کی کتابوں میں تھا۔ مَیں نے وہ احوال، اس باب کے لیے مناسب انداز میں مختصر کر کے لکھا ہے۔

بابِ دوم: آپؒ کے وجد وحال کے بعض احوال جو ''خلاصۃُ المعارف'' میں مذکور ہیں۔

بابِ سوم: آپؒ کے بعض مناقب، جو چند فاضلوں نے "مناقبُ الاولیاء" میں شامل کیے ہیں۔

بابِ چہارم: آپؒ کی جوانی اور طلبِ الٰہی کے آغاز کے احوال، جو آپؒ کی کتابوں میں اس طرح نہیں تھے۔

بابِ پنجم: اُن واقعات اور مُکاشفوں کے بیان میں جو بعض دَرویشوں اور صُوفیوں نے آپؒ اور آپؒ کے مُریدوں کے بارے میں مُلاحظہ کیے۔

بابِ ششم: آپؒ کے مصافحات کے بیان میں۔

بابِ ہفتم: آپؒ کی بعض بشارات کے ذکر پر مُشتمل ہے۔

بابِ ہشتم: آپؒ کے بعض مکاشفوں اور ملفوظات کے بیان میں۔

بابِ نہم: آپؒ کی بعض کرامات کے بیان میں۔

بابِ دہم: آپؒ کی اولاد اور بعض مریدوں کے حالات کے بیان میں۔

بابِ یازدہم: آپؒ کے بعض خُلَفاء کے اَحوال کے بیان میں ہے جو مختصراً ہمیں معلوم ہوئے ہیں۔

خاتمہ: بعض عارفانہ اور ناصحانہ مکتوبات اور ملفوظات کے بیان میں۔

"میری اُمّت میں سب سے اچھا وہ ہے جو اللہ کی طرف بُلائے اور لوگوں سے محبت رکھے"
نیز "مَیں اُن لوگوں سے محبّت رکھتا ہوں جو اللہ سے محبت کرتے ہیں، لوگوں کو اُس کی طرف بُلاتے ہیں اور اُنھیں عزیز رکھتے ہیں۔"

مُقدّمہ

مَشائخ کی محبت، اللہ کے دوستوں کی دوستی کی رَغبت دِلانے، سلسلۂ نقشبندیہ کے فضائل، فوائد اور دیگر تنبیہات کے بیان میں

ارشادِ خداوندی ہے: ’’ یٰاَیُّھَاالّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوااللّٰہِ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُو فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْن ‘‘ (اَے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اُس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرواور اُس کے راستے میں جہاد کروتا کہ تم فلاح پا جاؤ) (۵/۳۵)

حدیث میں ہے: ’’خیار اُمّتی مَن دَعَا الی اللّٰہ‘‘ (میری امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جواللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں) نیز یہ بھی فرمایا: ’’ احبّ عباد اللّٰہ الّذین یُحبّون اللّٰہ تعالیٰ ویدعون الیٰ عبادتہٖ ویُحبُّون عباد اللّٰہ ویمشون فی الارض بالنّصیحۃ ‘‘ (اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندے وہ ہیں جواللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں، لوگوں کواس کی عبادت کی تلقین کرتے ہیں، اللہ کے بندوں سے محبت رکھتے ہیں اور وعظ ونصیحت کی حالت میں زمین پر چلتے ہیں)

جوامع المحدّثین میں یہ حدیث بیان کی گئی ہے:

’’ اَلْمرءُ مَعَ مَنْ اُحب وَالْعَبْدُ مَعَ مَنْ اَحب وَمَنْ اَحبّ قوماً حَشَرَہُ اللّٰہُ فی زُمْرَتِھم ‘‘ (آدمی کا انجام اُسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے اور جو شخص جن لوگوں سے محبت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کا انجام انھی لوگوں کے ساتھ کرتا ہے۔)

ظاہر ہے کہ ایسی اَحادیث، مشائخِ کرامؒ ہی کے بارے میں ہیں۔ اولیاء اللہ سے محبت اور اُن کے اَسمائے گرامی کا ذکر، مغفرت اور نعمتوں میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔

''نفحاتُ الانس'' وغیرہ میں لکھا ہوا ہے کہ حضرتِ ابُو جعفرؒ اپنی ارادت کے آغاز کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مَیں نے ابھی طریقت اِختیار نہیں کی تھی کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ تشریف فرما ہیں اور صُوفیاء کا ایک گروہ آنحضرت ﷺ کے اِردگرد دائرہ بنائے بیٹھا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے اُوپر، آسمان میں دریچہ کُھلا اور فرشتے طشت اور لوٹے لیے، نازل ہوئے اور سب کے ہاتھ دُھلانے لگے۔ مجھ تک پہنچے تو یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے کہ ''یہ، اِن صوفیاء میں سے نہیں ہے!''

مَیں نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! اگرچہ میں اِن میں سے نہیں ہوں لیکن اِن سے محبت کرتا ہوں''۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو کوئی ان سے محبت رکھتا ہے، وہ اِنھی میں سے ہے۔'' طشت واپس لایا گیا۔ مَیں نے ہاتھ دھوئے، سرورِ کائنات ﷺ میری طرف دیکھتے اور مُسکراتے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم مجھے اور میرے دوستوں کو دوست رکھتے ہو تو (سُن لو کہ) ''اَلْعَبْدُ مَعَ مَنْ اَحَبّ'' بندے کا انجام اُسی کے ساتھ ہوگا، جسے وہ دوست رکھتا ہے!''

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ: ''مَیں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ ہاتھ میں ایک لمبا چوڑا کاغذ پکڑے ہوئے ہے اور اُس میں اللہ کے دوستوں کے نام لکھ رہا ہے۔ مَیں نے پوچھا: '' تُو نے میرا نام لکھا؟'' کہنے لگا: ''نہیں'' مَیں نے کہا: ''اگرچہ مَیں اولیاء اللہ میں سے نہیں ہوں لیکن اُن سے محبت کرتا ہوں۔'' اِسی دوران میں ایک اور فرشتہ آ گیا اور اُس فرشتے سے کہنے لگا: ''اللہ فرماتا ہے کہ وہ کاغذ نئے سرے سے شروع کرو اور ابراہیمؒ کا نام سرِ فہرست لکھو کیونکہ وہ میرے دوستوں کو دوست رکھنے والا ہے۔''

حضرت رسولِ کریم ﷺ سے اُس آدمی کے بارے میں پُوچھا گیا جو کسی گروہ سے محبت رکھتا ہو لیکن کردار میں اُن جیسا نہ ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اَلْمَرءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ''۔ ''آدمی کی عاقبت اُسی کے ساتھ ہوگی جس سے وہ محبت کرتا ہے۔''

روایت میں ہے کہ قیامت کے دن، کوئی شخص اپنی بے اعمالی کی وجہ سے نا اُمید ہو چکا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ: ''تُم فلاں محلّے کے فلاں صُوفی یا فلاں عالم کو پہچانتے ہو؟'' وہ عرض کرے گا: جی ہاں!'' تو خُدائے بزرگ و برتر فرمائے گا: ''میں نے اُس کے طُفیل تمھیں بخش دیا!''

اے بھائی! جب اَولیائے کرامؒ سے آشنائی بھی نجات کا وسیلہ بن سکتی ہے تو جو لوگ اُن سے محبت رکھتے ہیں، اُن کے کردار پر عَمل کرتے ہیں اور اُن کے اَعمال کی پیروی کرتے ہیں، اُن کی مغفرت اور ترقی دَرَجات تو بہ طریقِ اَولیٰ ہوگی۔

اللہ جَلَّ جلالہٗ جن لوگوں کو عزیز رکھتا ہے، اُن کے دلوں کو اپنی ذات میں لگا لیتا ہے اور جو شخص، کسی کو اللہ کی دوستی کی وجہ سے پسند کرتا ہے، اللہ اُس سے محبت فرمانے لگتا ہے۔

حضرت خواجہ محمد پارساؒ، ''رِسالۂ محبُوبیہ'' کے آخر میں لکھتے ہیں: ''اللہ کے دوستوں کے دلوں میں اَپنی جگہ بنانے کا ارادہ کرلو۔ یہ مُیَسَّر نہ آئے تو کم از کم اللہ کے دوستوں کی محبت کو اپنے دل میں بسالو۔ کیونکہ جب اولیاء اللہ کی محبت دل میں جا گُزیں ہوتی ہے تو دل کے گھروندے کو حرص و ہوس سے پاک کر دیتی ہے تاکہ عشقِ حقیقی کا بادشاہ جب اس گھر کو پاک صاف پائے تو اس میں اُتر آئے۔ اگر تُم اولیاء اللہ کے دل میں ذرہ بھر جگہ بھی بنالو تو ایک دن اور ایک رات میں، اللہ کی نظرِ رحمت کا اثر تین سو ساٹھ بار وہاں پہنچتا ہے۔ اگر اللہ کی نگاہِ کرم تمھیں اپنے دوستوں کے دل میں دیکھ لے تو تمھارے دونوں جہان سنور گئے۔''

شیخ الاسلام خواجہ عبدُ اللہ انصاری ہرویؒ کا ارشاد ہے کہ: ''مشائخ کے ملفوظات سُننا اور اُن سے عقیدت و محبت رکھنا، خوش نصیبی کی علامت ہے کیونکہ اللہ کے پیاروں کی باتوں کو پسند کرنا، اللہ کے پیاروں کی محبت کا سبب بن جاتا ہے اور اُن کی محبت کے طُفیل، اللہ سے نسبت پیدا ہو جاتی ہے اور انسان کو اولیاء کی صف میں شامل کر دیتی ہے''۔

ایک بزرگ سے پُوچھا گیا کہ: ''جب ہمیں اَولیاء اور مشائخ نہ ملیں تو، ہمیں اپنے ایمان کو سلامت رکھنے کے لیے کیا کرنا چاہیے''؟ اُنھوں نے فرمایا: ''ہر روز اُن کے ملفوظات کا ایک وَرَق پڑھیں اور اُن کے اَحوال و مقامات سُنیں تا کہ سلامتی سے رہا جا سکے۔''

ایک بزرگ کا فرمان ہے کہ: ''ایک دن میں قرآنِ کریم کا ایک پارہ اور نیک لوگوں کے کچھ واقعات پڑھ کر اپنے دین کو سلامت رکھا جا سکتا ہے۔''

ایک صاحبِ دل سے پُوچھا گیا کہ: ''جب ہم اَولیائے کرامؒ جیسا کردار نہیں اپنا سکتے تو ہمیں اُن کی کتابیں پڑھنے سے کیا فائدہ ہوگا؟'' اُنھوں نے فرمایا: ''بہت سے فائدے ہوں گے۔ کوئی جاہل پڑھے گا تو عالم بن جائے گا۔ عالم پڑھے گا تو عارف ہو جائے گا۔ اگر دُور ہے تو قُرب حاصل کر لے گا۔''

''اَلْعَلْمُ یُوخِذُ مِنَ الکتابِ وَالْاقوالِ وَالْحَالُ یُوخِذُ مِنَ السُّلُوکِ وَالْاَحْوَال ۔'' (علم، کتابوں اور اقوال سے حاصل ہوتا ہے اور عمل، سُلوک اور احوال سے نصیب ہوتا ہے)

چنانچہ اولیائے کرامؒ کی حکایات سُننے کا سب سے معمولی فائدہ تو یہ ہے کہ آدمی جان لیتا ہے کہ اُس کے کام، باتیں اور حالات اُن لوگوں کی طرح نہیں ہیں اور وہ غرور و تکبر

سے بچ جاتا ہے، اُن لوگوں کے کردار کے مقابلے میں، اپنے آپ میں کوتاہی اور خامی دیکھتا ہے، نخوت، ریاکاری اور اچھا کہلوانے کے شوق سے بچ جاتا ہے، اُن بزرگوں کی اطاعت اختیار کرتا ہے اور اُنھی میں سے ایک بن جاتا ہے۔

''تعرُّف'' میں ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کے زمانے میں، ولی کی کرامتیں آپ ﷺ کی تصدیق کرنے والی تھیں اور آنحضرت ﷺ کے بعد، آپ ﷺ کی نبوت اور ولایت کی تصدیق کرنے والی ہیں۔ لہذا جو کوئی اولیاء کی کرامات اور اُن کے احوال کا منکر ہے، وہ درحقیقت اَنبیاءؑ کے مُعجزوں کا منکر ہے اور اُس کی گمراہی کے لیے یہی کافی ہے۔

''قُوتُ القُلوب'' میں ہے کہ جو شخص اولیاء کے مقامات میں سے کسی مقام یا صوفیا کے احوال میں سے کسی کیفیت کا منکر ہو، یقین کی کمزوری، اُس کی بہترین حالت ہوتی ہے اور کفر، منافقت اور کینہ، بدترین حالت۔ اُس کی سزا وجدان اور شُہود سے محرومی ہوتی ہے۔

''تذکرۃ الاولیاء'' میں مرقوم ہے کہ قرآن وحدیث کے بعد، مشائخ کی باتوں سے بہتر اور کوئی باتیں نہیں ہیں کیونکہ اُن کی باتیں قیل وقال کا ثمرہ نہیں ہوتیں بلکہ عمل اور حال کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اُن کا تعلق ظاہر کر دینے سے ہوتا ہے، محض بیان کر دینے سے نہیں۔ وہ سرمایۂ تکرار نہیں بلکہ جانِ اَسرار ہوتی ہیں۔ اُن کا تعلق سُننے سے نہیں، جوشِ باطن سے ہوتا ہے۔ وہ کسبی علم کی بجائے اَزَلی علم کی بُنیاد پر ہوتی ہیں۔

نیز اسی میں فرمایا گیا ہے کہ اولیاء کے مناقب پر مشتمل یہ کتاب، اِس لیے لکھی جا رہی ہے کہ جو شخص اِسے پڑھ کر فائدہ اُٹھائے، شاید وہ میرے حق میں دُعا کرے اور اُس کی دُعا سے مجھے قبر میں اطمینان ملے، جیسا کہ حضرت یحییٰ عمار انصاریؒ نے جب وفات پائی تو

لوگوں نے اُنھیں خواب میں دیکھا اور پُوچھا: ''اللہ نے آپ کے ساتھ کیا سُلوک کیا''؟ کہنے لگے: ''اللہ نے فرمایا: ''اے یحییٰ! مجھے تم سے خوب نبٹنا تھا لیکن تم خوش قسمت نکلے کہ ہماری اور ہمارے دوستوں کی مدح کیا کرتے تھے۔ ہمارے عاشقوں میں سے ایک نے تمھارا کلام سُنا اور بہت رُوحانی خوشی حاصل کی اور ہمارا طالب بن گیا۔ اس وجہ سے مَیں نے تمھیں بخش دیا اور تمھاری سزا معاف کر دی۔''

حضرت شیخ عبداللہ انصاریؒ نے وفات کے وقت یہ وصیت فرمائی کہ: ''ہر مُرشد کی کوئی نہ کوئی بات یاد کرلو۔ یہ ممکن نہ ہو تو مشائخ کے اَسمائے گرامی ہی یاد کرلو تا کہ تمھیں اس سے فائدہ پہنچے۔''

آپؒ کا ارشاد ہے کہ: ''مُریدوں کے لیے بہترین نسبت یہی ہے کہ اُنھوں نے کمالِ محبت رکھتے ہوئے اپنے مشائخ کی زیارت کی ہو۔ اُن کی صحبت سے مُریدوں کو وہ کچھ ملتا ہے جو اور کسی چیز سے نہیں ملتا۔ لہٰذا جس کسی نے زیادہ بزرگوں کی زیارت کی ہو، اُسے زیادہ برکتیں حاصل ہوں گی۔''

شیخ اکبر محی الدیّن ابنِ عربیؒ فرماتے ہیں: ''مَیں نے اَسّی مشائخ کی خدمت کی اور ہر ایک سے کوئی نہ کوئی نعمت حاصل کی اور مَیں نے پانچ سو کتابیں تصنیف کیں۔'' بے شک شہد کی مَکّھی سَتّر پودوں کا رس چوستی ہے اور لوگوں کو شمع اور شہد جیسی نعمتیں فراہم کرتی ہے۔ شمع روشنیوں کا سَبَب بنتی ہے اور شہد، بیماریوں کی شفا ہے۔ اللہ نے شہد کو ''لوگوں کے لیے شفا'' قرار دیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: '' فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ '' [۱۶/۶۹]

ایک بار حضرت علی بن بندارؒ اور حضرت عبداللہ خفیفؒ اکٹھے ایک تنگ سے پُل پر پہنچے۔ شیخ عبداللہؒ نے کہا: ''اے علی! آپ آگے بڑھیے!'' اُنھوں نے پوچھا: ''وہ کیوں؟''

تو حضرت عبداللہؒ نے فرمایا: ''اِس لیے کہ آپؒ نے حضرت جُنیدؒ کی زیارت کی ہوئی ہے اور مَیں نے آپؒ کو نہیں دیکھا ہوا۔''

جب اللہ تمھیں اپنے دوستوں میں سے کسی کی زیارت کراتا ہے اور تم اُسے قبول نہیں کرتے تو یہ تمام بُرائیوں سے بڑی بُرائی ہے کیونکہ اُس بزرگ کو حقیر جاننا، محرومی اور حجاب کی ذلت کا سبب بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بچائے۔ اور اگر وہ شخص حقیقت میں نیک نہ ہو اور تم اُسے نیک جانتے رہو تو اس میں کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ مومنوں کے بارے میں اچھا گمان رکھنا نیکی ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے: '' ظَنُّوا بِالْمُؤْمِنِينَ خَيْرًا '' یعنی مومنوں کے بارے میں نیک گمان رکھو۔

حضرت ابراہیم نصارؒ فرماتے ہیں: ''قرآن کے مخلوق ہونے کے معاملے میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو قید کرلیا گیا تھا اور حضرت ذوالنونِ مصریؒ کو بھی اسی سلسلے میں قید کرنے کے لیے، لیے جاتے تھے۔ لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ مجھے حضرت ذوالنونؒ حقیر لگے۔ حضرت ذوالنونؒ نے اُسی وقت میری طرف رُخ کر کے فرمایا: ''اے شخص! جب اللہ کسی بندے سے منہ موڑ لیتا ہے تو اولیاء اللہ کو بُرا بھلا کہنے اور اُن کے انکار پر اُس کی زبان دراز ہو جاتی ہے اور اُس کی نظروں میں ولی اللہ حقیر ہو جاتا ہے!''

سُلطان محمود غزنویؒ، حضرت بایزیدؒ کی قبر پر حاضر ہوا اور عقیدت مندوں سے کہنے لگا ''آپ کے اس اُستاد نے کیا کہا تھا؟'' مُریدوں نے کہا: ''آپؒ فرماتے تھے کہ جس نے مجھے دیکھ لیا، اُسے دوزخ میں نہیں جلایا جائے گا۔'' محمود نے کہا: ''یہ فضول بات ہے۔ ابوجہل نے رسولِ کریم ﷺ کو دیکھا ہوا تھا اور اُس کے جلائے جانے میں کوئی شک ہی نہیں!'' ایک درویش نے جواب دیا: ''اے بادشاہ! ابوجہل نے حضرت پیغمبر ﷺ کو نہیں

دیکھا تھا بلکہ حضرت ابوطالبؓ کے بھتیجے کے طور پر آپ ﷺ کو دیکھتا تھا۔ اگر آنحضرت ﷺ کو پیغمبر کی حیثیت میں دیکھتا تو ہرگز نہ جلایا جاتا۔"

شیخ الاسلام عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں: "اے اللہ! تُو نے اپنے دوستوں کے ساتھ کیا معاملہ کر رکھا ہے کہ جو شخص انھیں ڈھونڈ لیتا ہے، تجھے پا لیتا ہے اور جب تک تجھے حاصل نہیں کر لیتا اُس وقت تک انھیں نہیں پہچان سکتا۔"

شیخ مجد الدین بغدادیؒ دُعا میں عرض کیا کرتے تھے: "الٰہی! تیرا کرم میرے شاملِ حال ہے تو مجھے یا اولیاء میں شامل کر دے یا اُن کی زیارت کرنے والوں میں، کیونکہ مَیں اس کے علاوہ کچھ اور بننے کا حوصلہ نہیں رکھتا"۔

اگر مَیں اولیاء اللہ میں سے نہیں ہوں تو مَیں نے اُن کا ذکر تو کیا ہے، میرے لیے یہی کافی ہے۔ اگر مَیں اُن میں سے نہیں ہوں تو مَیں نے اُن کی باتیں تو کی ہیں۔ مَیں خوش ہوں کہ مَیں نے دل و جان سے یہ بات کی ہے۔

شیخ احمد غزالیؒ کا ارشاد ہے: " مَیں صوفیا کے ساتھ اپنی کسی غرض کی وجہ سے، اُن کا ذکر نہیں کرتا ہوں بلکہ اس کا سبب، میرا ذوق وشوق اور اولیائے کرام کی عزّت و عظمت ہے۔ مَیں نہیں جانتا کہ کیا کہوں اور کیا لکھوں! اگر اُن کی تعریف میں سو کتابیں بھی لکھ دوں تو کم ہیں۔"

شیخ نجم الدینؒ نے فرمایا ہے: "افسوس کہ کسی نے اولیائے کرامؒ کی صُحبت کی قدر نہ پہچانی اور کوئی پہچانے گا بھی نہیں۔"

ان تمام باتوں کا مقصد یہ ہے کہ جس سلیم الفطرت شخص نے آج تک صوفیاء کے احوال کا مشاہدہ اور ان کے ارشادات اور طرزِ عمل کا مطالعہ نہیں کیا، وہ جاہلوں کی غلط باتوں

اور بے بنیاد قصے کہانیوں کی بنا پر کہیں اولیائے کرامؒ کی نفی اوران درویشوں کے حالات کا انکار ہی نہ کر بیٹھے۔ کیونکہ ان کا انکار، انبیائے کرامؑ کے معجزات کے انکار کا سبب بنتا ہے۔

حضرت مجددّ الف ثانیؒ نے فرمایا ہے: ''اولیاء کی کرامات اور کیفیات سب کی سب پیغمبرؑ کے مُعجزوں کی طرح ہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے معجزے دینِ اسلام کی اشاعت اور تقویت کے لیے تھے، بالکل اسی طرح، اولیاء کے واقعات کا مقصد بھی یہی ہے۔اولیاء کی عظمت کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اپنی دلی کیفیتوں اور کرامتوں کا اظہار کرکے، وہ جاہ ومرتبہ یا شہرت کا حصول یا خودنمائی نہیں چاہتے۔اس سب کچھ کے باوجود ہمیشہ اُن کی پوری کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ ایسے معاملات چھپا کر رکھیں۔ بعض اوقات اُنھیں کچھ ایسی باتیں ظاہر کر دینے کا حکم ملتا ہے یا کبھی کبھی وہ مریدین کی رغبت بڑھانے کی نیت سے ایسا کرتے ہیں۔ بلکہ کبھی بے اختیاری کی حالت میں، اُن سے کرامات صادر ہو جاتی ہیں۔

جیسا کہ حضرت شیخ آدم بنوریؒ فرماتے تھے کہ: ''شروع شروع میں، جب مجھے حضرت رسالت مآب ﷺ سے مُصافحے کی سعادت نصیب ہوئی اور حضور ﷺ نے انتہائی لطف وکرم سے مجھے فرمایا: ''تمہارے عقیدتمندوں کا تُم سے مصافحہ کرنا گویا مجھی سے مصافحہ کرنا ہے۔'' اُس وقت مَیں نے چاہا کہ یہ بات اپنے ساتھیوں پر ظاہر کردوں لیکن پھر دل میں آیا کہ بات ظاہر کر دینا ہمارا شیوہ نہیں۔ معاملات کا مخفی رکھنا ضروری ہے۔اس لیے مَیں نے بیان نہ کیا۔اچانک اُسی دن مجھ پر محویّت طاری ہوگئی اور بے خودی کی حالت میں، بے اختیار مجھ سے وہ بات کہلوادی گئی۔احباب یہ سُنتے ہی، بڑھ چڑھ کر مجھ سے مُصافحہ کرنے لگے اور اُنھوں نے بہت برکات دیکھیں۔''

اسی طرح، دوسرے کئی مشائخ سے بھی اسی طرح کہلوایا جاتا رہا ہے، جیسا کہ

جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔

یہ روایات نقل کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ قارئین انھیں پڑھ کر صوفیائے کرامؒ کے معاملے میں یقین حاصل کرلیں اور سالکوں کے احوال کا انکار کرنے والوں کی فضول باتیں اُن پر اثر انداز نہ ہوں اور وہ، اُن لوگوں کی وسوسہ انگیزی سے محفوظ رہیں۔ ہم اپنے نفسوں کی برائیوں اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا فرمان ہے: ''مشائخ کی حکایات، دلوں کے لیے، اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں۔'' آپؒ ہی سے پوچھا گیا کہ: ''بزرگوں کی روایات سے مریدوں کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟'' آپؒ نے فرمایا: اللہ فرماتا ہے: ''وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ'' یعنی اے محمد ﷺ! میں تمہارے لیے پیغمبروں کے قصے اور اُن کی خبریں بیان کرتا ہوں اور اُن کے احوال سے آگاہ کرتا ہوں تاکہ تمہارا دل ثابت قدم ہو جائے اور عزم و ہمت بڑھ جائے اور جب کبھی تمھیں کوئی مصیبت یا تکلیف پہنچے تو تم ان پیغمبروں کے احوال سُنو اور سوچو کہ اس طرح کی تکلیفیں اُن لوگوں کو کئی بار اُٹھانی پڑی ہیں اور انہوں نے صبر کیا ہے اور توکّل اختیار کیا ہے۔ اس سے تمہارے دل میں ثابت قدمی، صبر اور عزم بڑھے گا۔ بالکل اسی طرح نیک لوگوں کی باتیں اور مشائخ کی حکایات اور حالات سننے سے مریدوں کے دلوں کی تربیت ہوتی ہے اور وہ مصیبتوں اور تکلیفوں میں ثابت قدم رہتے ہیں، مشائخ کی سیرت اختیار کرتے ہیں، اَپنے حالات کا اُن کے احوال سے موازنہ کرتے ہیں، اگر اُن کے مطابق ہو تو شکر کرتے ہیں، ویسا نہ ہو تو استغفار کرتے ہیں اور زیادہ مجاہدہ کرنے لگتے ہیں۔ اس کے علاوہ مشائخ کی باتوں سے، اُن کی محبت پیدا ہوتی ہے، اُن کی محبت، اُن کے ساتھ نسبت پیدا کرتی ہے اور یہ نسبت دونوں جہانوں کی

بھلائی کا سبب بنتی ہے۔ جیسا کہ حدیثِ صحیح میں وارد ہوا ہے: ''اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ احبّ'' (آدمی کا انجام اُسی کے ساتھ ہوگا، جس کے ساتھ وہ محبت رکھتا ہے)

شیخ ابُو بکر صیدلانیؒ کا قول ہے: ''تمہارے لیے اللہ کی صحبت میں رہنا ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ کرسکو تو اُن لوگوں کی صحبت اختیار کرو جو اللہ کے ساتھ صحبت رکھتے ہیں۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اُن کے علوم و معارف، ملفوظات اور روایات سے فائدہ اٹھاؤ۔ اگر یہ پڑھتے رہو گے تو اُن لوگوں سے محبت کرنے لگو گے اور اُن کی محبت کی برکت سے تم رفتہ رفتہ اللہ تک جا پہنچو گے۔''

شیخ حمدونؒ فرماتے ہیں: ''تم جس کسی میں کوئی اچھی خصلت دیکھو، اُس سے جدائی اختیار نہ کرو کیونکہ اُس کی برکتوں سے تمھیں بھی جلد ہی کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔''

نقشبندی مشائخ کا ارشاد ہے کہ: ''ہمارے بزرگوں کی نسبت، آخری عُمر میں، نزع کے وقت خُوب ظاہر ہوتی ہے۔'' اس کی وجہ ظاہر ہے کہ دُنیا سے جتنی زیادہ رُوگردانی ہوگی، نسبت کا ظہور بھی اُتنا ہی زیادہ ہوگا۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا: ''رُوحانیت کے دعوے داروں کی اچھی طرح تعظیم کیا کرو تاکہ وہ اپنے آپ کو پختہ کرلیں۔ اور اُن کے ہاتھ چُومو کیونکہ اگر وہ عالی ہمت نہ ہوتے تو کسی اور چیز کا دعویٰ کرتے۔''

حضرت جنیدؒ نے حضرت شبلیؒ کو تلقین کی: ''اِذَا وَجَدْتَ مَنْ یُّوَافِقُ عَلٰی كَلِمَةٍ مِمَّا نَقولُ فَتَمَسَّكْ به'' (جب تمھیں کوئی ایسا شخص ملے جو ہماری کہی ہوئی باتوں میں سے، کسی ایک سے بھی متفق ہو تو اُس سے وابستہ رہو)

ایک بزرگ فرماتے ہیں: ''جہاں کہیں بھی مشائخ کی سی وضع قطع والے شخص کو

دیکھو، اُس کا دامن مضبوطی سے تھام لو کیونکہ تمھاری عقیدت کی اچھائی، آخر کار اُسے مشائخ کی سیرت اپنانے تک پہنچا دے گی۔"

شیخ ابُو علی دَقاق ؒ فرماتے ہیں: " جب کوئی دعوے دار دیکھو تو اُس کا دامن مضبوطی سے تھام لو کیونکہ اہلِ تحقیق تو نایاب ہو گئے۔" آپ ؒ ہی کا ارشاد ہے کہ: "جب کسی کو لے جایا جائے اور کسی دوسرے کو اُس کی جگہ نہ بھیجا جائے تو میدان خالی رہ جاتا ہے۔" یعنی کامل لوگوں کے رُخصت ہو جانے پر غم نہ کرو کیونکہ طالبوں کی تربیت کے لیے کوئی اور کامل جلوہ گر ہو جائے گا۔ چنانچہ کسی کامل کے ظہور تک، مشائخ کی سی شکل وصورت والے اہلِ دعویٰ سے غافل نہیں ہونا چاہیے تاکہ غفلت کے زیادہ ہو جانے کی وجہ سے طلب کی پیاس ہی ختم نہ ہو جائے وگرنہ تم اچانک کسی کامل کی صحبت سے محروم رہ جاؤ گے، کیونکہ غفلت کی یہی خاصیت ہے۔

حضرت مولانا عبدالرحمان جامی ؒ نے فرمایا ہے کہ: "بزرگوں کی کرامات اور احوال کی نفی کرنے والے کم ہمت لوگ ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ انھوں نے عوام کو خود اپنے بارے میں یہ تاثر دے رکھا ہوتا ہے کہ وہ ولایت کے بہت اعلیٰ درجوں پر فائز ہیں اور اُن میں اولیائے کرام کے کمالات اور حالات کا نام ونشان تک نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ عوام کے سامنے شرمندگی سے بچنے کے لیے ان سب باتوں کا انکار کر دیتے ہیں۔ وہ بزرگوں کی رسوائی کا بالکل خیال ہی نہیں کرتے۔" اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے!

کارِ پاکان را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

(ترجمہ) نیک لوگوں کے معاملے کو اپنے معاملات جیسا نہ سمجھو کیونکہ شیر (ببر شیر) اور شیر

(دودھ) بظاہر لکھنے میں ایک جیسے ہوتے ہیں۔

مولانا جامیؒ ہی نے ''نفحات'' میں لکھا ہے کہ: ''خواجگان کے خانوادے کے احوال واقوال اور اُن کی طریقت کا بیان یہ ہے کہ حضرات خواجگان کے سلسلۂ طریقت کا عقیدہ وہی ہے جو اہلِ سُنّت و جماعت کا عقیدہ ہے۔ یہ حضرات شریعت کے احکام کی اطاعت، عزیمت پر عمل، سنت کی پیروی اور دائمی بندگی یعنی اللہ کی بارگاہ میں غیر کے وجود کے شُعُور کی مزاحمت کے بغیر دائمی حضوری اور آ گاہی پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس جو گُردی ان حضرات کے منکر ہیں، اُن کے انکار کا سبب یہ ہے کہ حرص وہوس اور ظاہری و باطنی بدعت کے اندھیرے نے انھیں گھیرے میں لے رکھا ہے اور حسد اور گناہ کے آشوبِ چشم نے اُن کی چشمِ بصیرت کو اندھا کر رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں انھیں ان حضرات کی ہدایت کے انوار اور ولایت کے آثار دکھائی نہیں دیتے ہیں۔ جن انوار اور آثار نے مشرق ومغرب کا احاطہ کر رکھا ہے، یہ لوگ اُن کا انکار کر کے اپنے اندھے پن کا اظہار کرتے ہیں''۔ افسوس صد افسوس!

نقشبندیہ عجب قافلہ سالاران اند
کہ بَرَند از رہِ پنہان بہ حَرَم قافلہ را
از دل سالک زدہ جاذبۂ صحبت ِ شان
می بَرَد وسوسۂ خلوت و فکرِ چلہ را
ہمہ شیرانِ جہان بستۂ این سلسلہ اند
روبہ ازحیلہ چسان بگسلد این سلسلہ را

سلسلۂ نقشبندیہ کے اکابر بڑے عجیب وغریب میرِ کارواں ہیں کہ یہ لوگ قافلے کو

چھپے ہوئے راستے سے حرم تک لے جاتے ہیں۔ اُن کی صحبت کی کشش، سالکوں کے دل سے خلوت نشینی کا وسوسہ اور چلّہ کشی کا خیال نکال باہر کرتی ہے۔ دُنیا کے تمام شیر اسی سلسلے کے غلام ہیں۔ لومڑی بھلا مکروفریب سے یہ سلسلہ کیسے منتشر کر سکتی ہے؟

اس سلسلۂ عالیہ سے عناد رکھنے والے لوگ اس کے زیادہ تر منکر اس وجہ سے ہیں کہ اس سلسلے میں، دوسرے سلاسلِ طریقت کی طرح خلوت نشینی نہیں ہوتی۔ وہ نادان یہ نہیں جانتے کہ خلوت سے شہرت ہوتی ہے اور شہرت باعثِ فتنہ ہوتی ہے۔ خیریت جمعیّت ہی میں ہے اور جمعیّت، صحبت میں ملتی ہے۔ بشرطیکہ دونوں ایک دوسرے کی نفی کرتی ہوں۔ اور سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ محفل میں، جو کہ مقامِ انتشار ہے، یہ عالم ہو کہ اللہ کی معیّت سے جمعیّتِ خاطر حاصل ہو۔ ظاہری طور پر مخلوق میں مشغول ہو اور باطنی طور پر خالق میں۔

از درون شو آشنا و از برون بیگانہ باش
این چنین زیبا روش کم می بود اندر جہان

(ترجمہ) اندر سے دوست بن جا اور باہر سے بیگانہ بن کے رہ۔ دُنیا میں ایسے اچھے کردار والے کم ہی ہوتے ہیں۔"

اللہ کا یہ ارشاد کہ: "رِجَالٌ" "تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ" "وَّلَا بَيْعٌ" "عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" [۲۴/۳۷] (وہ لوگ جنھیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی) اسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں: دُنیا سے دو مرتبہ بیزار ہونا چاہیے۔ ایک بار دنیا کو ترک کرو تا کہ لوگ عقیدت سے تمھاری طرف رخ کر لیں۔ دوبارہ اپنے آپ کو دنیا میں مشغول کر لو لیکن دنیا کی محبت یا لالچ کی وجہ سے نہیں۔ یہ مشغولیت ایسی ہو کہ لوگ تم سے اپنی

عقیدت کا رشتہ توڑ لیں اور تمھارا باطن ان سے فارغ ہو جائے اور تمھارا گناہ دنیا داروں کے گناہ سے بڑا نہ ہو۔ کیونکہ لوگوں میں مقبولیت، دنیا کو قبول کر لینے کے مقابلے میں بڑا فتنہ ہے۔

حضرت آدم بنوریؒ فرماتے تھے کہ: ''ایک بار ہم نمازِ جمعہ کے لیے باہر نکلے تو عقیدت مند ہر طرف سے ہمارے اردگرد جمع ہو گئے اور سب لوگ دوڑتے دوڑتے میرے ہاتھ چومنے لگے۔ اِدھر اُدھر سے بہت سے لوگوں نے مجھے گھیرے میں لے لیا۔ انسانی فطرت کے تقاضے کے مطابق، مَیں نے محسوس کیا کہ لوگوں میں اس مقبولیت کی وجہ سے میرے نفس میں ایک لذّت اور غرور پیدا ہو گیا ہے۔ یہ غرور محسوس کرتے ہی اچانک مَیں نے دیکھا کہ حاضرین کی جسمانی غلاظتیں تیر بن کر اُن کی نگاہوں کے ذریعے میری طرف آ رہی ہیں اور ہر شخص کی نظر کے بدلے میں ایک تیر میری ہلاکت کے ارادے سے میری جانب آ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر مَیں بے چین ہو گیا اور مَیں نے نفس میں چھپے ہوئے غرور کو یاد کر کے توبہ کی اور عاجزی و انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی، اُسی لمحے اللہ نے مجھے حفظ و امان میں لے لیا اور مَیں محفوظ ہو گیا۔''

الغرض شہرت، فطری یا مخفی غرور سے خالی نہیں ہوتی اور غرور کے پہلو میں ذلّت و مصیبت کا تیر لگا ہوتا ہے۔ خواہ اس کا احساس ہو یا نہ ہو! کبھی اللہ تعالیٰ اپنے محفوظ بندوں کو اس کی خبر دے کر توبہ اور شکر کی توفیق عطا فرماتا ہے اور کبھی غفلت کے صحرا میں حیران و پریشان کر کے کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس شہرت اور مصیبت سے محفوظ رکھے!

بعض حاسدین سلسلۂ نقشبندیہ کے اِس لیے بھی منکر ہیں کہ نقشبندی مشائخ پیروی

رسول ﷺ میں مال وزر خرچ کرتے ہیں اور اس سلسلے میں مال واسباب جمع رکھنا جائز سمجھتے ہیں۔ بے وقوف لوگ نہیں جانتے ہیں کہ خرچ کرنے کے لیے مال وزر کا جمع کرنا منصبِ سجادگی کی شرائط میں سے ہے تا کہ طالبانِ حقیقت اور سالکانِ طریقت فارغ البال ہو کر عبادت وریاضت میں مشغول رہیں۔ مشائخ کے لیے مال واسباب جمع رکھنے کے کچھ اور فائدے بھی ہیں جو نا گزیر ہیں۔

شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ فرماتے ہیں: "لوگ عجیب وغریب خیالات رکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مشائخ کو گداگر اور محتاج ہونا چاہیے۔ بے وقوف لوگ نہیں جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی صاحبِ ارشاد کو مخلوق کا محتاج نہیں رکھا تو اللہ کے خاص بندے بھلا اللہ کے علاوہ کسی اور کے محتاج کیوں ہوں؟ جب کہ اللہ نے انھی لوگوں کی خیر وبرکت کی بدولت دنیا کو اتنی نعمتیں عطا کر رکھی ہیں بلکہ مقصدِ تخلیق ہی یہی لوگ ہیں۔ کیا شیخ مجد الدین بغدادیؒ کی خانقاہ کے سالانہ اخراجات دو سو سرخ دینار نہیں ہوا کرتے تھے؟ خود مَیں نے حساب کیا ہے کہ مَیں نے اپنے سلسلے کے صوفیاء کے لیے پانچ لاکھ دینار کی جائداد وقف کی ہوئی ہے۔"

شیخ سمنانیؒ ہی کا فرمان ہے۔ "ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی شخص مرتبۂ ولایت تک پہنچ جائے اور اللہ تعالیٰ اُس پر پردہ نہ ڈالے اور اُسے لوگوں کی نظروں سے بچا کر نہ رکھے۔"

"**اولیائی تحت قبائی**" (میرے دوست میری قبا کے نیچے ہیں) کا یہی مطلب ہے۔ یہ قبا کسی کپڑے وغیرہ کی بنی ہوئی نہیں ہے بلکہ اس حجاب سے بشری صفات مراد ہیں۔ صفاتِ بشری کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اُس شخص میں کوئی ایسی بات ڈال دیتا ہے جو لوگوں کی نظروں میں عیب ہوتی ہے اور "**لا یعرفھم غیری**"

(انہیں میرے سوا اور کوئی نہیں پہچانتا) کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اللہ کسی شخص کے باطن کو نورِ عقیدت سے منور نہیں فرماتا، وہ شخص کسی ولی کو نہیں پہچان پاتا۔ لہٰذا اگر وہ کسی ولی کو پہچان لیتا ہے تو وہ اس نُور کو پہچانتا ہے، اُس ولی کو نہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابُو سعید ابُو الخیرؒ سے کہا گیا کہ فُلاں شخص پانی پر چلتا ہے۔ آپؒ نے فرمایا: ''یہ تو آسان سی بات ہے، بطخیں اور مُرغابیاں بھی پانی پر تیر لیتی ہیں''۔ کسی اور نے بتایا کہ: '' فُلاں صاحب ہوا میں اُڑتے ہیں''۔ آپؒ نے کہا: ''مکھی بھی اُڑتی ہے!'' عرض کیا گیا: ''فُلاں شخص آن کی آن میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں پہنچ جاتا ہے''۔ آپؒ نے جواب دیا: ''شیطان بھی پَل بھر میں مشرق سے مغرب تک پہنچ سکتا ہے۔ اللہ کے نزدیک ایسی باتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ مردِ کامل وہ ہوتا ہے جو اللہ کی مخلوق میں بیٹھے، ان سے لین دین کرے۔ صاحبِ اولاد ہو، مخلوق سے میل جول رکھتا ہو اور انھیں شرعی احکام اور نصیحتوں کی تلقین کرتا ہو اور اس سب کچھ کے ساتھ ساتھ لمحہ بھر کے لیے بھی اللہ سے غافل نہ ہو!''

حضرت جُنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے: ''مکر وفریب یہ ہے کہ کوئی شخص پانی پر چلتا اور ہوا میں اڑتا ہو اور لوگ اُس کے معتقد ہو جائیں اور اس کی باتوں کو صحیح جاننے لگیں۔'' یہ سب مکر ہوتا ہے الا ماشاء اللہ۔ آپؒ نے مزید فرمایا کہ: ''اس میں مبتلا ہو جانا عام مُرید کے لیے گناہِ کبیرہ ہے اور خواص کے لیے کُفر۔''

چنانچہ منصف مزاج لوگوں کی روایات وغیرہ سے معلوم ہوا ہے کہ اولیائے کرام کا معاملہ عوام الناس کی گفت وشنید سے بالاتر ہوتا ہے اور اسے صوفیانہ کشف کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔ اولیاء اللہ اگر مجلس منعقد کرتے ہیں تو بھی اللہ ہی کے لیے کرتے ہیں اور اگر خلوت

اختیار فرماتے ہیں تو بھی اللہ ہی کے لیے۔ اگر مال و اسباب جمع کرتے ہیں تو بھی طالبانِ خدا کے سکونِ دل کے لیے اور اگر ترکِ دُنیا کرتے ہیں تو بھی کسی مصلحت کی بنا پر۔ یہ لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں، اللہ کے مشورے اور حکم پر کرتے ہیں، نفسانیت کے غلبے کی بنیاد پر نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں میں سے جس کسی کو بھی اپنی قدرتِ کاملہ کا مظہر بناتا ہے، وہ ولیِ کامل دنیا میں جس نوعیت کا تصرف بھی کرے گا، حقیقت میں وہ تاثیر اور تصرف اللہ ہی کا ہوگا جو اُس شخص سے ظاہر ہو رہا ہوگا۔ وہ شخص تو محض وسیلہ یا ذریعہ ہوتا ہے۔

حضرت خواجہؒ فرماتے ہیں کہ: ''اولیائے کرام کو اپنے اپنے احوال کے مطابق اَسرار و رموز کی اطلاع دی جاتی ہے لیکن وہ اجازت کے بغیر اس کا اظہار نہیں کرتے۔'' آپؒ فرماتے تھے کہ: ''اگر ہم سے کوئی کرامت صادر ہوتی ہے تو اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ہم اور تم محض بہانہ ہوتے ہیں۔''

مرحوم شیخ فریدؒ فرماتے تھے کہ: ''ایک بار حضرت آدم بنوریؒ سرہند شریف کی طرف جا رہے تھے اور سراپا معرفت باتیں ارشاد فرماتے جاتے تھے۔ گفتگو کے دوران آپؒ نے اچانک سورۂ یٰسین کی عرفانی تفسیر شروع کر دی۔ مجھے خیال آیا کہ یا الٰہی یہ کیا حکمت ہے کہ حضرتؒ نے عرفان و تصوف کی باتیں کرتے کرتے اچانک سورۂ یٰسین شروع کر دی اور گفتگو نامکمل چھوڑ کر سب کا اشتیاق باقی رہنے دیا۔ یہ خیال آتے ہی آپؒ اس سے آگاہ ہو گئے اور فرمانے لگے: ''یارو! مَیں اللہ کے حکم کے بغیر اپنی طرف سے کسی وقت بھی، کوئی کام بھی نہیں کر سکتا۔ مَیں نے کئی بار کہا ہے اور ایک بار پھر کہتا ہوں کہ مجھے جب بھی کسی بات کے اظہار کا حکم ملتا ہے، اُسے ظاہر کر دیتا ہوں۔ جب کوئی کام کرنے کا حکم ملتا ہے تو کر گزرتا

ہوں وگرنہ از خود تو کچھ بھی نہیں کر سکتا۔"

در پسِ آئنہ طوطی صفتم داشتہ اند
آن چہ استادِ ازل گفت بگو، می گویم

(ترجمہ) مجھے کسی طوطے کی طرح آئینے کے پیچھے رکھا گیا ہے، استادِ ازل کہنے کو جو کچھ کہتا ہے، میں وہی کچھ کہتا ہوں۔

حضرت خواجہ نقشبندؒ سے جب بھی کوئی کرامت ظہور پذیر ہوتی تو آپؒ فرمایا کرتے کہ: "اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں ہے، یہ چیزیں ہماری خواہش کے بغیر ہم سے صادر ہونے لگتی ہیں۔"

رسولِ خدا ﷺ کو قربِ الٰہی میں کمال حاصل تھا، اس کے باوجود آپ ﷺ سے یہ خطاب کیا گیا: "وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" (جب تم نے کنکریاں پھینکیں تو تم نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں) (۸/۱۷) اِس سے دوسروں کی کرامات کی کیفیت سمجھی جا سکتی ہے۔ چنانچہ اولیائے کرام سے جو کچھ بھی ظہور پذیر ہوتا ہے، اس میں ان کا اپنا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، سب خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے ہوتا ہے۔ اگر کبھی ان سے کوئی کرامت ظاہر ہوتی بھی ہے تو طالبانِ طریقت کی راہنمائی کے لیے ہوتی ہے۔

کشف المحجوب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی دلیل و بُرہان کو باقی رکھا ہے اور اولیائے کرام کو اس کے ظہور کا وسیلہ بنایا ہے تاکہ اللہ کی نشانیاں اور نبوت کی سچائی کی حُجت ہمیشہ ظاہر ہوتی رہے۔ اولیائے کرام، رسولِ کریم ﷺ کی پیروی میں کمال کو پہنچ کر، مسندِ ارشاد سنبھالے، طالبوں کی راہنمائی میں مشغول ہیں۔ اُنھوں نے نفس اور شیطان کی پیروی کا راستہ بند کر رکھا ہے اور صرف اور صرف اللہ کے کام میں مصروف ہیں۔

آسمان سے بارش انھی کی برکت سے برستی ہے اور زمین سے سبزہ انھی کے صفائے قلب کے طفیل پھوٹتا ہے۔ ان کا انکار کرنے والے بُرہانِ نبوی ﷺ کے منکر ہیں اور ان کو بُرا بھلا کہنے والے اللہ کی نشانیوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ انھیں صرف وہی قبول کرتا ہے جو اللہ کے ہاں ازلی مقبول ہو اور انھیں صرف وہی رد کرتا ہے جو نفسانیت سے آلودہ ہو۔

اگر کوئی اندھا ہے تو اس میں سورج کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔

تمام انبیائے کرامؑ ایسے ہی تھے اور ان کی سیرت ایسی ہی تھی۔ اِسی لیے تمام لوگ اُن کے حُسنِ اَخلاق کے شیدائی اور اُن کے لطف و کرم کے گرویدہ ہو گئے تھے۔

شیخ ممشاد دینوریؒ کا ارشاد ہے کہ: ''جو شخص اولیاء اللہ کا انکار کرتا ہے اُس کی یہی سزا ہے کہ اُسے وہ نعمت ہرگز نہیں مل سکتی جو اولیائے کرام کو حاصل ہے۔''

حضرت ابراہیم کرمان شاہیؒ فرماتے ہیں: ''جو کوئی مشائخ کا احترام نہیں کرتا، وہ لڑائی جھگڑے، جھوٹ اور بڑیں ہانکنے میں مبتلا ہو کر رُسوا ہو جاتا ہے۔''

فتوحاتِ مکّیہ میں ہے: ''وَمَنْ قَعَدَ مَعَ الصُّوفِيَةِ وَخَالَفَهُمْ فِيْ شَيْءٍ مِمَّا يَتَحَقَّقُونَ بِهٖ نَزَعَ اللّٰهُ نُوْرَ الايمانَ مِنْ قَلْبِهٖ ''یعنی جو شخص صوفیاء کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہے اور پھر کسی ایسے معاملے میں اُن سے اختلاف کرتا ہے جس کی وہ تحقیق کر چکے ہوں تو اللہ اُسے نورِ ایمان سے محروم کر دیتا ہے۔

اسی طرح تذکرۃ الاولیاء میں حضرت رویمؒ سے منقول ہے کہ: ''جو کوئی صوفیاء کا ہم نشین ہو اور کسی ایسے مسئلے میں اُن سے اختلاف کرے جو اُن حضرات کے نزدیک تحقیق شدہ ہو، اللہ تعالیٰ اُس سے ایمان کی روشنی واپس لے لیتا ہے۔'' میری رائے میں اس سے مُراد وہ اختلاف ہے جس کی بنیاد تعصب پر ہو لیکن جو اختلاف، کشف اور اجتہاد کی بنیاد پر ہو

وہ اس حکم میں شامل نہیں ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر احسان فرمانا چاہتا ہے تو اُسے صوفیا کے ہاں پہنچا دیتا ہے اور دنیوی کام کاج سے روک دیتا ہے۔''

بزرگانِ دین کا ارشاد ہے: ''جو شخص درویشوں کے ساتھ بدسلوکی کرتا ہے، اُسے دوسروں کی طرف سے بدسلوکی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔'' لہٰذا صوفیوں کی عزت وہی شخص کرتا ہے جو صاحبِ عزت ہو۔

نخشبیؒ فرماتے ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو دُھتکارنا چاہتا ہے تو صوفیوں کو بُرا بھلا کہنے میں اس کی زبان دراز کر دیتا ہے۔''

بدنصیبی کی تین علامتیں ہیں: ''عمل کی توفیق کے بغیر علم کا ہونا، خلوص کے بغیر عمل کی توفیق ہونا اور اعتقاد کے بغیر نیک لوگوں کی صحبت نصیب ہونا۔''

شیخ الاسلامؒ کا ارشاد ہے: ''مشائخ کی زیارت کو غنیمت سمجھنا چاہیے کیونکہ اس سے محرومی کی کوئی تلافی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا جو شخص درویشوں کو ڈھونڈتا ہے، اگر اُنھیں ڈھونڈ لے تو گویا اُسے نُور حاصل ہو گیا، اگر اُنھیں نہ پا سکے تو بھی اُس کی طلب بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہو گئی اور اگر وہ اسی طلب میں مَر گیا تو اُسے شفاعت نصیب ہو جائے گی۔''

حضرت ابُو العباسؒ فرماتے ہیں: ''اگر تمہارا ہاتھ خدا تک نہیں پہنچ سکتا تو کم از کم اللہ کے دوستوں تک تو پہنچ جاؤ۔ اگر تم اُن کا درجہ نہ حاصل کر سکے تو بھی اُن کی شفاعت تو ضرور حاصل کر لو گے۔''

علمائے کرام کا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات، نبی ﷺ کا معجزہ ہیں بشرطیکہ استقامت اور سُنتِ رسول ﷺ کی پیروی کی حامل ہوں۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ کا ارشاد ہے:

''کرامتوں کے ظہور پر کوئی اعتماد نہیں ہے۔ اصل بات استقامت اور سُنّتِ رسول ﷺ کی پیروی ہے۔''

کتاب تعرف میں ہے کہ اولیاء کی کرامات، رسولِ کریم ﷺ کے زمانے میں آنحضرت ﷺ کی تصدیق کرتی تھیں اور آپ ﷺ کے زمانۂ مبارک کے بعد آپ ﷺ کے نور کی تصدیق کرتی ہیں۔ چنانچہ جو شخص اولیاء کے کشف وکرامت کا منکر ہے، وہ انبیائے کرام کے معجزات سے انکاری ہے۔ اس دور کے علماء پر تعجب ہوتا ہے کہ واضح دلیلوں سے کراماتِ اولیاء کو ثابت کرتے ہیں اور اُن کی کئی کرامتوں کا خود مشاہدہ بھی کرتے ہیں اور پھر ایسی باتیں کرتے ہیں جن سے کراماتِ اولیاء کے انکار کا شبہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی نامعقول باتوں سے محفوظ رکھے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: '' اِجْتَنِبُوا کَثِیْراً مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْم '' (زیادہ گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں) (۴۹/۱۲) بہت سے حاسدین اپنے ہم عصر اہل اللہ کے منکر ہوتے ہیں۔ ان کے خلوت کے احوال جاننے سے پہلے اُن کے ظاہری معاملات کے بارے میں بدظنی کرنا مناسب نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے: '' لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْم '' (جس چیز کا تمھیں علم نہیں ہے، اُس پر ڈٹ نہ جاؤ) (۱۷/۳۶) یعنی یقینی طور پر کچھ جانے بغیر کچھ نہ کہو اور اگر کوئی شخص سب کچھ جان بوجھ کر انکار کرتا ہے تو وہ حسد کی بنا پر حق کو چھپاتا ہے: '' وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْن ۔'' (حق اور باطل کو ملا جلا نہ دو اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ) (۲/۴۲)۔

ظاہر بین لوگ کہتے ہیں کہ ولی کو ماضی اور مستقبل کی غیب کی خبریں دینی

چاہئیں۔ وہ نہیں جانتے کہ علم غیب تو اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے اور ایسی باتوں میں دھیان لگانے سے اولیاء اللہ کا وقت ضائع ہوتا ہے۔ جو شخص بزرگانِ دین کی مجلس میں پہنچتا ہے اور ان کی توجہ سے مشرف ہوتا ہے، اس کی بشری صفتیں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ فرشتہ خصلت بن جاتا ہے۔ عالم اور عارف درویشوں پر اعتراض کرنا غلط ہے۔ کیونکہ اُن پر جو کچھ بھی گزرتا ہے، مبنی بر حکمت ہوتا ہے اور اسے بُرا بھلا کہنے میں خطرہ ہے۔

حضرت خواجہؒ فرماتے تھے: ''بزرگانِ دین سے کی جانے والی ہر بے ادبی کی تلافی ہوسکتی ہے، سوائے انکار کے۔ ان پر اعتراض اور انکار کی کوئی تلافی نہیں۔ اُن پر اعتراض کرنے والا اُن کی برکات سے محروم رہ جاتا ہے۔'' آپؒ ہی کا ارشاد ہے کہ: ''بزرگانِ دین کی خدمت میں رہ کر اپنے احوال کو محفوظ اور سلامت رکھنا بہت مشکل ہے۔ اس لیے کہ اولیاء پر ولایت کا غلبہ ہوتا ہے اور کوئی شخص اُن کی مرضی کے بغیر اُن کے احوال سے آگاہ نہیں ہوسکتا۔ ایسی صورت میں اگر اُن کے بارے میں دل میں کوئی خیال گزرے تو بہت بڑا خطرہ ہے اور راکھ میں چھپی ہوئی آگ کی طرح ہے۔''

کتاب قُوتُ القلوب میں ہے کہ جو شخص صوفیاء کی کسی خصوصیت یا مقام کا منکر ہوتا ہے، اُس کی سب سے اچھی حالت یقین کی کمزوری اور بدترین حالت کُفر اور منافقت ہوتی ہے، نیز ذوق اور کشف سے محرومی اُس کی ادنیٰ سزا ہوتی ہے۔

کتاب فاتحۃُ العلوم میں ہے کہ جو شخص علمِ تصوف یا صوفیوں کے حال و مقام سے بے بہرہ ہو یا اُن کا منکر ہو، اندیشہ ہے کہ نزع کے وقت اُس کی حالت بہت خراب ہو گی۔ بزرگانِ دین کے منکروں کی سب سے معمولی خرابی یہ ہے کہ وہ کسی طرح بھی اس علم سے بہرہ ور نہیں ہوں گے۔ جس شخص کو اس علم اور حال سے ذرہ بھر حصہ بھی ملا ہو اُس کی نشانی یہ

ہے کہ اُسے اس علم اور حال کی حقیقت کی مکمل تصدیق حاصل ہوتی ہے اور وہ صوفیائے کرام کے سامنے سراپا سرِ تسلیم خم کیے رہتا ہے۔

روایت ہے کہ ایک نوجوان بزرگانِ دین کا منکر تھا۔ ایک دن حضرت ذوالنون مصریؒ نے اُسے اپنی انگوٹھی دے کر کہا کہ: ''فلاں نانبائی کے پاس لے جا اور ایک دینار کے عوض گروی رکھ دے۔'' وہ نوجوان نانبائی کے پاس گیا تو نانبائی نہ مانا۔ نوجوان نے واپس آ کر شیخ سے کہا کہ وہ ایک دینار کے بدلے میں یہ انگوٹھی گروی رکھنے پر آمادہ نہیں ہے۔ شیخ نے فرمایا: ''اسے کسی جوہری کے پاس لے جا کر قیمت لگواؤ۔'' نوجوان، جوہری کے پاس گیا تو اُس نے ایک ہزار دینار قیمت لگائی۔ نوجوان واپس آیا تو شیخ نے اُس سے کہا: ''صوفیوں کے بارے میں تیرا علم بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ اُس نانبائی کا اس انگوٹھی کے بارے میں تھا۔'' آخر وہ نوجوان تائب ہو کر بزرگانِ دین کا عقیدت مند بن گیا۔

اولیائے کرام کے بہت سے فضائل ہیں۔ کتاب نوادِرُ الاصول میں صحیح حدیث منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری اُمت کے اہلِ صدق، انبیاء کے خلیفہ ہیں۔ وہ اسی چیز کی دعوت دیتے ہیں جس کی دعوت اللہ کے نبی دیتے ہیں۔ اور اس پر اجماعِ امت ہے کہ صدیقیت، نبوت کا نزدیک ترین درجہ ہے۔

شاہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ صدیق کی تین نشانیاں ہیں: ''ایک یہ کہ اُس کے دل میں دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو، یہاں تک کہ مال و زر کی حیثیت اُس کے نزدیک مٹی جیسی ہو۔ دوسری یہ کہ وہ لوگوں کی رائے سے بے نیاز ہو جائے، یہاں تک کہ تعریف اور مذمت اس کے نزدیک یکساں ہو جائیں۔ اپنی تعریف کی بدولت کسی سے اُس کا تعلق زیادہ نہ ہو اور نہ اپنی مذمت کی بنا پر کسی سے اُس کے تعلق میں کمی آئے۔ تیسری یہ کہ نفسانی خواہشوں کی

لذت اُس کے دل سے زائل ہو جائے اور وہ ایسا ہو جائے کہ اُسے بھوک اور ترکِ خواہش سے خوشی ہو۔ کیونکہ پیٹ بھر کر کھانے اور نفسانی خواہش پُوری کرنے سے دُنیا دار لوگ ہی خوش ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب تم ایسے ہو جاؤ تو طریقت اختیار کرو وگرنہ تمھیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے اور تم اہلِ عرفان کے علم سے فائدہ اُٹھانے کے قابل نہیں ہو''۔

حضرت ابُو جلاؒ سے فقر کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ آپؒ خاموش ہو گئے اور پھر باہر جا کر لوٹ آئے۔ پوچھا گیا کہ کیا معاملہ تھا؟ آپ نے فرمایا: ''میرے پاس چار درہم تھے، مجھے اُن کے ہوتے ہوئے فقیری پر بات کرنے سے شرمندگی ہوئی۔''

مولانا عبدالرحمان جامیؒ سے پوچھا گیا کہ: ''کیا سبب ہے کہ آپ تصوف کے بارے میں بہت کم بولتے ہیں؟'' آپؒ نے فرمایا: ''یہی سمجھ لیجیے کہ ہم نے کبھی پَل بھر بھی خود کو کھیل کُود میں نہیں لگایا۔ تصوف جُستجو کا راستہ ہے، گفتگو کا نہیں۔''

حضرت جُنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے کہ: ''ہم نے علمِ تصوف بحث مباحثے اور لڑائی جھگڑے سے حاصل نہیں کیا بلکہ بھوک، بے خوابی، مجاہدے اور ترکِ دُنیا سے حاصل کیا ہے۔ ہم نے اپنی تمام پسندیدہ چیزیں چھوڑ دیں اور واصل ہو گئے۔''

ایک بار حضرت جُنیدؒ تصوف و معرفت کے اَسرار و رموز بیان فرما رہے تھے کہ حاضرین میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: ''مَیں بات کی گہرائی تک نہیں پہنچ پایا''۔ حضرت جُنیدؒ نے فرمایا: ''ستر سالہ ریاضت کو پیروں کے نیچے رکھ دے۔'' اُس نے کہا: ''رکھ چکا ہوں لیکن پھر بھی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا''۔ آپؒ نے فرمایا: ''غرور و تکبر کو پیروں کے نیچے رکھ دے اور پھر نہ سمجھ پائے تو میرا قصور ہو گا۔''

شیخ ابُو بکر وراقؒ کا قول ہے: ''جب تک مخلوق سے الگ تھلگ نہیں ہو گے، اللہ

سے مانوس ہونے کی امید نہ رکھو۔ جب تک دل کو دُنیوی تعلقات میں سرگرداں رکھو گے، فکر اور عبرت حاصل نہیں کر سکو گے اور جب تک سینے کو حکومت اور سرداری کی طلب سے پاک نہیں کرو گے، کشف اور معرفت کی خواہش نہ رکھو۔"

کتاب رشحات میں ہے کہ شیخ ابُو سعیدؒ سے پوچھا گیا کہ: "معرفت کی باتیں کرنے کا اہل کون ہو سکتا ہے"؟ آپؒ نے جواب دیا کہ: "وہ شخص کہ جس کے ظاہر کو سب اہلِ زمین کے سامنے رکھا جائے تو اُس کے ظاہر میں کوئی عیب نہ ہو اور اس کے باطن کو تمام اہلِ آسمان کے سامنے رکھا جائے تو اس میں کوئی خرابی نہ ہو۔"

شیخ فرید الدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے بعد، مشائخ کی باتیں سب سے برتر ہیں کیونکہ ان کی باتیں ریاضت اور حال کا نتیجہ ہیں، رٹے اور محض باتوں کا ثمر نہیں ہیں۔ ان کی باتیں ظاہر ہو رہی ہوتی ہیں، ان کے لیے بیان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اقوالِ مشائخ کا تعلق اسرار سے ہوتا ہے نہ کہ تکرار سے۔ یہ جوشش سے تعلق رکھتی ہیں نہ کہ کوشش سے۔ ان کا سرچشمہ خداداد سے ہوتا ہے، خود حاصل کردہ علم نہیں۔ یہ باتیں تربیتِ الٰہی کی مرہونِ منت ہوتی ہیں نہ کہ ماں باپ کی تربیت سے حاصل ہوتی ہیں اور صوفیائے کرام، انبیائے عظام کے وارث ہوتے ہیں۔

شیخ ابُو علی دقاقؒ سے کہا گیا کہ: "ہم لوگ پیروں کے ملفوظات اور بزرگانِ دین کے احوال پڑھتے ہیں لیکن اُن پر عمل نہیں کر سکتے۔ اِس کا کوئی فائدہ ہے یا نہیں"؟ آپؒ نے فرمایا: "اس کے بہت سے فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کی باتیں پڑھ کر طالب کی ہمت بڑھتی ہے اور اس کی طلب میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر طالب میں کچھ غرور و تکبر ہو تو اس کا ازالہ ہو جاتا ہے اور خود پرستی کا بُت ٹوٹ جاتا ہے۔ تیسرا یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ اُسے راہِ

تصوف پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور وہ صاحبِ مقامات بنے اور موازنہ کرے۔ موافق پائے تو شکر ادا کرے وگرنہ توبہ استغفار کر کے حقیقتِ حقّہ کا طالب بن جائے"۔ ایسے اور بھی کئی فوائد ہیں جو مخفی نہیں ہیں۔

مکتوباتِ مَنیریؒ میں ہے کہ کسی شخص نے ایک بزرگ سے دریافت کیا کہ: "جب ایسا زمانہ آئے کہ کوئی صوفی نہ مل سکے تو کیا کیا جائے"؟ اُنھوں نے کہا: " اُن کی لکھی ہوئی باتوں کا کچھ حصہ ہر روز پڑھ لیا کرنا"۔ ظاہر ہے جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو چراغ ہی سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ کہاوت ہے کہ "اَلْقَلَمُ اَحَدُ اللِّسَانَیْن "(دو زبانوں میں سے ایک زبان، قلم ہے) بزرگوں کے قلم سے لکھا ہوا جو کچھ بھی ہوگا، اُن کی زبان سے سُنی ہوئی باتوں کی طرح ہی ہوگا اور جو کچھ اُن کی زبان سے سُنا جائے گا، وہ اُن کے دل کی آواز ہوگی۔ لہذا قلم کی بات، زبان کی بات ہوگی اور زبان کی بات، دل کی بات ہوگی جو انھیں اللہ کی طرف سے سنائی دیتی ہے۔ اس لیے اُن کے دل کی بات، اللہ کا فرمان قرار پائے گی۔ چنانچہ جو شخص قلم کے تابع ہوگا۔ وہ زبان کا مطیع ہوگا اور جو زبان کا حکم مانے گا وہ دل کی اطاعت کرے گا اور جو دل کے تابع ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان بردار ہوگا"۔ "وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰه "(جس نے رسولِ کریم ﷺ کی اطاعت کی، اُس نے اللہ کی اطاعت کی) (۴/۸۰)۔

چنانچہ اے طالبو! اُس کی طرف رغبت اختیار کرو کیونکہ عقلمند وہی ہوتا ہے جو کسی چیز کو مکمل طور پر حاصل نہ کر سکے تو اُسے مکمل طور پر چھوڑ نہیں دیتا۔ اس طرح کی روایات سلسلۂ آدمیہ میں بہت سی ہیں۔ اس دور کے کچھ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں، ماضی کے اولیائے کرام جیسا کوئی مرشدِ طریقت موجود نہیں ہے۔ اسی خیال کی وجہ سے

یہ لوگ اس مبارک گروہ کی صحبت کے فیض سے محروم رہتے ہیں اور غفلت میں زندگی گزار دیتے ہیں۔ ایسا گمان محض جہالت ہے کیونکہ اولیائے کرامؒ کو جو کچھ بھی ملتا ہے، سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے طفیل ہی ملتا ہے اور پیروی اور ولایت کا راستہ کھلا ہے۔ اللہ کے وہ اسماء اور صفات بھی ہمیشہ کے لیے باقی ہیں، جن سے گزشتہ اولیاء نے تربیت پائی ہے اور ان اسماء اور صفات کی تاثیر بھی اُسی طرح موجود ہے۔ عقلمند شخص جان لے گا کہ اللہ کے اسماء اور صفات کی تربیت کرنے والی خصوصیات کے ہوتے ہوئے اُس کا سفر نہیں رُک نہیں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر ہزار سال اور ہر صدی کے بعد کسی شخص کو مجدّد بنا کر اُسے اپنی خاص تربیت سے سرفراز فرماتا ہے اُسے ولایت کی پوشاک پہنا کر مظہرِ ہدایت بنا دیتا ہے۔ گزشتہ زمانے کے اولیائے کرامؒ سے جو کرامات ظاہر ہوتی تھیں، اس شخص کی قابلیت کے مطابق اس سے بھی ویسی کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ ہر ایک کی کچھ منفرد خصوصیات بھی ظاہر ہوتی ہیں۔

طالبوں کو چاہیے کہ اپنے دور میں ایسے نیک لوگوں کو ڈھونڈیں اور ان کی قدردانی کریں۔ کیونکہ اولیاء اللہ شبِ قدر کی طرح چُھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: ''مَنْ لَّمْ یعرفْ امام زمانہٖ فَقَد مَاتَ میتاً جَاھِلِیَّۃً'' (جس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا، وہ جاہلیت کی موت مرا) اِس حدیث میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ جب ایسا شخص مل جائے تو اُس کا دامن پکڑ لینا چاہیے اور اُس سے ارادت رکھنی چاہیے تاکہ شریعت، طریقت اور حقیقت کے فوائد حاصل ہو سکیں اور قیامت کے دن حسرت اور ندامت کی آگ میں نہ جلنا پڑے اور اگر زندگی غفلت ہی میں گزر گئی تو پھر پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ جنھوں نے اس بے اعتبار دُنیا میں محو ہو کر زندگی بسر کی اور خوشیاں مناتے رہے، جلد ہی اُن کی بساط لپیٹ دی جائے گی اور قیامت کے زلزلے پھیلا دیے

جائیں گے۔اُس وقت اولیاء اللہ ڈھونڈے سے نہ ملیں گے۔اُس گھڑی جتنا افسوس بھی کیا جائے گا،کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

(شعر) جس شخص کی رُوح کی آنکھیں دُنیا میں بابصیرت نہ ہوئیں، وہ اگلے جہان میں گناہگاروں کے ساتھ اندھا اور حیران و پریشان ہوگا۔

وہ جاہل بے نصیب ہیں جو انتہائی غفلت کی وجہ سے اپنے دَور کے مشائخ کے منکر ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت عطا فرمائے! جس شخص میں عقلِ سلیم اور نورِ ایمان ہو اُسے سرورِ کائنات ﷺ کے اَحوال اور منکروں کی غفلت وزیادتی کو یاد کرنا چاہیے۔نبی کریم ﷺ کسی لمحے میں بھی کافروں کی ایذارسانی سے محفوظ نہیں رہتے تھے اور کسی وقت بھی ان کے مکروفریب سے آسودہ نہیں ہوتے تھے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

گر بہ صورت آدمی یکسان بُدی

احمدؐ و بوجہل خود یکسان بُدی

(ترجمہ) اگر لوگ ظاہری مشابہت کی طرح باطنی طور پر بھی ایک جیسے ہی ہوتے تو (نعوذ باللہ) نبی کریم ﷺ اور ابوجہل ایک جیسے ہوتے۔ (مولانا جلال الدّین رومیؒ)

قدیم اولیائے کرامؒ کے زمانوں میں بھی بہت سے لوگ ان کے منکر ہوا کرتے تھے اور ان کی رحلت کے بعد پشیمانی کا اظہار کیا کرتے تھے۔

جان لیجیے کہ مَیں نے اِس کتاب میں کچھ واقعات، مقامات، کمالات اور حالات لکھنے میں وقت صَرف کیا ہے۔گویا کسی حد تک بُنیادی کام ہوگیا ہے۔لیکن اتّفاق سے یہ کام اس طرح نہیں ہوسکا جیسا کہ مَیں چاہتا تھا۔

اِس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اکثر واقعات اور ملفوظات دُور دراز کے رہنے والے ساتھیوں کے سینوں اور ذہنوں میں محفوظ ہیں، ان میں سے بہت کم باتیں تحریر کی جا سکی ہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ حضرت شیخؒ کے بعض اکابر ساتھیوں سے اِس سرزمین میں سرسری سی ملاقاتیں ہوئیں۔ وہ حضرات اِس بات پر بالکل تیار نہیں تھے۔ خاص طور پر اپنے اور اپنے ساتھیوں کے اَسرار و رموز بیان کرنے سے بہت زیادہ کتراتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہم یہ باتیں کیسے ظاہر کر دیں کیوں کہ حضرت شیخ بنوریؒ نے خلوت اور جلوت میں کئی بار اِس سے منع فرمایا ہے۔ ان میں سے بہت ہی کم لوگوں نے مشائخؒ کے ملفوظات یا مقامات پر مشتمل کتابوں کے بارے میں سُن رکھا تھا اور یہ سمجھتے تھے کہ اس سے لوگوں کا فائدہ ہو سکتا ہے، عقیدت مندوں کی محبت میں اضافہ اور سالکوں کو ترغیب اور حوصلہ افزائی ہو سکتی ہے۔ لوگ بہت زیادہ منّت سماجت کرتے تو یہ حضرات کچھ بیان کر دیا کرتے تھے۔ لیکن وہ بھی مفصّل اور مکمل طور پر نہیں۔ زیادہ تر لوگوں نے اپنے معاملات پوشیدہ ہی رکھے کیوں کہ اُنھیں ان کے اظہار کی اجازت نہیں تھی۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ایسی کتاب لکھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اُسے بہت زیادہ صحبت نصیب ہوئی ہو، ملنے جلنے کے مواقع اکثر ملتے رہے ہوں اور وہ مختلف دنوں میں ایسی باتیں سنتا اور لکھتا رہے۔ مجھ ناچیز کو حضرت شیخؒ کی بہت تھوڑی صحبت نصیب ہوئی اور وہ بھی سفر کے دوران میں، جس میں اطمینانِ خاطر بھی نہیں تھا اور کئی مصیبتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا تھا۔

اگر مناقب کی ایسی کتاب کا مصنّف شیخ ابوالفتح مرحوم جیسا کوئی ساتھی ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا کیونکہ ان کے حافظے میں کئی حکایات، مطالب اور اسرار و رموز محفوظ تھے۔ بلکہ

اکیلے شیخ ابوالفتحؒ ہی یہ کام انجام دینے کے لیے کافی تھے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ حالات و مقامات کا اظہار اُس وقت کیا جاتا ہے، جب ایسی چیزوں کی قدر و قیمت کا احساس ہو۔ جہاں ''ہمہ اوست'' جیسی واردات اور مکاشفات کی کوئی حیثیت ہی نہ ہو، جسے دوسرے لوگ انتہائی کمال سمجھتے ہیں، وہاں دوسرے اَحوال کو کہاں اہمیّت دی جاتی ہوگی! اگر کبھی بعض سالکوں میں وجودی کیفیات ظاہر ہوتیں تو حضرت شیخؒ انھیں دُور فرما دیتے اور صرف ایمان بالغیب، تنزیہ اور معرفتِ شہودی تک ہی رکھتے تھے۔ چنانچہ شیخ یار محمد پانی پتیؒ فرماتے تھے کہ ایک دن سفرِ حج کے دوران مجھ پر ''ہمہ اوست'' کی واردات اور احوال کا اتنا غلبہ ہوگیا کہ مَیں بے بس ہوگیا۔ بے شعوری کی اُس حالت میں مَیں ''انا الحق'' کہہ دینا چاہتا تھا کہ اچانک حضرت شیخؒ کا ظہور ہوا۔ آپؒ نے فرمایا: ''اے یار محمد! مَیں نے تمھیں اِس کیفیّت سے نکال نہیں لیا تھا''؟ یہ تنبیہ سُن کر میری وہ کیفیت ختم ہوگئی۔

اِس کتاب میں حضرت سیّد آدم بنوریؒ کے جو احوال اور مکاشفات لکھے گئے ہیں، اُن کا تعلّق آپؒ کی مشیخت کے ابتدائی دور سے ہے۔ اُس زمانے میں آپؒ کے تصرّف اور جذب کے طفیل کئی سالکوں کو عجیب و غریب حالات اور مقامات نصیب ہوئے تھے۔ کشفِ ارواح، کشفِ قلوب، کشفِ قبور، طرح طرح کی کرامات اور حاجت روائی وغیرہ جیسے معاملات بہت عام ہوگئے تھے۔ بعض ساتھیوں پر ''ہمہ اوست'' کی حالت اِتنی غالب ہوجاتی کہ وہ ''انا الحق'' کہہ بیٹھتے تھے۔ بعض ساتھی عالمِ سرمستی میں کئی کئی دن جنگلوں میں رہتے۔ کچھ شام سے صبح تک مُراقبے میں ڈوبے رہتے۔ کچھ دوستوں پر ''وحدت الوجود'' کی کیفیّت کا غلبہ ہو جاتا اور وہ مہینوں صحراؤں میں پھرتے رہتے اور نمازیں چھوڑ دیا کرتے

تھے۔ جب اُن سے نماز پڑھنے کا کہا جاتا تو کہتے کہ: ''مَیں کون ہوں؟ نماز کس کے لیے پڑھوں؟ غیر تو موجود ہی نہیں ہے''۔ ایسے سالک جونہی حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اُن کی وہ حالت زائل ہو جاتی اور وہ تائب ہو جاتے۔ سالک جب تک دُور رہتے، اُن میں ذوق وسرور اور کیفیات کا غلبہ رہتا، جونہی قُربت کے سورج کی کرنوں میں آجاتے تو سب کچھ چُھپ جاتا تھا۔

جیسا کہ شیخ ابونصر انبالویؒ فرماتے تھے کہ ایک دن مَیں نے حضرت شیخؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپؒ کا فلاں خلیفہ کشفِ ارواح اور کشفِ قلوب وقبور کا حامل ہے۔ آسیب زدہ لوگ اُس کی توجّہ سے ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ جو بیمار بھی اُس کے پاس آتا ہے، شفایاب ہو جاتا ہے۔ راہِ سلوک میں اُسے جو مشکل بھی پیش آتی ہے، وہ اولیائے کرامؒ کی روحوں سے دریافت کر کے اُسے دور کر دیتا ہے۔ وہ جس ولی کی طرف بھی توجّہ کرے، اُس ولی کی رُوح حاضر ہو جاتی ہے۔ لیکن جب وہ شخص آپؒ کی خدمت میں آتا ہے تو یہ تمام چیزیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس لیے وہ جلد ہی آپؒ کی صحبت سے دُور چلا جانا چاہتا ہے۔ حضرت شیخؒ میری یہ باتیں سُن کر کچھ دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا: ''یہ سب فضولیات ہیں۔ ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ بے شک اللہ کا ذکر ہی سب سے بڑا ہے۔ اللہ کے نزدیک صرف اعمالِ شرعی، حضورِ عرفانی اور علمِ حقیقی کی قدر ومنزلت ہے۔ اس کے سوا باقی ساری چیزیں کھلونے اور مٹھائیاں ہیں، جن سے طریقت کے بچّوں کی تربیّت کی جاتی ہے۔ یہ کیفیّات اگر حقیقی اور اہم ہوتیں تو میری صحبت میں ترقّی کرتیں، آتے ہی سَلب نہ ہو جاتیں''!

شیخ ابونصرؒ کہتے تھے کہ آپؒ کا جواب سُن کر مَیں شرمندہ ہو گیا اور اپنے آپ سے

کہنے لگا کہ سبحان اللہ، کیا کمال ہے! جس کے سامنے ایسے احوال کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ آپؒ ایسی باتیں سُن کرنا پسند فرما رہے ہیں۔

ایسی کیفیات حضرت شیخؒ کی سجادہ نشینی کے شروع کے زمانے میں زیادہ ظاہر ہوتی تھیں۔ آخری زمانے میں آپؒ نے کامل رضا اختیار کرتے ہوئے تصرّف ترک کر دیا تھا اور درویشوں کی طرح گوشہ نشین ہوکر احکامِ شریعت پر عمل ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔ شریعت و معرفت کے اصلی اسرار سمجھانے میں بہت کوشش فرماتے اور کیفیات و تجلّیات کا نام تک نہ لیتے۔ اگر کبھی کسی ساتھی میں کوئی کیفیت ظاہر ہو جاتی تو اُسے جلدی سَلب کر لیتے ہر صاحبِ حال طالب آپؒ کی صحبت میں آتے ہی اَحوال سے محروم ہو جاتا۔ حضرت شیخؒ اس خلا کو علم و عرفان کے خزانوں سے بھرتے رہتے۔ جو شخص سَلبِ احوال پر صابر و شاکر رہتا اور طلَبِ عرفان میں ثابت قدمی دِکھاتا، وہ مقصد پا لیتا تھا۔

اِن تمام تمہیدی باتوں کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ واضح کر دیا جائے کہ مجھے روحانی طور پر اِس کتاب کی تصنیف کا حکم دیا گیا ہے اور جسے حکم دیا گیا ہو، وہ مجبور ہوتا ہے اِس تصنیف سے کوئی غرض یا لالچ وابستہ نہیں ہے۔ مَیں نے محض رضائے الٰہی کے لیے یہ خدمت انجام دی ہے۔ ساتھیوں سے درخواست ہے کہ اس کتاب کی تصحیح اور تشہیر کریں۔

یہ کتاب مکمّل ہوگئی تو دور دراز کے رہنے والے بہت سے ساتھیوں نے حضراتؒ کے بہت سے مناقب لکھے اور تاکید کی اِنھیں بھی ''مناقبِ آدمیہ'' میں شامل کیا جائے۔ ان کے حکم کی تعمیل میں، مَیں نے کچھ چیزیں شامل کر لیں اور زیادہ تر چھوڑ دیں۔ آخر کار ایک ایک بات کی تعبیر ظہور پذیر ہوئی۔

مطلبِ اوّل

حضرت مجدّد الف ثانی ؒ، آپؒ کی اولادؒ اور اُن خلفاء کے مختصر احوال کے بیان میں، جنھوں نے حضرت سیّد آدم بنّوریؒ کی تربیت کی۔

اگر چہ ان کے فضائل و مناقب اور علوم، مکتوبات، سنوات اور مناقب الاولیاء جیسی کتابوں میں موجود ہیں۔ بہت سی چیزیں کتاب ''زبدۃ المقامات'' اور کتاب ''مناقب الحضرات'' میں خواجہ ہاشم کشمی مرحوم اور مُلّا بدر الدّین سرہندی مرحوم نے تحریر کی ہیں۔ مَیں نے اُن چالیس، پچاّس اجزاء میں سے دس اجزاء پر مشتمل عربی اور فارسی انتخاب کیا تھا اور اب دو اجزاء میں اس کا خلاصہ کر کے اِس کتاب میں شامل کر رہا ہوں تا کہ یہ کتاب بھی ان کے ذکرِ خیر سے خالی نہ رہے اور مُریداور خلیفے کی عظمت، مرشد کی عظمت سے ظاہر ہو۔

یہ باب چار فصلوں پر مشتمل ہے:

پہلی فصل : حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ کے مختصر حالات

دوسری فصل: حضرت شیخ محمد سعید عمریؒ کے مختصر حالات

تیسری فصل: حضرت شیخ محمد معصوم نقشبندیؒ کے مختصر حالات

چوتھی فصل : حضرت شیخ آدم بنّوریؒ کے بعض مشائخ کے مختصر حالات

پہلی فصل:

حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ کے مختصر حالات:

جان لیجیے کہ حضرت شیخ احمد فاروقیؒ مجددِ الفِ ثانی تھے۔ آپؒ علمائے راسخین میں سے تھے۔ غوث العالمین اور قطب الاقطاب تھے۔ بہت سے مشائخ اور مرشدوں کے مَرجع، صاحبِ کرامات، جامعِ ولایات، وارثِ کمالاتِ نبوی، بدعت اور گمراہی کا خاتمہ کرنے والے، سنّت وعزیمت کو فروغ دینے والے اور سلسلۂ نقشبندیہ کے محور ومدار تھے۔ اہلِ شریعت وطریقت ان کے نُور سے مُنوّر ہیں اور دنیا آپؒ اور آپؒ کی اولاد اور خلفاء کی برکات سے معمور ہے۔ آپؒ کی شفاعت کے طفیل ہزاروں لوگ جنّت میں جائیں گے۔ قیامت کے دن آپؒ کے سلسلے کے لوگ یقیناً بخشے جائیں گے۔ آپؒ سے محبّت معرفت اور ثواب کا باعث ہے اور آپؒ کا انکار بدنصیبی اور قہرِ الٰہی کی دلیل ہے۔

آپؒ انبیاءؑ اور اولیاءؒ کے مصاحب اور سلب وعطا پر قادر ہیں۔ جس نے آپؒ کی زیارت کر لی وہ دوزخ سے نجات پا گیا۔ بہت سے علماء اور مشائخ نے آپؒ سے برکت حاصل کی۔ آپؒ سے علمی اور عرفانی اکتساب کیا۔ آپؒ کو قطبیت، اور مقامِ شہادت وغوثیت عطا ہوا۔ آپؒ پر شریعت، طریقت اور حقیقت کے اَسرار منکشف ہوئے۔ آپؒ کا سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا۔ آپؒ کشفِ قلوب وقبور سے آگاہ تھے۔ آپؒ کے پاس فرشتوں اور روحوں کی حاضری ہوتی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے آپؒ کے لیے خلافت وارشاد کا اجازت نامہ لکھا اور لاکھوں گناہگاروں کی شفاعت کی بشارت دی۔ آپؒ نے امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے علوم ومعارف سے فیض پایا اور انھوں نے آپؒ کو متّقی اور مجتہد کے القاب دیے۔

آپؒ کو بشارت دی گئی کہ آپؒ کا سلسلہ پسندیدہ ہے اور اسے رضائے الٰہی حاصل ہے۔
آپؒ کو کشف کے ذریعے بتایا گیا کہ آپؒ کا مقبرہ جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔
اللہ کی طرف سے آپؒ کو لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی تقدیر میں تصرف کا اختیار عطا ہوا۔

آپؒ کے مناقب اتنے زیادہ ہیں کہ کماحقہٗ، بیان نہیں ہو سکتے۔ ابھی تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اُسے آپؒ کے احوال و مناقب کی فہرست سمجھنا چاہیے وگرنہ آپؒ کے حالات و مناقب تو سو سے زیادہ دفاتر میں لکھے گئے ہیں اور ان کی حیثیت بھی سمندر کے سامنے قطرے کی طرح ہے۔

بشارت:

شیخ بدرالدینؒ نے کتاب ''حضرات القدس'' میں لکھا ہے کہ علاّمہ جلال الدّین سیوّطیؒ نے ''جمیع الجوامع'' میں ایک حدیث بیان کی ہے کہ حضرت پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''یَکُونُ فِیْ اُمَّتِیْ رَجُل'' یُقَالُ لَه' صِلَة'' یدخل الجنة بِشفاعَتِهٖ کذا و کذا مِنَ النّاس '' (میری امت میں ایک آدمی ہوگا جو ''صلہ'' کہلائے گا۔ اس کی شفاعت پر ہزاروں لوگ جنّت میں داخل کیے جائیں گے) شاید یہ بشارت حضرت مجدّد الف ثانیؒ کی ذاتِ بابرکات کے بارے میں ہو۔ کیوں کہ آپؒ علماء اور صوفیاء کے درمیان ''صلہ'' تھے اور آپؒ نے وحدتُ الوجود کے مسئلے پر دونوں فریقوں میں پایا جانے والا اختلاف دور کیا۔
آپؒ نے خود لکھا ہے کہ '' اَلْحَمْدُ لله الّذِی جَعَلَنِیْ صلة بَیْنَ الْبَحْرَیْن وَمُصْلِحاً بَیْنَ الْفِئَتَیْن ''۔ (تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے دو سمندروں میں رابطہ اور دو فریقوں میں صُلح کرانے والا بنایا)۔

بشارت:

آپؒ رسالۂ مبداء ومعاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن مَیں صُبح کے حلقے میں بیٹھا ہوا تھا کہ الہام ہوا: ''مَیں نے تجھے بخش دیا اور قیامت تک براہِ راست یا بالواسطہ طور پر تم سے وابستہ ہونے والوں کو بھی بخش دیا''۔ یہ الہام کئی بار ہوا اور اسے ظاہر کر دینے کا حکم بھی ہوا۔

بشارت:

ایک دن آپؒ نے فرمایا: ''مجھے قیامت تک اپنے سلسلے میں بالواسطہ یا بلاواسطہ داخل ہونے والے تمام مرد و زن دِکھائے گئے ہیں اور ان کا حَسَب نَسَب اور وطن بھی بتایا گیا ہے۔ مَیں چاہوں تو یہ سب کچھ بیان کر سکتا ہوں''۔

درجہ:

آپؒ کو بشارت دی گئی کہ جس طرح تم نے ہمارا بول بالا کیا ہے اِسی طرح ہم دنیا و آخرت میں تمھارا نام روشن کر دیں گے۔

درجہ:

خواجہ حسام الدّین احمدؒ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت رسولِ کریم ﷺ منبر پر تشریف لائے ہیں اور حضرت مجدّد الف ثانیؒ کی تعریف اور آپؒ کی ذات پر فخر کا اظہار کر رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے فخر ہے کہ میری اُمّت میں ایسی ہستی کا ظہور ہوا ہے، جس نے دین کو ازسرِ نو زندہ کیا ہے۔

بشارت:

ایک بار آپؒ زیارت کے لیے اپنے والدِ بزرگوارؒ کی قبر پر گئے۔ خیال آیا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی عالمِ دین کسی قبر پر جاتا ہے تو قبر والے کو چالیس دن عذاب نہیں دیا جاتا۔ یہ خیال آتے ہی الہام ہوا کہ تمھارے آنے کی وجہ سے یہ اہلِ قبور قیامت تک عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

بشارت:

آپؒ فرماتے ہیں کہ ایک رات کو مَیں سنّتِ نبوی ﷺ کا لحاظ کرتے ہوئے بائیں کے بجائے دائیں کروٹ سویا۔ اللہ کی بہت سی عنایتیں اور اسرار ظاہر ہوئے۔ آواز آئی کہ اِس سُنّت کا خیال رکھنے کی وجہ سے قیامت کے دن تم سے کوئی بازپُرس نہیں ہوگی اور تمھارے خادم کو بھی بخش دیا گیا ہے۔

بشارت:

ارشاد ہے کہ مَیں نے رمضان المبارک کے آخری دنوں کے ایک مراقبے میں دیکھا کہ حضرت رسولِ خدا ﷺ تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مَیں تمھارے لیے اجازت نامہ لکھنے آیا ہوں، جو مَیں نے آج تک کسی کے لیے بھی نہیں لکھا۔ یہ واقعہ مکتوبات کے تیسرے دفتر میں تفصیل سے مذکور ہے۔

بشارت:

آپؒ فرماتے تھے کہ مجھے بشارت دی گئی ہے کہ مَیں جس شخص کا جنازہ بھی پڑھوں، اُس کو بخش دیا جائے گا۔ نیز فرمایا کہ مجھے حضرت رسولِ کریم ﷺ نے بشارت دی

ہے کہ قیامت کے دن ہزاروں لوگوں کو میری شفاعت کے طفیل بخش دیا جائے گا۔

آپؒ کا ارشاد ہے کہ ایک بار میں نے ارادہ کیا کہ مجلس میں بیٹھنا چھوڑ دوں اور تنہائی میں بیٹھ جاؤں۔ اس سلسلے میں استخارہ کیا تو الہام ہوا کہ تمھارا سلسلہ پسندیدہ ہے اور اسے رضائے الٰہی حاصل ہے اور تنہائی اور گوشہ نشینی کے مقابلے میں یہی طریقہ بہتر ہے، جس پر تمھارا عمل ہے۔

نیز فرمایا کہ مجھے کشف ہوا کہ حضرت امام مہدیؑ میری تمام تصانیف ملاحظہ کریں گے اور ان علوم و معارف کو پسند کریں گے۔ بلکہ آپ اِسی سلسلے اور اِسی نسبت سے وابستہ ہوں گے۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات اور رسائل میں یہ معاملہ وضاحت سے بیان کیا ہے۔

بشارت:

جب مکتوبات کے پہلے دفتر میں خطوں کی تعداد تین سو تیرہ ہوگئی تو آپؒ نے فرمایا کہ جو علوم و معارف تحریر کیے جا چکے ہیں، ابھی اُن کے بارے میں بھی تردُّد ہے۔ نجانے بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوں گے یا نہیں؟ آپؒ فرماتے ہیں کہ اس اثناء میں مَیں نے عاجزی وانکسار سے بارگاہِ الٰہی میں توجہ کی۔ آواز آئی کہ ''نہ صرف لکھے جانے والے یہ تمام عُلوم ومعارف بلکہ تمھاری کہی ہوئی ہر بات مقبول بھی ہے اور اسے اللہ کی رضا اور تائید بھی حاصل ہے، بلکہ وہ ہماری ہی بات ہے''۔ آپؒ کا ارشاد ہے کہ اس کے بعد مَیں نے تمام مکتوبات کا تفصیلی جائزہ لیا۔ کئی باتوں میں تردّد تھا لیکن سب کے بارے میں حکم مل چکا

تھا۔اس لیے اطمینان ہو گیا اور دوسرے دفتر کی ترتیب و تدوین کا حکم بھی ہو گیا۔

بشارت:

ایک دن آپؒ نے مراقبے کے بعد فرمایا کہ آج کعبہ شریف کی زیارت کا شوق بہت زیادہ ہو گیا تھا۔اچانک مَیں نے دیکھا کہ کعبے نے آکر میرا طواف کرنا شروع کر دیا۔ عجیب بات ہے کہ ساتھیوں کو اس مشاہدے کا کشف نہ ہوا اور نہ انھیں بھی میرا طواف کرنا چاہیے تھا۔

بشارت:

حضرت میر نعمانؒ سے روایت ہے کہ مَیں نے ایک بار حضرت سرورِ دو عالم ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ حضرت صدّیق اکبرؓ بھی موجود تھے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اے ابو بکرؓ! میرے بیٹے محمد نعمان کو بتا دو کہ جو شخص شیخ احمد سرہندیؒ کی بارگاہ میں مقبول ہے، وہ میرے اور اللہ کے ہاں بھی مقبول ہے اور جو شیخ احمدؒ کا راندۂ درگاہ ہے، اُس کی جگہ نہ میرے ہاں ہے اور نہ اللہ کے ہاں"۔ مَیں یہ بشارت سُن کر بے حد خوش ہوا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ حضرت شیخؒ کا مقبولِ بارگاہ ہوں، اس لیے اللہ اور رسول ﷺ کے ہاں بھی مقبول ہوں۔ یہ خیال آتے ہی حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت صدّیق اکبرؓ سے فرمایا کہ میرے بیٹے محمد نعمان کو بتا دو کہ جو شخص اس کے ہاں مقبول ہے، وہ شیخ احمدؒ کے ہاں بھی مقبول ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہاں بھی مقبول ہے، اور تمھارا مردود ہم سب کا مردود ہے۔

بشارت:

حضرت میر نعمانؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار مَیں صبح کے حلقے میں حضرت مجدّد

الف ثانیؒ کے روبہ رو بیٹھا ہوا مراقبہ کر رہا تھا۔ مَیں نے مراقبے سے سر اُٹھایا تو دیکھا کہ آپؒ کی جگہ حضرت رسولِ خدا ﷺ تشریف فرما ہیں۔ تعجب اور ہیبت سے مَیں نے پھر مراقبے کے لیے سر جُھکا لیا۔ دوبارہ سر اٹھایا تو دیکھا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی جگہ پر حضرت مجدّد الف ثانیؒ بیٹھے ہیں اور حضرت مجدّدؒ کی جگہ پر حضرت رسولِ کریم ﷺ موجود ہیں۔ مَیں نے پھر مراقبہ کیا اور کافی دیر بعد سر اٹھایا تو دونوں جگہوں پر حضرت رسولِ کریم ﷺ کو موجود پایا۔ تھوڑی دیر بعد دونوں جگہوں پر خود حضرت مجدّدؒ تشریف فرما تھے۔ اس کے بعد مَیں نے دیکھا کہ آپؒ اکیلے ہی بیٹھے ہیں۔ جیسے شروع میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ زیارت بیداری کی حالت میں ہوئی۔ خواب کا مشاہدہ نہیں تھا۔

میر نعمانؒ ہی فرماتے ہیں کہ جن دنوں ہم حضرت خواجہ عبدالباقیؒ کی خدمت میں تھے، آپؒ اپنے تمام ساتھیوں سے کہتے تھے کہ شیخ احمدؒ کے بتائے ہوئے شغل کے مطابق عمل کریں۔ جب خواجہ عبدالباقیؒ نے مجھ میں توقف دیکھا تو فرمایا: ''شیخ احمد سرہندیؒ ایسے سورج ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے اُن میں گم ہیں۔ پُرانے کامل اولیاءؒ میں بھی ایسے لوگ کم ہی ہوئے ہوں گے''!

حضرت میر نعمانؒ فرماتے تھے کہ اِس کے بعد حضرت مجدّدؒ کئی برس زندہ رہے اور آپؒ نے ہزاروں روحانی مرتبے مزید حاصل کیے ہوں گے۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ شروع میں حضرت خواجہ عبدالباقیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت خواجہؒ کہا کرتے تھے کہ ''ہم نے سرہند میں ایک سر بہ فلک مشعل دیکھی۔ مشرق سے مغرب تک ساری دنیا اُسی ایک مشعل کے نُور سے روشن ہو گئی تھی اور محسوس ہوتا تھا کہ مشعل کی روشنی لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی ہے اور لوگوں نے اس مشعل سے بہت

سے چراغ جلا لیے ہیں۔ میرے خیال میں اس بشارت سے مُراد شیخ احمدؒ سرہندیؒ ہیں''۔

بشارت:

حضرت خواجہ عبدالباقیؒ نے ایک بزرگ کو ایک خط میں لکھا تھا: ''سرہند کے ایک صاحب شیخ احمدؒ نامی ہیں۔ اُن کا علم وسیع اور عمل قوی ہے۔ وہ چند دن میری صحبت میں رہے۔ مَیں نے اُن میں بہت عجائب وغرائب دیکھے۔ لگتا ہے وہ ایسے سورج ہوں گے، جن سے دنیائیں روشن ہوں گی۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اُن کے کامل احوال کا یقین ہے۔ اس عالی مرتبہ شیخ کے بھائی اور رشتہ دار بھی نیک اور عالم و فاضل ہیں۔ وہ علماء اور مشائخ کے طبقے سے تعلّق رکھتے ہیں۔ مَیں اُن میں سے بعض حضرات سے ملا ہوں۔ جوہرِ قابل ہیں اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھتے ہیں۔ اُن کے بچّے ابھی چھوٹے ہیں۔ اللہ کے بھید ہیں اور سب کے سب پاکیزہ فطرت کے حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں احسن طریقے سے پروان چڑھائے''۔

مصنّف کہتا ہے کہ حضرت خواجہ عبدالباقیؒ کی یہ بشارت اور فراست سچ ثابت ہوئی اور حضرت مجدّدؒ کی ولایت نے مشعل اور سورج کی طرح دنیا بھر کو منوّر کر دیا اور آپؒ کی اولاد اور خلفاء کے سلسلۂ طریقت نے کائنات پر سکّہ جما دیا ہے۔

درجہ:

حضرت مجدّدؒ کے ایک اہم خلیفہ خواجہ محمد صدّیق کشمیؒ کا بیان ہے کہ جن دنوں حضرت خواجہ عبدالباقیؒ اپنے مریدوں کو حضرت مجدّدؒ کے حوالے کیا کرتے تھے، اُنھی دنوں آپؒ نے مجھے بھی حضرت مجدّدؒ کے سپرد کیا۔ جب آپؒ نے میری ہچکچاہٹ دیکھی تو ناراض ہو کر فرمایا: ''اگر آپ مجھے سچّا سمجھتے ہیں تو یقین جانیے کہ اِس وقت روئے زمین پر شیخ احمد

سرہندیؒ جیسا اور کوئی آدمی موجود نہیں ہے۔ پُرانے کامل اولیاء میں سے بھی تین چار حضرات ہی مجھے اس مرتبے کے دکھائی دیتے ہیں۔ مَیں خود کو بھی انھی کے طفیل جانتا ہوں۔ میرا کہنا مانیے، فائدے میں رہیں گے۔ جلدی یہ سعادت حاصل کر لیجیے کہ شیخ احمدؒ قطبِ زمانہ ہیں"۔

بشارت:

شیخ بدرالدّینؒ سرہندیؒ حضرت مجدّدؒ کے پُرانے خلفاء اور ساتھیوں میں سے ہیں۔ اُنھوں نے آپؒ کے مناقب بھی جمع کیے ہیں۔ وہ اپنی کتاب "درجاتِ اعیانِ احمدّیہ" میں لکھتے ہیں کہ مجھے ایک رات کو خواب میں حضرت خضرؑ کی زیارت ہوئی۔ مَیں نے اُن سے عرض کیا کہ مجھے بیعت فرمالیجیے۔ حضرت خضرؑ نے فرمایا: "تم ایسے شخص سے بیعت کر چکے ہو جس کی بیعت تمھارے لیے اور پوری دنیا کے لیے کافی ہے"۔ اس سے حضرت مجدّدؒ مراد تھے۔

بشارت:

شیخ بدرالدّینؒ لکھتے ہیں کہ مَیں نے حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا کہ آپؒ جنّت کے ایک گوشے میں بیٹھے ہیں اور مَیں بھی وہیں موجود ہوں۔ اچانک مَیں دوزخ کی طرف نکل گیا۔ دیکھا کہ دوزخ کا دروازہ بند ہے۔ مَیں نے دربان فرشتے سے کہا کہ "مَیں دوزخیوں کو دیکھنا چاہتا ہوں"۔ اُس نے جواب دیا کہ "جب سے حضرت مجدّدؒ آئے ہیں، اللہ کے حکم پر دوزخ کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے اور اس کی آگ بُجھا دی گئی ہے۔ اب کوئی دوزخ میں نہیں جاتا"۔ مَیں نے واپس آ کر یہ واقعہ حضرت مجدّدؒ

کی خدمت میں عرض کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ دوزخ کے متوکّل نے ٹھیک کہا ہے۔

بشارت:

وہی لکھتے ہیں کہ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مجدّدؒ قُطبیّت کی مَسند پر تشریف فرما ہیں اور کاغذ کے ٹکڑوں پر لکھ رہے ہیں کہ فلاں شخص قبول ہوگیا اور فلاں نامقبول قرار پایا۔ سب سے پہلے آپؒ نے میرا نام لکھا کہ ''بدرالدّین کو قبول کرلیا گیا ہے''۔ آپؒ نے وہ تمام کاغذ مجھے دیے اور مَیں نے جن جن کے تھے، اُنھیں پہنچا دیے۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ کائنات کے ہر شخص کے ردّ و قبول کا اختیار حضرت مجدّدؒ کو عطا کیا گیا ہے۔

درجہ:

رسالہ یاقوتیہ کے آخر میں حضرت خواجہ محمد معصومؒ کا ایک مکاشفہ لکھا گیا ہے کہ آپؒ نے ایک بار حضرت رسولِ کریم ﷺ کو اپنے گھر میں دیکھا۔ آنحضرت ﷺ نے کمال بندہ نوازی سے حضرت مجدّدؒ کی تعریف کی اور فرمایا: ''سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے اِن لوگوں میں ایسا آدمی پیدا فرمایا ہے کہ جس کے پاس مقرّب فرشتے آتے ہیں لیکن وہ ان کی طرف کوئی توجّہ نہیں کرتا''۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے رسالہ مبدا و معاد میں اللہ کی طرف سے اپنے اوپر ہونے والی عنایات اور اپنے روحانی درجات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں۔

مختصر احوال:

کتاب ''حضراتُ القُدس'' میں حضرت مجدّدؒ کے مختصر حالات لکھے گئے ہیں کہ آپؒ حضرت خواجہ عبدالباقیؒ کے خلیفۂ اعظم و اکمل تھے۔ بلکہ حضرت خواجہؒ آپؒ کو اپنے

آپ سے برتر فرماتے تھے۔ حضرت مجدّدؒ کی تکمیل کے بعد حضرت خواجہؒ نے بیعت لینا چھوڑ دیا، اپنے مُرید حضرت مجدّدؒ کے حوالے کر دیے اور خود آپؒ کے حلقے میں بیٹھ کر استفادہ کرتے تھے۔ حضرت خواجہ عبدالباقیؒ مریدوں کو تاکید کیا کرتے تھے کہ وہ حضرت مجدّدؒ کی صحبت اختیار کریں۔

ہر طبقے کے لوگ کثرت سے حضرت مجدّدؒ سے فیض یاب ہوئے۔ آپؒ کا طریقہ تربیت بالکل صحابہ کرامؓ کا سا تھا۔ ایک بزرگ فرماتے تھے کہ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت رسولِ کریم ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے یہ تحریر لکھی اور اُس پر مہر لگائی کہ میرے چار ساتھی ہیں اور پانچواں شیخ احمد سرہندیؒ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص بھی حضرت مجدّد کو دیکھتا، پکار اُٹھتا تھا کہ یہ ولی اللہ ہیں یا صاحبِ کرم فرشتہ ہیں یا صحابیِ رسول ﷺ ہیں۔

درجہ:

ایک نیک شخص کا بیان ہے کہ میرے دل میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی محبت غالب تھی۔ مَیں ہمیشہ اُنھیں ایصالِ ثواب کرتا اور فیضِ باطنی طلب کرتا تھا۔ ایک بار خواب میں مجھے آپؒ کی زیارت ہوئی۔ آپؒ نے نہایت شفقت سے فرمایا کہ ظاہری طور پر کسی کا مُرید ہونا بھی ضروری ہے۔ اس کے بغیر ظاہری کمال حاصل نہیں ہوتا۔ مَیں نے عرض کیا کہ جس کے بارے میں حکم دیتے ہیں، مَیں اس سے بیعت کر لیتا ہوں۔ آپؒ نے فرمایا سرہند میں ایک بزرگ ہیں، اُن کا نام احمد ہے، انھیں ظاہری و باطنی علم میں کمال حاصل ہے۔ اُن کے پاس جاؤ کیوں کہ موجودہ زمانے میں ویسا کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ مَیں حضرت شیخ

عبدالقادر جیلانیؒ کے حکم کے مطابق آپؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر شاد کام ہوا۔

درجہ:

حضرت مجدّد کے ایک عام مرید کا بیان ہے کہ مجھے شیخ فضل اللہ برہان پوریؒ کی خدمت میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اُنھوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے شیخ احمد سرہندیؒ کو کیسا پایا؟ مَیں نے کہا کہ مَیں اُن کے باطنی احوال بیان کرنے کی اہلیّت نہیں رکھتا لیکن وہ ظاہر میں سنّت پر عمل کا اِتنا زیادہ خیال رکھتے ہیں کہ معاصر مشائخ میں اس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ شیخ برہان پوریؒ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ''وہ قطبُ الاقطاب جو اسرارِ حقیقت بھی کہتا ہے یا لکھتا ہے، سب صحیح ہیں۔ سنّت پر عمل پیرا ہونا ہی صداقت کی دلیل ہے''۔ چنانچہ اس علاقے کا کوئی آدمی آپؒ کا مرید ہونے کی خواہش کرتا تو آپؒ فرماتے: ''مولانا شیخ احمد سرہندیؒ کے ہوتے ہوئے کسی اور کے مرید ہونا چاہتے ہو؟ سورج کو چھوڑ کر ستاروں کی طرف رجوع کرتے ہو''؟ سبحان اللہ، ان کی طبیعت کتنی انصاف پسند تھی! حضرت شیخ عیسیٰ برہان پوریؒ وغیرہ سے ایسی بہت سی روایات مشہور ہیں۔

درجہ:

ایک امیر نے اُس دور کے قاضیُ القضاۃ سے پوچھا کہ آپ عالمِ دین اور صاحبِ دیانت و فراست ہیں، ٹھیک ٹھیک بتائیے گا کہ شیخ احمد سرہندیؒ کیسے آدمی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ اُن کے باطنی احوال کو سمجھنا تو میرے بس میں نہیں ہے البتہ مَیں اِتنا جانتا ہوں کہ اُن کے حالات دیکھ کر پُرانے بزرگوں کے حالات پر یقین آ گیا ہے۔ جب مَیں بزرگوں کی کتابوں میں پُرانے اولیاء کے حالات پڑھتا تھا تو یہ سمجھتا تھا کہ اُن کے مُریدوں

نے بڑھا چڑھا کر لکھا ہوگا لیکن جب مَیں نے شیخ احمد سرہندیؒ کے حالات دیکھے تو پتہ چلا کہ پُرانے لکھنے والوں نے تو بہت کم لکھا ہے۔

درجہ:

ایک پرہیزگار اور پیشوائے زمانہ عالمِ دین فرماتے تھے کہ لوگوں کی کتابیں یا رسالے یا تو تصنیف ہیں یا تالیف۔ تالیف کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی باتوں کو اچھے طریقے سے ترتیب دے دیا جائے اور تصنیف یہ ہوتی ہے کہ اپنے مخصوص علوم و معارف ،نکات اور مقامات تحریر کیے جائیں۔ مدّتوں سے تصنیف کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا بس تالیف ہی تالیف رہ گئی تھی۔ اگرچہ مَیں شیخ احمد سرہندیؒ کا مُرید نہیں ہوں لیکن حق اور انصاف کی بات یہ ہے کہ آج کے دور میں آپؒ کے مکتوبات اور رسائل تصنیفات کے زُمرے میں آتے ہیں، تالیف نہیں ہیں۔ کیوں کہ مَیں نے آپؒ کے مکتوبات کا مطالعہ کیا ہے، اُن میں دوسروں کے اقوال بہت ہی کم بیان کیے گئے ہیں۔ اکثر مطالب ذاتی مکاشفات، الہامات اور مخصوص اسرار و کرامات پر مبنی ہیں اور سب نہایت اعلیٰ اور شریعت کے عین مطابق ہیں۔

درجہ:

ایک عالمِ دین نے کئی علماء اور مشائخ کی زیارت کی ہوئی ہے اور برسوں صوفیاء کے اسرار و رموز سُنے ہیں۔ جب انھوں نے حضرت مجددؒ کے مکتوبات اور دیگر تصانیف کے بارے میں بعض منکرین کے اعتراضات سُنے تو فرمایا کہ سچّی بات تو یہ ہے کہ اہلِ زمانہ کی طبیعتیں اِس قابل نہیں ہیں کہ ایسے ولیِ کامل کے افکار کو سمجھ سکیں۔ حضرت مجددؒ کو متقدمین میں ہونا چاہیے تھا تاکہ وہ لوگ آپؒ کی تحریروں کی قدر و قیمت کو سمجھتے اور بعد میں آنے

والے انھیں سَنَد اور دلیل کے طور پر استعمال کرتے۔

درجہ:

بلخ اور بخارا کے علماء حضرت مجددؒ کے اوصافِ حمیدہ کے بارے میں سُن سُن کر غائبانہ طور پر مخلص و مرید ہوگئے۔ خاص طور پر سیّد میرک شاہ، میر محمد مومن مولانا حسن قبادیانی اور ملاّ قاضی تولک وغیرہ۔ انھوں نے تحائف اور دعائیں بھجوائیں اور غائبانہ بیعت، مکتوبات کے کچھ حصّہ اور توجّہ اور دعاؤں کی درخواست کی۔ حضرت مجددؒ نے ان کی خواہش پوری کرتے ہوئے، مکتوبات کا کچھ حصّہ اُن کے لیے بھجوا دیا۔ بعد میں بلخ کے کچھ ساتھیوں نے ہندوستان میں آ کر بتایا کہ جب آپؒ کے مکتوبات پہنچے تو ہم لوگ میر محمد مومن اور دیگر مشائخِ بلخ کی خدمت میں حاضر تھے۔ وہ حضراتؒ مکتوبات کا مطالعہ کرنے کے بعد عاشقوں کی طرح رقص کرنے لگے تھے اور انھوں نے فرمایا تھا کہ اگر آج بایزید بسطامیؒ اور جنید بغدادیؒ موجود ہوتے تو حضرت مجددؒ کی خدمت گاری کرتے۔

درجہ:

ایک نیک سیّد زادے کی روایت ہے کہ ایک رات مَیں نے حضرت خواجہ معین الدّین چشتیؒ کو خواب میں دیکھا کہ آپؒ کسی بادشاہ کی طرح بڑے جاہ و جلال سے جا رہے ہیں اور مَیں اُن کے قریب ہی اُن کے لشکر میں شامل ہوں۔ اسی دوران میں ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تمھارے آباء و اجداد سلسلۂ چشتیہ میں بیعت تھے، تم نے سلسلۂ نقشبندیہ کیوں اختیار کر لیا؟ مَیں نے جواب دیا کہ کُتّے کو جہاں سے بھی روٹی کا ٹکڑا عطا ہوتا ہے، وہ وہیں کا ہو جاتا ہے اور کہیں نہیں جاتا۔ اس شخص نے پوچھا کہ تم نے چشتیوں اور نقشبندیوں میں کیا

فرق دیکھا کہ اپنے باپ دادا کے پیروں کو چھوڑ کر نقشبندیوں سے وابستہ ہو گئے؟ مَیں نے جواب دیا کہ حضرت مجددؒ میں اور میرے باپ دادا کے پیروں میں وہی فرق ہے جو حبیب اللہ ﷺ اور کلیم اللہؑ میں تھا:

موسیٰؑ زِ ہوش رفت بہ یک پرتوِ صفات
توؐ عینِ ذات می نگری در تبسّمی

(ترجمہ) حضرت موسیٰؑ تو صفاتِ الٰہی کا ایک ہی جلوہ دیکھ کر بے ہوش ہو گئے تھے جب کہ آپ ﷺ مسکراتے ہوئے جلوۂ ذات دیکھ لیتے ہیں۔

خواجہ معین الدّین اجمیریؒ نے ناراض ہو کر اُس شخص سے کہا کہ اِسے کچھ نہ کہو کیوں کہ اِس کے پیر بہت بڑے بزرگ اور باشرع شیخ ہیں۔

درجہ:

حضرت کو دوسرے ہجری ہزاریے کا مجدّد کہا جاتا ہے۔ آپؒ نے مکتوبات میں کئی مقامات پر اِس کی وضاحت فرمائی ہے۔ آپؒ نے لکھا ہے کہ یہ تمام علوم نُورِ نبوتؐ سے حاصل کیے گئے ہیں۔ اور نئے ہزار سال میں وراثت کے طور پر عطا ہوئے ہیں۔

جان لیجیے کہ ہر نئی صدی کے شروع میں کوئی نہ کوئی مجدد ہوتا ہے۔ صدی کا مجدد اور ہوتا ہے اور ہزاریے کا مجدد اور۔ دونوں میں اتنا ہی فرق ہوتا ہے، جتنا سو اور ہزار میں ہوتا ہے۔ اس عرصے میں لوگوں کو جو فیوض و برکات بھی حاصل ہوتی ہیں، مجدد ہی کے وسیلے سے حاصل ہوتی ہیں، چاہے کوئی غوث ہو یا قطب۔

درجات:

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے عروج ونزول کے مفصّل احوال اپنے مکتوبات اور رسائل میں لکھے ہیں۔ مَیں یہاں اُن کا خلاصہ لکھتا ہوں۔

آپؒ تحریر فرماتے ہیں کہ پہلے اپنے پیرومرشد کی برکت سے خواجگانؒ کا جذبہ عطا ہوا جو صفتِ قیومیت میں استغراق کے سبب ہوتا ہے۔ اس کے بعد سلوک کا آغاز ہوا۔ یہ کیفیت حضرت علیؓ کی تربیت وروحانیت کے طفیل کمال کو پہنچی۔ وہاں سے خواجہ نقشبندؒ کی روحانی مدد کے ذریعے حقیقتِ محمدیہ تک رسائی ہوئی۔ اس کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کی روحانی دستگیری کے طفیل اس سے بھی بلند مرتبہ نصیب ہوا۔ اس کے بعد حضرت سرورِ کائنات ﷺ کی روحانی تربیت کی وجہ سے مقامِ محمدیہ کا شرف پایا۔ اَقطاب کے مقام میں مجھ ناچیز کو حضرت رسالت مآب ﷺ کے دستِ مبارک سے قُطبیت کی خلعت عطا ہوئی۔ اس کے بعد مرتبے میں ترقی ہوئی اور اس حالت میں اللہ کی خصوصی عنایت شاملِ حال رہی۔ اس دوران حضرت غوث اعظمؒ کی روحانیت بھی مددگار رہی۔ اس سے پہلے مجھے فردیّت کی نسبت اپنے والدِ بزرگوارؒ اور علومِ لدُنّی حضرت خضرؑ کے توسّط سے حاصل ہو چکے تھے۔

آپؒ نے لکھا ہے کہ "سیر عن اللہ باللہ" کے مرحلے میں مَیں دوسرے سلسلوں کے مقامات سے بھی گذرا اور ہر مقام سے اپنا حصّہ پایا۔ ہر مقام کے مشائخؒ نے خصوصی امداد فرمائی اور اپنی نسبتوں سے بہرہ ور کیا۔ سب سے پہلے مشائخ چشتؒ کے مقامات سے عبور ہوا اور ان سے بہت زیادہ حصّہ پایا۔ خاص طور پر حضرت قطب الدّین بختیار کاکیؒ کی طرف سے زیادہ امداد پہنچی۔ آپؒ اس مقام کے رئیس ہیں۔ اس کے بعد مقامِ کُردی اور پھر

سہروردی اکابر کے مقامات سے گذر رہا۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے اپنے پیر و مرشدؒ کے نام گیارہویں عریضے میں ان مقامات کے اسرار و رموز بیان کیے ہیں۔ آپؒ کو خلفائے راشدینؓ کے مقامات سے عبور کا اتفاق بھی ہوا اور حضرت صدیق اکبرؓ کے افضل ترین مقام سے بھی گذر رہا۔

آپؒ کے ایسے مکاشفات پر بہت زیادہ اعتراضات کیے گئے۔ آپؒ نے خود بھی اُن کے جوابات لکھے ہیں اور ملّا بدر الدّین سرہندیؒ نے بھی بہت سی باتوں کے جوابات تحریر کیے ہیں بلکہ بعض اور شبہات کے جواب بھی لکھے ہیں۔ اُن کی کتاب پڑھ کر غور کرنا چاہیے کہ حاسدوں کو کیسی کیسی غلط فہمیاں ہوئی ہیں۔

شیخ بدر الدّین سرہندیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت مجدّد نے رافضیوں کے ردّ میں کئی رسائل لکھے تھے اور جہانگیر بادشاہ کے زمانے میں رافضیوں کا غلبہ تھا۔ انھیں حضرت مجدّدؒ سے دشمنی تھی۔ انھوں نے بادشاہ کے کان بھرے کہ شیخ احمد سرہندیؒ نے اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبرؓ سے افضل کہا ہے۔ ثبوت کے طور پر انھوں نے حضرت مجدّدؒ کا یہی خط بادشاہ کو پیش کیا۔ حضرت مجدّدؒ نے بہت عمدہ جوابات دیے اور مثال دی کہ یہ معاملہ بالکل ایسا ہے کہ جیسے کسی غلام کو خدمت کے لیے بلا کر اُس کے کان میں کچھ کہا جائے اور وہ بڑے بڑے اُمراء کے مقامات سے گذرتا ہوا، آپ تک آئے اور پھر جا کر اپنے مقام پر کھڑا ہو جائے۔ اِس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غلام کا مرتبہ دس ہزاری اُمراء سے بڑھ گیا ہے۔ بادشاہ نے یہ جواب سُن کر دل صاف کر لیا۔ جب رافضیوں نے دیکھا کہ آپؒ بچ نکلے ہیں تو انھوں نے بادشاہ سے کہا کہ اس مغرور شیخ نے آپ کو سجدۂ تعظیمی نہیں کیا اور چوں کہ فوج میں بھی اس کے مریدوں کی کثرت ہے، اس لیے ہوسکتا ہے کہ یہ بغاوت کر دے اور ملک میں فتنہ و فساد

کا باعث بنے۔ اِس طرح حاسدوں کی شرارت سے آپؒ کو قید کردیا گیا۔ شہزادہ خرم (شاہجہان) آپؒ سے عقیدت رکھتا تھا۔ اُس نے کچھ مفتیوں کو آپؒ کے پاس فُقہاء کا یہ فتویٰ دے کر بھیجا تھا کہ بادشاہوں کو تعظیمی سجدہ کرنا جائز ہے اور کہلا بھیجا تھا کہ اگر آپ انکساری فرمائیں تو بادشاہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ یہ فتویٰ رخصت پر مبنی ہے عزیمت پر نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہ کیا جائے۔

معاملہ یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ شروع میں اپنے اکثر احوال اپنے پیرومرشدؒ کی خدمت میں لکھ بھیجتے تھے تاکہ اُن کے غلط یا صحیح ہونے کے بارے میں معلوم ہوسکے۔ یہ بات پیری ومریدی کے آداب میں شامل ہے کہ مرید کو جو خواب بھی دکھائی دے یا اُس پر جو کیفیت بھی طاری ہو، اُس پر واجب ہے کہ وہ ساری تفصیل اپنے شیخ کو بتائے تاکہ اُسے پتہ چل سکے کہ صورتِ حال ٹھیک ہے یا نہیں! جو مُرید ایسی باتوں سے اپنے پیر کو آگاہ نہیں کرتا، اُسے بد دیانت مُرید کہا جاتا ہے۔

چنانچہ جب حضرت مجددؒ کو روحانی عروج نصیب ہوا اور آپؒ اولیاؒ اور صحابہؓ کے مقامات سے گذر کر حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپؒ نے یہ ساری تفصیل ایک خط میں لکھ کر اپنے پیرومرشد کی خدمت میں روانہ کی۔ بدقسمتی سے یہ خط رافضیوں کے ہاتھ لگ گیا۔ اُس زمانے میں بادشاہ کے وزیروں اور خادموں کی اکثریت رافضی تھی۔ اُن لوگوں نے اِس خط کو بنیاد بنا کر مشہور کردیا کہ آپؒ اپنے آپ کو صدیق اکبرؓ سے افضل کہتے ہیں۔

رافضی وزیر اپنی مصلحت کے پیشِ نظر بادشاہ کو ہر وقت نشے میں رکھا کرتے تھے۔ انھوں نے عین مستی کی حالت میں یہ بات بادشاہ کو بھی بتائی کہ آپ کا عقیدہ تو یہ ہے کہ

صدیقِ اکبرؓ افضل الاولیاء ہیں جب کہ شیخ احمد سرہندیؒ نے خود کو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے افضل لکھا ہے۔ بادشاہ یہ سُن کر بگڑ گیا اور اُس نے تحقیق کرنے کے لیے حضرت مجددؒ کو سرہند سے طلب کر کے اپنے دربار میں یہ واقعہ آپؒ سے پوچھا۔ آپؒ نے دیکھا کہ بادشاہ نشے میں مدہوش ہے اور حقائق و معارف کی باتیں سمجھنے سے قاصر ہے، چنانچہ آپؒ نے عام فہم انداز میں جواب دیا کہ مَیں تو اپنے آپ کو کسی کُتّے سے بھی افضل نہیں سمجھتا، یہ کیسے ممکن ہے کہ خود کو حضرت صدیق اکبرؓ سے افضل کہوں۔ بات اِتنی سی ہے کہ ایک کیفیت وارد ہوئی تھی جس کی تفصیل مَیں نے مخفی طور پر اپنے پیر و مرشد کو لکھی تھی تاکہ آپؒ کی رائے جان سکوں۔ اب دشمنوں نے ناسمجھی سے بات یہاں تک پہنچادی ہے۔ اس کے کئی جواب ہیں۔ پھر آپؒ نے تفصیل سے وہ جواب دیا جو پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔

بادشاہ نے حضرت مجددؒ کو قید کرادیا۔ قید خانے میں آپؒ کے روحانی درجات مزید بلند ہوئے۔ کئی کافر قیدی آپؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے۔ بہت سے قیدیوں نے آپؒ سے روحانی فیض اور تربیت پائی۔ آپؒ فرماتے تھے کہ مجھے اِن لوگوں کے لیے یہاں بھیجا گیا ہے۔ اگر بادشاہ ناراض نہ ہوتا تو اِن قیدیوں کی تربیت کیسے ہوتی اور میرے درجات میں کیسے اضافہ ہوتا؟ یہی وجہ تھی کہ آپؒ جہانگیر بادشاہ سے راضی تھے۔ آپؒ نے نہ اُس کے لیے بددعا کی اور نہ اُسے تکلیف دینے کا سوچا۔ آپؒ کے بعض ساتھی کچھ انتقامی کارروائی کرنا چاہتے تھے لیکن آپؒ نے خواب اور بیداری کی حالت میں سختی سے منع فرمادیا اور کہا کہ بادشاہ کو نقصان پہنچانا گویا ساری مخلوق کو نقصان پہنچانا ہے۔ مَیں بادشاہ کو نقصان پہنچانے والے سے بیزار ہوں۔

کرامت:

ایک درویش کا بیان ہے کہ ایک جادوگر نے مجھے کچھ اسم سکھائے اور کہا کہ انھیں فلاں وقت اِس طریقے کے مطابق پڑھنا، حضرت مجدد ؒ کے دشمن ہلاک ہو جائیں گے۔ جب مَیں نے اُس جادوگر کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرنا چاہا تو حضرت ؒ نے خواب میں مجھے منع کر دیا لیکن میری تسلّی نہ ہوئی۔ مَیں باقاعدہ اجازت لینے آپ ؒ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ اِس سے پہلے کہ مَیں کچھ عرض کرتا، آپ ؒ نے مجھے بُلوا کر سختی سے منع کر دیا اور فرمایا کہ "یہ عمل جادو ہے اور جادو اسلام میں جائز نہیں ہے۔ لوگوں کو تکلیف پہنچانا حرام ہے اور بادشاہ کو نقصان پہنچانا گناہِ کبیرہ ہے۔ اس میں ساری مخلوق کا نقصان ہوتا ہے۔ اس ارادے سے توبہ کر لو"۔ آخر مجبوراً مَیں تائب ہو گیا۔ گھر واپس آ کر مَیں نے وہ کاغذ پھاڑ کر پانی میں بہا دیا۔

مصنّف کہتا ہے کہ مجھے حضرت مجدد ؒ کے تقریباً چالیس خلفاء اور صوفیوں کے ساتھ صحبت کا اتّفاق ہوا ہے اور مَیں نے آپ ؒ کے انتہائی معتبر خادموں سے سنا ہے کہ وہ بتاتے تھے کہ ایک دن قید خانے میں حضرت مجدد ؒ نے فرمایا کہ "ابھی جہانگیر بادشاہ اور ہمارے دشمنوں کو ہمارے سامنے لایا گیا کہ اگر مَیں چاہوں تو انھیں ہلاک کر دوں۔ لیکن مَیں ایسا نہیں چاہتا۔ میں راضی بہ رضا ہوں۔ اس مصیبت کے دوران مجھے کئی فائدے اور لذّتیں ملی ہیں"۔ آخر آپ ؒ کے صبر و تحمّل کی برکت سے بادشاہ نادم ہوا اور اُس نے جلد ہی بڑے احترام سے آپ ؒ کو آزاد کیا اور آپ ؒ کا اتنا عقیدتمند ہو گیا کہ لمحہ بھر بھی الگ نہیں ہونے دیتا تھا۔

یہ مصیبت اُٹھانے کے بعد حضرت مجدد کی فیض رسانی میں بہت ترقی ہوئی اور بہت سے لوگ آپؒ سے برکات حاصل کر کے دوسروں کی تربیت میں مشغول ہوئے۔ان شاء اللہ اِس سلسلے کو یہ ترقی قیامت تک حاصل رہے گی۔

چوں کہ لوگوں میں اِس مسئلے پر بہت سے شکوک وشبہات موجود تھے اِس لیے مَیں نے یہ سارا واقعہ تفصیل سے لکھ دیا ہے۔

آپؒ کے صبر وتحمّل کی وجہ سے روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ ظاہری ترقی اور رونق بھی خوب بڑھ گئی۔ جہانگیر بادشاہ آخر کار عقیدت مند بن گیا۔شاہجہان بادشاہ تو شاہزادگی کے زمانے ہی سے عقیدت ومحبت رکھتا تھا اور احسانات کیا کرتا تھا۔اب امیر المومنین اورنگ زیب عالمگیر کا زمانہ ہے اور وہ تو حضرت مجدد کے سلسلے کے گہرے عقیدت مندوں میں سے ہیں۔

کرامات:

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی جو کرامات کتاب ''مقامات'' میں لکھی گئی ہیں، ان کی تعداد سو سے بھی زیادہ ہے۔آپؒ کے تصرفات اور باطنی مکاشفات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ آپؒ کی نسبتِ عالیہ کی بے پناہ مقبولیت بھی آپؒ کی بہت بڑی کرامت ہے۔آپؒ کی جو کرامات رہتی دنیا تک یاد رکھی جائیں گی، اُن میں سے ایک تو آپؒ کے مکتوبات اور دیگر تصانیف ہیں۔مشائخ اور صوفیا ایسی تحریریں لکھنے سے عاجز ہیں اور اس کا اعتراف کرتے ہیں۔دوسری کرامت یہ ہے کہ آپؒ نے اپنی باطنی توجہ سے اپنے صاحبزادگانؒ کو اپنی طرح بنا دیا۔روئے زمین پر ایسی اور کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی شیخ نے اپنے تصرف سے اپنے

بیٹوں کو اپنے جیسا بنا دیا ہو۔ حضرت مجدّدؒ کی یہ کرامت دنیا بھر میں مشہور ہے اور لوگوں کے لیے تعجب کا باعث ہے۔

خواص کے نزدیک تو سب سے بڑی کرامت یہی ہے کہ اللہ کی معرفت اور عنایت حاصل ہو۔ اطاعت کی توفیق اور نفسانی خواہشات کی مخالفت کی طاقت نصیب ہو۔ کامل لوگ عام کشف و کرامت کو اپنے لیے باعثِ ننگ سمجھتے ہیں۔ اب میں عوام النّاس کی خاطر حضرت مجدّدؒ کی کچھ کرامات نقل کرتا ہوں:

کرامت:

ایک نیک آدمی کا بیان ہے کہ جب حضرت مجدّدؒ کے فضائل مشہور ہوئے تو مَیں آپؒ کی زیارت کے لیے سرہند آیا۔ پہلی رات کو ایک گھر میں مہمان ٹھہرا۔ مَیں نے میزبانوں سے حضرتؒ کے بارے میں نامناسب باتیں سُنیں۔ مَیں ملول ہو کر حضرتؒ کی طرف متوجّہ ہوا۔ اچانک مَیں نے دیکھا کہ آپؒ تلوار ہاتھ میں لیے ظاہر ہوئے ہیں اور آپؒ نے بُرا بھلا کہنے والے منکر کے ٹکڑے کر دیے ہیں۔ مَیں ڈر کے مارے وہاں سے نکل کر مسجد میں چلا گیا۔ اگلے دن صبح شور مچ گیا کہ فلاں شخص کو دشمنوں نے قتل کر دیا ہے۔ مَیں دہشت زدہ ہو کر حضرت کی خدمت میں پہنچ گیا۔ آپؒ نے مجھ پر بہت مہربانی فرمائی۔ بغل گیر ہوئے اور مسکرا کر کہا کہ: ''رات کی بات کا ذکر نہیں کرنا چاہیے''۔

کرامت:

ہندوستان کے علّامۂ زماں، شیخ الاسلام مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی روایت ہے کہ مَیں حضرت مجدّدؒ سے اِس لیے بیعت ہوا ہوں کہ ایک رات مَیں نے آپؒ کو خواب میں

دیکھا۔ آپؒ نے یہ آیت پڑھی: ''قل اللّٰہ ثم ذرھم'' ساتھ ہی آپؒ نے تصرف کیا اور میرے دل کو ذاکر بنا دیا۔ کافی عرصہ مَیں ذکر و حضوری سے نصیب پاتا رہا اور خود کو ''اُویسِ احمدؒ'' کہا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ مجھے آپؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت ملی اور مَیں نے ظاہری طور پر بھی آپؒ سے باطنی تلقین و تعلیم حاصل کی۔

ہندوستان کے علماء میں سے سب سے پہلے حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ ہی نے آپؒ کو ''مجدّدِ الفِ ثانیؒ'' کے لقب سے پکارا تھا۔

کرامت:

ایک معتبر مرید کا بیان ہے کہ مَیں سخت بیمار تھا۔ حاضرین میری زندگی سے مایوس ہو گئے تھے۔ اس بدحالی میں مَیں نے حضرتؒ کی طرف باطنی توجہ کی۔ اچانک ایک نورانی شخص ظاہر ہوئے۔ اُنھوں نے سر سے پاؤں تک ایک سفید چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اُنھوں نے فرمایا کہ ''یہ وہ چادر ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ نے قطبِ وقت حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ کے لیے بھجوائی تھی۔ حضرتؒ نے اِسے تمھارے لیے بھیجا ہے۔''

جب وہ چادر مجھے پہنائی گئی، مجھ میں صحت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ بدن ٹھنڈا ہونے لگا۔ لوگوں نے سمجھا کہ بدن موت کی وجہ سے ٹھنڈا پڑ رہا ہے۔ وہ رونے دھونے لگے مَیں اُن کے شور و غل کی وجہ سے بیدار ہو گیا۔ مَیں نے دیکھا کہ مَیں تندرست ہو چکا ہوں۔ چنانچہ مَیں نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔ لوگ حیران رہ گئے کہ یہ مُردہ، زندہ کیسے ہو گیا؟ سب نے بہت خوشیاں منائیں۔

کرامت:

ایک متقی سیّد کی روایت ہے کہ حضرت مجدّدؒ نے مجھے ایک شہر کی طرف بھیجا اور فرمایا اگر راستے میں خوف محسوس ہو تو سورۂ لایلاف زیادہ پڑھتے رہنا اور اگر کوئی مشکل پیش آئے تو مجھے یاد کر لینا۔ میرے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ راستے میں ایک جنگل میں اچانک ایک بہت بڑا شیر غرّاتا ہوا ہمارے پیچھے لگ گیا۔ مَیں نے حضرتؒ کو یاد کر کے استغاثہ کیا۔ اچانک دیکھا کہ آپؒ ظاہر ہوئے ہیں اور شیر کو مار بھگایا ہے۔ میرے ساتھیوں نے بھی آپؒ کی زیارت کی اور پوچھا کہ ''یہ بزرگ کون ہیں؟'' مَیں نے انھیں بتایا کہ ''یہ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ ہیں''۔ سب آپؒ کے معتقد ہو گئے اور روحانی مدد مانگنے لگے۔

کرامت:

ایک قابلِ اعتبار سیّد کا بیان ہے کہ میرے دل میں حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں بہت زیادہ عداوت تھی۔ ایک دن مَیں نے حضرت مجدّدؒ کے مکتوبات میں امیر معاویہؓ کی تعریف پڑھی۔ مَیں نے غصّے میں مکتوبات کو زمین پر پھینک دیا۔ اُسی دن مجھے خواب میں آپؒ کی زیارت ہوئی۔ آپؒ بہت غصّے میں تھے۔ آپؒ نے میرے دونوں کان پکڑ کر فرمایا: ''اے نادان! ہماری باتوں پر اعتراض کرتے ہو اگر میری باتوں کا یقین نہیں ہے تو آؤ تمھیں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی خدمت میں لے جاتا ہوں''۔ آپ اسی طرح مجھے کھینچتے ہوئے حضرت علیؓ کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت امیرؓ نے مجھ سے فرمایا: ''حضرت رسولِ خدا ﷺ کے ساتھیوں کے بارے میں دل میں عناد نہ رکھو۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہم نے کس نیّت سے باہم لڑائی کی۔ تمھیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اصحابِ رسول پر اعتراض کرو یا شیخ احمد

سرہندیؒ کی باتوں سے روگردانی کرو"۔ راوی کا بیان ہے کہ اِس کے باوجود میرے دل سے عداوت نہ نکلی۔ حضرت علیؓ کو اندازہ ہوگیا۔ آپؓ نے حضرت مجدّدؒ سے کہا: "ابھی اِس کا دل صاف نہیں ہوا۔ اِس کی گردن پر ذرا ایک تھپڑ لگائیے تا کہ یہ توبہ کرلے۔" حضرت مجدّدؒ نے پوری قوّت سے مجھے ایک تھپڑ رسید کیا جس سے میرا دل صاف ہوگیا۔ صحابہؓ کی عداوت دل سے نکل گئی اور مکتوبات سے عقیدت پیدا ہوگئی۔

کرامت:

مرزا مظفر پرگنہ چھت کے فوجدار تھے۔ انھوں نے کافروں پر حملہ کرنا چاہا۔ اس سلسلے میں ایک درویش سے روحانی مدد اور بشارت طلب کی۔ درویش نے خوشامد کے طور پر فتح کی خوش خبری سُنا دی۔ آخر پریشان ہوکر حضرت مجدّدؒ کو خط لکھا کہ "مَیں نے خوش خبری تو دے دی ہے لیکن انجام نجانے کیا ہوگا۔ آپؒ کیا فرماتے ہیں؟" حضرتؒ نے جواب میں لکھا کہ "اِس جنگ میں فوجدار کو بھاری شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آپؒ نے خوش خبری دینے میں جلد بازی کا مظاہرہ کیوں کیا؟ جب تک کوئی معاملہ صبحِ صادق کی طرح واضح نہ ہو، کوئی حکم نہیں لگانا چاہیے۔" چار دنوں کے بعد خبر ملی کہ فوجدار کو بُری طرح شکست ہوگئی ہے۔ پہاڑیوں نے طبل اور نقارے بھی چھین لیے ہیں اور فوجدار پریشانی کی حالت میں لَوٹ آیا۔

کرامت:

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ ہندوستان کے بہت بڑے عالمِ دین تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مَیں ایک مُلّا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ اُس نے حضرت مجدّدؒ کے بارے میں

بدزبانی شروع کردی۔ مَیں نے اُسے سمجھایا کہ بزرگوں کو بُرا بھلا نہیں کہتے۔ حضرت مجدّدؒ کو جو صفائے باطن حاصل ہے اور آپؒ سنّتِ رسول ﷺ کی جتنی پیروی کرتے ہیں، ایسی مَیں نے کسی اور میں نہ دیکھی، نہ سُنی۔ مُلّا نے میری بات نہ مانی۔ آخر مَیں نے یہ کہہ کر جھگڑا ختم کیا کہ وضو کر کے قرآنِ کریم سے فال نکالتے ہیں۔ جو آیت بھی نکلے گی، وہ حضرتؒ کے مرتبے کا اشارہ ہوگی۔ مُلّا کو بات پسند آگئی۔ ہم نے وضو کر کے دو نفل پڑھے۔ مُلّا نے نہایت ادب اور توجّہ سے قرآنِ کریم کھولا۔ یہ آیت نکلی:

''رِجَالٌ''لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ'' وَلَا بَيْعٌ'' عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ''[۲۴/۳۷] (یہ وہ لوگ ہیں جنھیں تجارت اور کاروبار اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتا)۔

ملّا صاحب دنگ رہ گئے۔ آخر انھوں نے نادم ہو کر توبہ کر لی اور مَیں شکر بجا لایا۔

کرامت:

مُلّا میرک شیخؒ شہزادے کے اتالیق اور شاہجہان بادشاہ کے مقرب تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ مَیں حضرت مجدّدؒ کو سخت ناپسند کرتا تھا کیوں کہ مَیں نے افواہیں سُنی تھیں کہ انھوں نے اپنے آپ کو صدّیقِ اکبرؓ سے افضل لکھا ہے۔ جن دنوں مَیں ہندوستان آیا تو دوبارہ سرہند میں ٹھہرا۔ ایک پُرانا ساتھی ملا۔ وہ عیّاش اور آوارہ آدمی تھا۔ اب مَیں نے اُسے زہد و تقویٰ سے آراستہ پایا۔ اُس نے حضرت مجدّدؒ کی بہت تعریف کی اور مجھے آپؒ کی صحبت کی رغبت دلائی۔ اُس نے بہت اصرار کیا کہ مَیں آپؒ کی زیارت کروں کیوں کہ آپؒ قطبِ زمانہ ہیں۔ مَیں اُسے ٹالتا رہا۔ آخر جب اُس کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو مَیں نے سوچا کہ تین باتیں دل میں لیے چلتا ہوں، اگر اُنھوں نے تینوں کے جواب دے دیے تو

عقیدت مند بن جاؤں گا۔ پہلی بات یہ کہ وہ اپنی فضیلت کے بارے میں بیان کریں، دوسری یہ کہ میرے آباء واجداد کی نسبت کا ذکر کریں اور تیسری یہ کہ خواجہ خاوند محمودؒ کے احوال کے بارے میں بتائیں کہ وہ کس مرتبے پر فائز ہیں۔

جب مَیں حضرت مجدّدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھ پر خوف کا غلبہ ہو گیا۔ آپؒ نے سب سے پہلے وہی حضرت صدّیق اکبرؓ والی بات تفصیل سے سمجھائی اور مَیں مطمئن ہو گیا۔ اس کے بعد آپؒ نے نام لے لے کر میرے آباؤ اجداد کا ذکر کیا۔ پھر آپؒ نے کچھ سوچ کر فرمایا کہ ''خواجہ خاوند محمودؒ ہمارے پیر زادہ ہیں۔ انھیں روحانیت وراثت میں ملی ہوئی ہے۔'' یہ کرامت دیکھ کر مَیں آپؒ کا مرید ہو گیا۔

کرامت:

جان محمد جالندھریؒ بتاتے تھے کہ ایک بزرگ حافظ رخنہ کے باغ سے حضرت مجدّدؒ کی مسجد میں آئے اور حضرتؒ سے میری سفارش کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ''جب آپؒ نے اسے قادری سلسلے میں مُرید کیا ہے تو اب اِسے حضرت غوث الثقلینؒ تک پہنچا بھی دیجیے''۔ اِسی اثناء میں آپؒ وضو کے لیے اٹھے اور فرمایا: ''جان محمد! تم قُطبی ستارے کو پہچانتے ہو؟ غور سے دیکھو۔'' مَیں نے غور سے دیکھا تو قطبی ستارے سے ایک خرقہ پوش بزرگ باہر آتے دکھائی دیے۔ وہ بڑی تیزی سے حضرت مجدّدؒ کے پاس آ پہنچے۔ آپؒ نے فرمایا: ''حضرت میراں جیؒ کی زیارت کر لو کہ آپؒ ہی غوث الثقلین ہیں۔'' مَیں آپؒ کے حکم پر قدمبوس ہوا۔ اس کے بعد حضرت غوثؒ واپس تشریف لے گئے اور قطبی ستارے میں غائب ہو گئے۔ جب میں مسجد میں پہنچا تو اُس درویش نے پوچھا کہ ''حضرت غوثؒ کی

زیارت کرلی''؟مَیں نے کہا'' جی ہاں! حضرت مجدد ؒ کے طفیل زیارت ہوگئی ہے۔''

مَیں نے مختصراً اتنی ہی کرامات لکھی ہیں۔مزید کرامات پڑھنے کے لیے آپؒ کے مقامات ومناقب کی کتابیں دیکھی جائیں۔

دوسری فصل:

حضرت شیخ محمد سعیدؒ کے بعض مناقب کے بیان میں

آپؒ نقلی وعقلی علوم کے علامہ اور پابندِ شریعت وطریقت تھے۔ حضرت مجددؒ کے بقول آپؒ راسخ علُماء میں سے ہیں۔ انبیاء کے وارث علماء کے قطب ہیں۔ نیز عروج کے اکثر مقامات میں حضرت مجددؒ کے ساتھ رہے۔ صاحبِ احوال وکرامات ہیں۔ آپؒ سے بہ کثرت فیوض وبرکات کا ظہور ہوا ہے۔

آپؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ حضرت مجددؒ نے آپؒ کے بارے میں بہت سی بشارتیں دی ہیں۔ بہت سے علماء، اُمراء اور سلاطین آپؒ سے وابستہ تھے۔ آپؒ کے اخلاقِ کریمہ، اوصافِ حمیدہ اور احوالِ جلیلہ مشہور ہیں۔ جو کوئی بھی آپؒ کو دیکھتا، درود شریف پڑھنے لگتا اور عاشقوں کی طرح سرمست ہو جاتا۔

حضرت شیخ محمد سعیدؒ کو حضرت آدم بنوریؒ سے بہت محبت تھی۔ حضرت بنوریؒ کے صاحبزادگان اور مُریدوں کی روحانی تربیت آپؒ ہی کیا کرتے تھے۔ اِسی لیے حضرت بنوریؒ نے اپنے صاحبزادگان آپؒ کے سپرد کیے ہوئے تھے اور ان پر توجہ کی درخواست کیا کرتے تھے۔ ازراہِ انکسار خود بھی آپؒ کے حلقے اور خلوت میں بیٹھا کرتے اور انھیں اپنے پیرومرشد کے قائم مقام جان کر اتنی ہی تعظیم سے پیش آتے تھے۔

مصنف کو ۱۰۵۰ھ میں آپؒ کی مہربانیوں سے فیض پانے کا بہت موقع ملا۔ سرہند میں مَیں نے کتاب "ہدایہ" آپؒ سے پڑھی۔ مجھے کئی بار آپؒ کے تفسیر، حدیث اور مکتوبات کے درس میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ تین سال مَیں آپؒ کے مراقبے کے حلقوں اور

مذاکرے کی مجلسوں میں حاضر رہا۔ سات مہینے مَیں حرمین میں آپؒ کے ساتھ رہا۔ مَیں نے آپؒ میں محبوبانہ کشش دیکھی اور مواجہہ شریف کے سامنے آپؒ کے خصوصی مصافحے سے مشرف ہو کر فیض پایا۔

شیخ بدرالدّین سرہندیؒ اور ان کی اولاد نے حضرت شیخ محمد سعیدؒ کے مناقب میں کئی رسالے، مکتوبات اور کرامات جمع کی ہیں۔ اُن میں سے مَیں کچھ خصوصیات اور کرامات کا یہاں انتخاب پیش کرتا ہوں۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ مجھے کشف ہوا ہے کہ ''میرا بیٹا محمد سعیدؒ علمائے راسخین میں سے ہے۔'' ایک دن فرمایا کہ ''مجھے قیامت کا منظر اور ساتھیوں کے ساتھ پُل صراط سے گذرنے کا منظر دکھایا گیا ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ پُل صراط پر محمد سعیدؒ ہمارے آگے آگے جا رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں کوئی کتاب ہے۔ یہاں تک کہ ہم جنت میں پہنچ گئے۔'' ایک بار فرمایا: ''اے محمد سعیدؒ! تو میرے ذیل میں ہے، اس لیے کہ تیری نسبت ذیلی ہے۔ غم کی کوئی بات نہیں کیوں کہ حضرت صدّیق اکبرؓ بھی حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذیل میں تھے۔''

حضرت مجدّدؒ نے آپؒ کو عظیم مقامات کی بشارت دی ہے اور فرمایا ہے کہ عُروج ونزُول اور دیگر مشاہدات میں تم میرے ساتھ شریک تھے۔ نیز فرمایا کہ ''مجھے سابقون الاوّلون کے طبقات دکھائے گئے ہیں۔ مَیں نے محمد سعیدؒ کو سابقین مقربین کے زُمرے میں داخل پایا ہے۔'' نیز ارشاد فرمایا کہ ''جسمانی بیماریوں اور بشری تقاضوں سے مجبور ہو کر مَیں آج کل تم پر پوری توجہ نہیں کرسکتا۔ اِس دُنیا سے چلے جانے کے بعد مکمل طور پر تمھاری طرف ہی متوجہ رہوں گا۔'' شیخ محمد سعیدؒ فرماتے تھے کہ اِسی وجہ سے حضرت مجدّدؒ کی وفات

کے بعد مَیں نے اپنے آپ پر حضرتؒ کی عنایات و برکات میں بہت اضافہ پایا۔ ایک دن مَیں آپؒ کے مزار کے پاس مراقبہ کر رہا تھا کہ اچانک آپؒ ظاہر ہوئے اور بہت لطف و کرم سے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: ''تم علماء کے قطب ہو۔ تمھیں کمالاتِ نبوت کے انوار سے عظیم حصّہ حاصل ہے۔''

حضرت شیخ محمد سعیدؒ کی کرامات اور تصرفات بیان سے باہر ہیں۔ بہت سے ساتھیوں نے آپؒ کی کئی کرامات بیان کی ہیں۔ لیکن مَیں یہاں مختصراً ان کا ذکر کروں گا۔ بہت سے سالک آپؒ کی صحبت میں رہ کر علم، ذوق اور فوزِ عظیم سے مالا مال ہوئے اور مراقبہ، مشاہدہ، کشف اور حال سے سرفراز ہو گئے۔ جس نے بھی آپؒ سے کچھ پڑھا، اُسے علم و فضل عطا ہو گیا۔ بہت سے ساتھیوں سے روایت ہے کہ آپؒ اکثر واقعات کے ظہور پذیر ہونے سے پہلے اطلاع دے دیا کرتے تھے۔ نئے چاند کے بارے میں ہمیشہ پہلے بتا دیتے تھے۔ انسانوں کے ساتھ ساتھ جنّات بھی آپؒ سے فیض یاب ہوتے تھے۔ آپؒ کو حضرت خضرؑ کی صحبت حاصل تھی اور انھوں نے آپؒ کو کئی بشارتیں دی تھیں۔

آپؒ نے فرمایا: ''جن دنوں سرہند میں وبا کا زور تھا اور میرے بھائی خواجہ محمد صادقؒ، محمد فرخؒ اور محمد عیسیٰؒ اس وبا میں انتقال کر گئے، انھی دنوں ایک بار حضرت مجددؒ نے مجھے اور میرے پیارے بھائی محمد معصومؒ سے فرمایا کہ آج صبح بارگاہِ الٰہی سے خصوصی کرم ہوا تھا اور تم دونوں بھائیوں کو میری گود میں دے کر یہ الہام کیا گیا کہ یہ دونوں مَیں نے تمھیں عطا کر دیے۔ لہٰذا تم دونوں بھائی لمبی عمر پاؤ گے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بھائیوں کو وبا سے محفوظ رکھا اور طویل عمر عطا فرمائی۔ ان کی عمریں ستر، اَسّی سال تک پہنچیں۔ دونوں سفید ریش ہو گئے اور مخلوقِ خدا نے ان سے

فیض پایا۔

کرامت:

بعض معتبر ساتھیوں سے سنا ہے کہ ایک بار شیخ محمد سعیدؒ سخت بیمار پڑ گئے۔ طبیب علاج میں ناکام ہو گئے۔ انھی دنوں حضرت مجددؒ نے راستے میں ایک کاغذ پڑا ہوا دیکھا جس پر لفظ ''اللہ'' لکھا ہوا تھا۔ آپؒ نے وہ کاغذ اُٹھا کر چوما اور کسی پاک صاف جگہ پر رکھ دیا۔ اسی وقت آپؒ کو الہام ہوا کہ: ''تم نے ہمارا احترام کیا ہے، ہم نے تمھیں تمھارا بیٹا بخش دیا ہے اور اس کی بیماری کو صحت میں تبدیل کر دیا ہے۔'' اس کے بعد آپؒ بہت جلد صحت یاب ہو گئے۔ آپؒ نے اَسّی سال عمر پائی اور ۱۰۷۰ھ میں انتقال فرمایا۔

کرامت:

مرحوم ملاّ بدر الدّین سرہندیؒ نے لکھا ہے کہ ایک بار شیخ محمد سعیدؒ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ کابل سے محمد صلاح نامی ایک شخص آیا۔ اُس نے اس دور کے مشائخ کے بارے میں اپنی بداعتقادی ظاہر کی اور کہا کہ مَیں بہت سے بزرگوں سے ملا ہوں لیکن مجھے کسی میں بھی تصرّف اور ذوق نہیں ملا۔ پھر اس نے کہا کہ مجھ پر تصرّف کیجیے، میرے دل کی حالت بدل دیجیے اور مجھے تلقین دیجیے۔ آپؒ نے اُسے اپنے ذکر کے حلقے میں بیٹھنے کا کہا۔ وہ حلقے میں بیٹھا تو اُس کے باطن میں انقلاب آ گیا۔ اُس نے گناہوں سے توبہ کر لی۔ جو کچھ پاس تھا، اللہ کے راستے میں دے دیا۔ آپؒ سے تلقین لی اور آپؒ کی خدمت کرنے لگا۔ وہ کافی عرصہ آپؒ کی خدمت میں رہا۔ یہاں تک کہ کشف و مشاہدہ کے مرتبے کو پہنچ گیا۔ چنانچہ آپؒ نے اُسے خلافت و اجازت عطا فرمائی۔

کرامت:

ایک معتبر ساتھی کا بیان ہے کہ مَیں ایک امیر کا مصاحب تھا۔ وہ امیر حضرت شیخ محمد سعیدؒ کا مُرید تھا۔ ایک بار مَیں نے امیر کے چہرے پر انگلیوں کے نشانات دیکھے۔ کچھ خادموں نے مجھے بتایا کہ وہ تنہائی میں گناہِ کبیرہ کرنا چاہتا تھا کہ شیخؒ نے ظاہر ہو کر اُس کے چہرے پر تھپڑ مارا۔ یہ انگلیوں کے نشانات اس وجہ سے ہیں۔ چنانچہ امیر نے توبہ کی اور نیک اعمال اختیار کیے۔ کچھ عرصے بعد وہ نشان مٹ گیا۔

کرامت:

مولانا بدرالدین سرہندیؒ لکھتے ہیں کہ ایک ساتھی نے بتایا کہ مَیں ہندوستان کے کسی دور دراز شہر میں تھا۔ ایک دن مَیں نے گناہِ کبیرہ کا ارادہ کیا۔ جب مَیں اس نیّت سے روانہ ہوا تو وہ چادر گر گئی جو حضرت شیخؒ نے مجھے رخصت کرتے وقت عطا کی تھی۔ چنانچہ مَیں نہ جا سکا اور واپس آ کر تائب ہوا۔

کرامت:

وہی لکھتے ہیں کہ ایک ساتھی کی روایت ہے کہ مَیں سفر کر رہا تھا کہ ایک شیر نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ مَیں نے مجبور ہو کر حضرت شیخ محمد سعیدؒ کو یاد کیا۔ آپؒ ظاہر ہوئے اور مجھ سے فرمایا کہ ڈرو مت۔ پھر آپؒ نے اپنے عصا سے شیر کو مار بھگایا۔

کرامت:

وہی لکھتے ہیں کہ جب ہم یمن میں پہنچے تو کچھ علماء آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں والی نے آپؒ کے پاس بھیجا ہے تا کہ آپؒ بارش کی دعا

فرمائیں کیوں کہ لوگ بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط زدہ ہوگئے ہیں۔اُنھوں نے بہت التماس کی تو شیخؒ کو ان پر رحم آگیا۔آپؒ نے بارش کی دعا کی۔اگلے ہی دن اتنے زور کی بارش ہوئی کہ سب لوگ خوش ہوگئے اور کہنے لگے کہ ایسی بارش تو کئی برسوں سے نہیں ہوئی تھی۔یہ آپؒ کی دعا کا نتیجہ ہے۔اللہ آپ کو جزائے خیر دے!

میرے پاس شیخ فرخ شاہؒ اور شیخ عبداللہؒ کے ہاتھ کے تحریر کردہ حرمین کے بہت سے مکاشفات محفوظ ہیں۔

مکاشفہ:

ان میں سے ایک مکاشفہ یہ ہے کہ حضرت مولانا شیخ محمد سعیدؒ نے فرمایا کہ جب مَیں نے کعبہ کا طواف کیا تو مجھے پتھر اور اینٹیں دکھائی نہیں دیں بلکہ مَیں نے اس کے ایک ایک حصّے کو زندہ، سُننے اور دیکھنے والا پایا۔رکنِ یمانی کی شان ہی نرالی تھی۔حجرِ اسود، حطیم اور میزاب سب کا یہی حال تھا۔اللہ کے ہاں سب کا مرتبہ بہت بلند تھا اور سب کے حقائق بہت لطیف تھے۔

مصنّف نے حضرت شیخؒ کا یہ مکاشفہ اپنی عربی اور فارسی تحریروں میں کئی مقامات پر درج کیا ہے۔

مکاشفہ:

اسی رسالہ مکاشفات میں ہے کہ جب مَیں مسجد نبوی میں داخل ہوا اور محراب میں نماز ادا کی تو روضہ رسول ﷺ کی طرف سے آواز آئی: "جلدی کرو، جلدی آؤ کہ ہم تمھارے منتظر ہیں۔" مَیں نے جلدی جلدی نماز مکمل کی اور مواجہہ شریف کے سامنے حاضر

ہوگیا۔ وہاں مَیں نے حضرت رسولِ خدا ﷺ کو زندہ سلامت، حاضر و ناظر دیکھا۔ اس مشاہدے میں کوئی حجاب حائل نہیں تھا اور یہ ظاہری آنکھوں سے تھا۔ ہم میں بہت سے راز و نیاز ہوئے جو بیان نہیں کیے جاسکتے۔ مَیں نے روضۂ رسول ﷺ کو عرش، کرسی، لوح، قلم، آسمانوں اور زمینوں پر فخر کرتا ہوا دیکھا۔ مَیں نے ظاہری آنکھوں سے آٹھ مرتبہ حضور سرور کائنات ﷺ کی زیارت کی۔ الوداعی زیارت میں آپ ﷺ نے مجھ پر بہت عنایات فرمائیں۔

تیسری فصل:

حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے مختصر مناقب کے بیان میں

آپؒ علوم، احوال اور کرامات میں بے مثال ہیں۔ آپؒ کے فیوض و برکات بے انتہا ہیں۔ آپ قیّوم زمانہ اور قطبِ وقت تھے۔ حضرت مجدّدؒ کے منجھلے بیٹے تھے۔ آپؒ کا سلسلۂ نسب گیارہ واسطوں سے کابل کے بادشاہ سلطان فرخ شاہ کابلیؒ اور پچیس واسطوں سے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے۔

مَیں نے نقشبندی، قادری اور چشتی سلسلوں میں آپؒ کے شجرے اور مصافحہ کی تفصیل الگ رسالے میں لکھی ہے۔ یہاں میں مولانا بدرالدّین سرہندیؒ کے لکھے ہوئے کچھ مناقب مختصراً درج کرتا ہوں تاکہ یہ کتاب بھی آپؒ کے ذکرِ خیر سے خالی نہ ہو۔ حضرت شیخ آدم بنّوریؒ بھی آپؒ کو اپنے مرشد کے قائم مقام سمجھتے تھے۔ دونوں حضرات حلقہ وخلوت میں اکٹھے بیٹھتے تھے۔ ایک دوسرے سے دعا اور توجّہ کی درخواست اور استفادہ بھی کیا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ محمد معصومؒ، حضرت مجدّدؒ کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ آپؒ ۱۰۰۹ھ میں پیدا ہوئے اور تہتر برس کی عمر میں انتقال کیا۔ مزار مبارک سرہند میں مرجعِ خاص وعام ہے۔ حضرت مجدّدؒ فرمایا کرتے تھے کہ برخوردار محمد معصومؒ کی پیدائش ہمارے لیے بہت مبارک ثابت ہوئی کیوں کہ اس کے بعد ہمیں حضرت خواجہ عبدالباقیؒ کی خدمت میں حاضری نصیب ہوئی اور یہ تمام علوم ومعارف حاصل ہوئے۔

حضرت مجدّدؒ آپؒ کے بچپن ہی سے آپؒ کی تعریف فرمایا کرتے تھے کہ آپؒ بہت

بلند صلاحیّت کے مالک ہیں۔ انھیں قطبیّت اور ولایتِ محمدی حاصل ہے اور محمدی مشرب ہیں۔ آپؒ نے تین سال کی عمر میں کلمہ توحید ادا کر کے بولنا شروع کیا۔ حضرت مجدّدؒ نے آپؒ سے فرمایا: ''تم میرے محبوبوں میں سے ہو۔ مَیں تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ ترقّی کی طرف توجّہ رکھو۔ تحصیلِ علم سے جلدی فارغ ہو جاؤ کہ ہمیں تم سے بڑے بڑے کام لینے ہیں۔''

آپؒ سولہ سال کی عمر میں رائج علوم میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ آپؒ کے زمانۂ طالبعلمی ہی میں، جب آپؒ گیارہ سال کے تھے، حضرت مجددؒ نے آپؒ کو داخلِ سلسلہ فرمالیا تھا۔ یوں آپؒ کے ہاں ''قال'' اور ''حال'' اکٹھے ہو گئے تھے۔ فارغ التحصیل ہو کر آپ نے کچھ عرصہ درس وتدریس بھی کی لیکن ظاہر پر باطن کا غلبہ برقرار رہا۔ آپؒ نے اپنے والد ماجدؒ کی روحانیت سے استفادہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ حضرت مجدّدؒ نے بھی ہمیشہ آپؒ پر خصوصی توجّہ دی اور ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا۔ اس کے اثرات روز بہ روز ظاہر سے ظاہر تر ہونے لگے۔ جب آپؒ اعلیٰ باطنی مقامات پر فائز ہو گئے تو حضرت مجدّدؒ نے آپؒ کو خلافت عطا فرمائی۔

حضرت خواجہ محمد معصومؒ اپنے والدِ ماجدؒ کی اطاعت کا خصوصی اہتمام فرماتے اور کوشش کرتے تھے کہ حضرت مجدّدؒ کے اخلاق و کردار اور روایات سے بال برابر اختلاف بھی نہ کیا جائے۔ آپؒ کی زندگی حضرت مجدّدؒ کی زندگی کی بہترین تصویر تھی۔ حضرت مجدّدؒ نے آخری عمر میں مریدوں کی تربیت حضرت شیخ محمد سعیدؒ اور حضرت خواجہ محمد معصومؒ ہی کو سونپ رکھی تھی اور فرماتے تھے کہ ''ہر قطب کے دو امام ہوتے ہیں اور میرے امام تم دونوں ہی ہو''۔ آپؒ نے دونوں کے حق میں دعا فرمائی تھی کہ بادشاہ کے مصاحب نہ بنیں۔ اللہ کا شکر ہے

کہ ایسا ہی ہوا۔ شاہجہان بادشاہ نے بہت خواہش کی کہ آپؒ کی صحبت میں رہے لیکن ایسا ممکن نہ ہوسکا۔ ہاں کبھی کبھار ملاقاتیں ضرور ہوتی رہیں۔ شاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ آپؒ کے مرید ہوئے اور آپؒ کی دائمی صحبت کی خواہش ظاہر کی جسے آپؒ نے قبول نہ کیا۔

سینکڑوں امرا اور خوانین آپؒ کے ہاں حاضر ہوتے ہیں۔ آپؒ باری باری سب کے ساتھ خلوت میں بیٹھتے ہیں۔ علماء، فضلاء اور خاص وعام طلباء ہر وقت خدمت میں حاضر رہتے ہیں۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ ایک دن حلقۂ ذکر میں یہ ظاہر ہوا کہ جو خلعت مَیں نے پہن رکھی تھی، وہ اتار لی گئی اور نئی خلعت عطا ہوئی۔ اُتری ہوئی خلعت فرزند محمد معصومؒ کو پہنائی گئی۔ یہ خلعتِ قیومیّت کی طرف اشارہ ہے۔ امیّد ہے کہ جب یہ نئی خلعت اتاری جائے گی تو فرزند محمد سعید کو عنایت ہوگی۔ یہ خلعت دوستی کا اشارہ ہے۔

مصنّف کہتا ہے کہ یہی خلعتِ دوستی آخرکار ہمارے شیخ حضرت آدم بنوریؒ کو عطا فرمائی گئی۔

اب مَیں کچھ ایسی بشارات اور مکاشفات لکھتا ہوں جو حضرت خواجہ محمد معصومؒ یا آپؒ کے بعض مُریدین نے دیکھے۔

بشارت:

ملّا بدرالدین سرہندیؒ نے لکھا ہے کہ مَیں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ شاہی تخت پر بیٹھے ہیں اور آپؒ کے سر پر ایک وسیع سائبان تنا ہوا ہے۔ یوں

لگتا ہے کہ آسمان کے نیچے ایک اور آسمان پھیلا ہوا ہے اور پوری دنیا پر چھایا ہوا ہے۔ اس میں ہیرے اور موتی جڑے ہوئے ہیں اور اس کے اردگرد قیمتی ہیرے آویزاں ہیں۔ اس سائبان کی خوبصورتی بیان نہیں ہوسکتی۔

مصنف کہتا ہے کہ مجھے اللہ سے اُمید ہے کہ ملا بدرالدین سرہندیؒ حضرتؒ کے ساتھ اُسی سائبان کے نیچے ہوں گے کیوں کہ آدمی کا انجام اُسی کے ساتھ ہوتا ہے، جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

بشارت:

حضرت خواجہ محمد زاہدؒ روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے ۱۰۵۰ھ میں رمضان المبارک کے اعتکاف کے دوران خواب میں دیکھا کہ ایک بہت وسیع اور صاف ستھرا باغ ہے۔ پھولوں کی خوبصورت روشیں ہیں اور ایک بہت بڑا حوض بھی ہے۔ اُس باغ کے ایک گوشے میں حضرت خواجہ محمد سعیدؒ اور خواجہ محمد معصومؒ دونوں بیٹھے ہیں اور مخلوقِ خدا کے کاغذات مُہریں لگوانے کے لیے آپ حضراتؒ کے سامنے رکھے ہوئے ہیں۔ بہت سے لوگ بڑے اہتمام سے آپؒ کے حکم کے منتظر ہیں اور کاغذوں پر نام لکھ لکھ کر حضراتؒ سے دستخط کروا رہے ہیں۔ جن لوگوں کی مغفرت کا حکم ہوتا ہے، وہ اوپر جا کر مُہریں لگوا لیتے ہیں اور خواص کے حلقے میں آجاتے ہیں۔ جن لوگوں کو یہ حضراتؒ مغفرت کے قابل نہیں سمجھتے، اُن کے کاغذوں پر دستخط نہیں فرماتے۔ اِسی اثنا میں مَیں عرض کرتا ہوں کہ مجھے بھی بخشے جانے والے گروہ میں شامل کر لیجیے۔ حضراتؒ اور مہتمم صاحبان فرماتے ہیں کہ تمھیں، تمھارے بعض ساتھیوں اور اولاد کو بخش دیا گیا ہے۔ مَیں نے اگلے دو دن بھی یہی خواب بار

بار دیکھا۔

بشارت:

مکاشفاتُ الحَرَمین کے مصنف لکھتے ہیں کہ خواجہ محمد معصومؒ نے مکّہ مکرمہ میں حلقے کے بعد فرمایا کہ آج مَیں نے نہایت اعلیٰ درجے میں رشد و ہدایت کی خلعت اپنے جسم پر دیکھی اور محسوس ہوا کہ مجھے دوات اور قلم عنایت کی گئی ہے۔ یعنی ظاہری و باطنی معاملات کی تجویز اور تصحیح آپؒ کو سونپی گئی۔

بشارت:

آپؒ نے خلوت میں فرمایا کہ مدینہ کے مزارات پر میری نسبت میں عجیب ظہور اور چمک دمک پیدا ہوئی ہے اور مجھے اپنا قُرب اور مرتبہ محسوس ہوگیا ہے۔ یہاں تک کہ مَیں نے دیکھا کہ ساری دنیا میری نسبت سے معمور ہوگئی ہے اور تمام فیوض و برکات اسی کی وجہ سے ہیں۔ مجھے اکثر اوقات دوات اور قلم حاضر دکھائی دیتے ہیں تا کہ مَیں اہم معاملات میں مشورہ لکھوں یا ان کی تصحیح کردوں۔ ساتھ ہی مجھے محبوبیت کے اَسرار و رموز بھی عطا کیے گئے۔

پھر فرمایا کہ اپنی نسبت کے غلبے پر مجھے تعجب ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے حضور میں کسی دوسرے کی نسبت کا ایسا ظہور کیسے ہوسکتا ہے؟ آخر مجھے یہ جان کر تسلّی ہوئی کہ یہ سب کچھ حضرت سرورِ کائنات ﷺ کی برکتوں کے طفیل ہے۔

مکاشفہ:

جہاز میں آپؒ نے فرمایا کہ ہمارے والدِ ماجدؒ نے اِن دنوں بہت مہربانی فرمائی ہے۔ آج رات خواب میں دیکھا ہے کہ ہم تینوں بھائی آپؒ کی خدمت میں حاضر ہیں

آپؒ نے ہمیں تین چادریں عنایت فرمائی ہیں۔ بڑے بھائی شیخ محمد صادقؒ نے وہ تہ کی ہوئی چادر اسی طرح سنبھال لی۔ اُن سے چھوٹے بھائی مخدومی محمد سعیدؒ نے تھوڑی سی کھول کر کندھے پر ڈال لی ہے اور مَیں نے اپنی چادر پوری کھول کر اوڑھ لی ہے۔

مصنّف کہتا ہے کہ اس مکاشفے سے کمال کے درجات اور رشد وہدایت میں وسعت کے فرق کا پتہ چلتا ہے۔ تینوں بھائیوں کے درجات اور فیضان میں بھی اِسی ترتیب کے مطابق فرق ہے۔

مکاشفہ:

آپؒ فرماتے تھے کہ جب ہم مکّہ شریف آئے اور حاضری کا طواف کیا تو ہم نے بہت خوبصورت مَردوں اور عورتوں کی ایک جماعت کو بھی اپنے ساتھ طواف میں شریک پایا۔ وہ لوگ ایسے ذوق وشوق سے طواف کررہے تھے کہ کوئی اور مخلوق ہی لگتے تھے۔ وہ ہر لمحے خانہ کعبہ کو چومتے اور اُس سے لپٹتے تھے۔ ان کے پاؤں زمین پر نہیں لگ رہے تھے اور سر آسمان کو چھو رہے تھے۔ پھر مشاہدہ ہوا کہ کعبہ بھی ان کے ساتھ آسمان پر چلا گیا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ فرشتے اور حُوریں تھیں۔

مکاشفہ:

فرمایا: جب مَیں منیٰ پہنچا اور مسجد خیف میں بیٹھا تو دیکھا کہ حضرت رسولِ خدا ﷺ بھی وہاں تشریف لائے ہیں۔ آپ ﷺ کے جلال اور نُور سے زمین و آسمان روشن ہوگئے اور ہر چیز اسی نُور میں ڈوب گئی۔

مکاشفہ:

گیارہ تاریخ کو فرض طواف کے لیے منیٰ سے روانہ ہوئے۔ فرمایا کہ جب طواف سے فارغ ہوئے تو حج کے ثواب اور قبولیت کا مُہر شدہ کاغذ عطا ہوا۔ اگرچہ ابھی جمرات کا مرحلہ باقی تھا لیکن ارکان کی ادائگی سے گویا حج مکمل ہوگیا تھا۔

مکاشفہ:

مکّہ معظّمہ میں آپؒ طواف کو سب سے اہم عبادت قرار دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ طواف کے دوران عجیب معاملات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ کبھی کعبہ ہم سے گلے ملتا ہے اور کبھی ہم اس کا بوسہ لیتے ہیں اور اسے چُھوتے ہیں۔ ایک دن دکھائی دیا کہ مجھ سے انوار و برکات اتنی زیادہ نکل رہی ہیں کہ انھوں نے تمام چیزوں کا احاطہ کرلیا ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ مجھ پر حقیقتِ کعبہ ظاہر ہوئی ہے اور اِن انوار کی وجہ یہی انکشاف ہے۔

مکاشفہ:

آپؒ نے فرمایا کہ ایک دن ملتزم کے پاس مَیں نے بڑی عاجزی سے بارگاہِ الٰہی میں درخواست کی کہ میری راہنمائی فرمائی جائے کہ مَیں لوگوں کو بیعت کرنے کا سلسلہ جاری رکھوں یا چھوڑ دوں۔ آخر ظاہر ہوا کہ سلسلہ جاری رکھنے ہی میں مکمل رضا ہے۔ اس کے ترک میں رضا نہیں ہے۔

مکاشفہ:

مدینہ منوّرہ میں روضۂ رسول ﷺ کی حاضری کے بعد آپؒ نے فرمایا کہ پہلے ایک سرخ خلعت عطا ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرت صدیق اکبرؓ کے طرف سے دی گئی ہے۔ پھر

اسی مجلس میں زرد رنگ کی ایک خلعت دی گئی۔ اندازہ ہوا کہ یہ حضرت فاروق اعظمؓ کی طرف سے بخشی گئی ہے۔ رخصت ہوتے وقت تیسری خلعت ملی۔ یہ سبز رنگ کی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ خلعت حضرت رسولِ کریم ﷺ نے عطا فرمائی ہے۔

مکاشفہ:

آپؒ نے فرمایا: اس جمعہ کی رات کو کچھ ایسے اسرار و رموز اور انوار کی موجیں عطا کی گئی ہیں کہ ان کے بارے میں اشارۃً بھی بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہ ظاہری کر دی جائیں تو گلا کاٹ دیا جائے۔

مکاشفہ:

بیس جمادی الآخر کو آپؒ الوداعی زیارت کے لیے روضۂ رسول ﷺ پر حاضر ہوئے۔ جُدائی کے احساس سے آپؒ پر غم واندوہ کا غلبہ تھا۔ یہاں تک کہ آپؒ پر گریہ طاری ہو گیا۔ اس سلسلے میں ایک دن آپؒ نے فرمایا کہ مَیں اس غم سے افسردہ تھا کہ اچانک مرقدِ منوّر کی طرف سے حضرت سرورِ کائنات ﷺ کا ظہور ہوا۔ آپ ﷺ نے بہت لطف و کرم سے مجھے ایک خلعت اور تاج پہنایا۔ معلوم ہوا کہ یہ خاص خلعت ہے اور آنحضرت ﷺ نے اپنے بدنِ مبارک سے اتار کر مجھے عطا فرمائی ہے۔ بعد میں مَیں نے اپنے فرزندوں کے لیے بھی خلعتوں کی درخواست کی۔ چنانچہ ہر ایک کو ایک ایک خلعت عطا ہوئی۔

مصنّف لکھتا ہے کہ مَیں ۱۰۶۸ھ میں مکّہ اور مدینہ میں آپؒ کے ہمراہ تھا۔ مَیں نے حرَمین میں ہونے والے اکثر مکاشفے آپؒ کی زبانی سُنے۔ عرب و عجم کو آپؒ سے بہت سے ظاہری و باطنی فوائد حاصل ہوئے۔ آپؒ پر نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی طرف سے

بہت سی عنایات ہوئیں اور خلعتیں بخشی گئیں۔خلعت سے مراد مخصوص نسبت ہوتی ہے اور اس نسبت کا اظہار خلعت کی شکل میں ہوتا ہے۔اُنھی دنوں مَیں نے ایک سچا خواب دیکھا کہ آپؒ اپنے صاحبزادگان، ساتھیوں اور راقم الحروف کے ساتھ محراب شریف کے پاس بیٹھے ہیں اور ہم سب مل کر بارگاہِ رسالت ﷺ کی طرف متوجہ ہیں۔اچانک مجلس میں کچھ خلعتیں اور ایک انگوٹھی ظاہر ہوئی۔حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے اپنے منجھلے صاحبزادے شیخ محمد نقشبندؒ کو خلعتیں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔انھوں نے تعمیل کی۔مجھے بھی ایک خلعت عطا ہوئی۔اس کے پہننے سے نسبتِ خاصّہ میں بہت ترقی ہوئی۔اب مَیں نے دھیان سے انگوٹھی کو دیکھا تو اس پر لفظ ''مجدّدؒ'' لکھا ہوا تھا۔آپؒ نے وہ انگوٹھی اپنے بیٹے شیخ عبید اللہؒ کو عنایت فرمائی۔

بشارت:

شیخ محمد عسکریؒ نے کعبہ شریف کے سامنے بیان کیا کہ شیخ عبدالمومن متقیؒ، حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے روضے میں مراقبہ کر رہے تھے۔انھوں نے ایک نور دیکھا جس نے حضرت رسالت مآب ﷺ اور خواجہ محمد معصومؒ کا احاطہ کر رکھا تھا۔اسی اثنا میں آنحضرت ﷺ نے آپؒ پر بہت شفقت کی اور فرمایا کہ جس نے تم سے مصافحہ کیا، گویا اُس نے مجھ سے مصافحہ کیا۔اس بشارت کے بعد اکثر حاضرین نے آپؒ سے مصافحے کی سعادت حاصل کی۔

کرامات:

شیخ بدرالدین سرہندیؒ لکھتے ہیں کہ آپؒ کی کرامات کے سلسلے میں کیا لکھا

جائے۔آپؒ کی کرامات کے ضمن میں آپؒ کے مُریدوں اور خلفاء نے بہت سی روایات بیان کی ہیں۔اب عوام النّاس کے لیے آپؒ کی کچھ کرامتیں لکھی جاتی ہیں۔

کرامت:

۱۰۶۷ھ میں حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے دل میں مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کا شوق بے حد غالب آ گیا۔سفر کی استطاعت نہیں تھی۔عقیدمندوں نے بھی روکا۔برّی اور بحری سفر کی مشکلات کا خوف بھی تھا۔آپؒ فرماتے ہیں کہ جب لوگوں نے منع کیا اور سفر کے مسائل بیان کیے تو دل میں کچھ تردّد پیدا ہوا لیکن جب مَیں نے توجّہ کی تو اپنے آپ کو ساتھیوں سمیت کعبہ شریف میں موجود پایا۔نیز اشارہ ہوا کہ تمام مشکلیں آسان کردی گئی ہیں۔آخر اسی طرح ہوا۔آپؒ تقریباً ایک سو ساتھیوں کے ہمراہ حرَمین میں پہنچ گئے۔ساتھیوں میں آپؒ کے بھائی اور درویش شامل تھے۔حرَمین میں آپؒ کی بہت پذیرائی ہوئی۔

کرامت:

آپؒ کو کشف ہوا تھا کہ آپؒ کی حرَمین روانگی کے بعد، ہندوستان میں فتنہ وفساد اور مصیبتوں کا دور شروع ہوجائے گا۔اور حقیقت میں ایسا ہی ہوا۔آپؒ کے روانہ ہونے کے بعد سرہند اور اس کے گردونواح میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی اور شاہجہان اور دارا شکوہ کی سلطنت میں خلل پڑ گیا۔وبا، قحط اور فتنے میں ہزاروں لوگ مارے گئے۔اکثر لوگوں کو یقین ہوگیا کہ سرہند کے حضراتؒ کا وجود ہندوستان کے امن وامان کی ضمانت ہے۔

کرامت:

شہزادوں میں جنگ کے دوران آپؒ اس جنگ کے بارے میں تذبذب کا شکار تھے۔ چنانچہ آپ مدینہ شریف کے روضے حاضر ہوئے آپ نے بارگاہِ رسالت ﷺ سے راہنمائی طلب کی۔ آپؒ کو الہام ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی مرضی یہ ہے کہ جنگ اختیار کی جائے۔ اس دوران آپؒ کے دل میں داراشکوہ اور سلسلہ نقشبندیہ سے اس کی عداوت کا خیال آیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت رسول کریم ﷺ ظاہر ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں تلوار ہے اور آپ ﷺ داراشکوہ کے قتل کا اشارہ فرما رہے ہیں۔ آخر اسی طرح ہوا اور داراشکوہ قتل ہو گیا۔ اس سے کئی سال پہلے آپؒ کو حضرت مجددؒ کے روضے میں کشف ہوا تھا کہ داراشکوہ کو زوال اور امیر المومنین محمد اورنگ زیب کو عروج نصیب ہوگا۔

یہ واقعہ آپ کی کرامت اور حضرت رسالت مآب ﷺ کا معجزہ ہے۔

کرامت:

شیخ محمد صدیق پشاوریؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار مَیں پشاور سے آپؒ کی خدمت میں حاضری کے لیے روانہ ہوا۔ مَیں ایک خچر پر سوار تھا۔ راستے میں اچانک خچر بدک گیا اور مَیں زین سے گر گیا لیکن میرا پاؤں رکاب میں پھنسا رہا۔ خچر مجھے گھسیٹتا ہوا بھاگے جاتا تھا۔ لوگوں نے اسے پکڑنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ تکلیف کی اس حالت میں مَیں نے آپؒ کو یاد کیا۔ اُسی وقت مَیں نے آپؒ کو اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھا کہ آپؒ نے خچر کی لگام پکڑ کر اسے روک دیا ہے۔ میرا پاؤں رکاب سے آزاد ہو گیا۔ مَیں آپؒ کی قدم بوسی کرنا ہی چاہتا تھا کہ آپؒ غائب ہو گئے۔

کرامت:

ملا محمد محسن کابلیؒ بتاتے تھے کہ ایک بار خواجہ محمد معصومؒ رمضان میں معتکف تھے۔ مَیں صُبح صُبح آپؒ سے ملنے چلا گیا۔ دیکھا کہ آپؒ سو رہے ہیں۔ مجھے خیال آیا کہ نیند تو غفلت ہوتی ہے۔ اُسی وقت آپؒ نے سر اُٹھا کر یہ شعر پڑھا:

سَحَر کرشمۂ وصلش بہ خواب می دیدم

زہی مراتبِ خوابی کہ بہ زبیداری ست

(ترجمہ) صبح کے وقت مَیں خواب میں محبوب کے وصال کا کرشمہ دیکھ رہا تھا۔ اس نیند کے درجات کی کیا ہی بات ہے جو بیداری سے بہتر ہو!

مَیں اس برمحل جواب سے بہت شرمندہ ہوا اور مَیں نے تائب ہو کر معافی مانگی۔

چوتھی فصل:

حضرت شیخ آدم بنّوریؒ کے بعض مشائخ کے مختصر فضائل

حضرت شیخ طاہر بندگی لاہوریؒ:

حضرت شیخ طاہر لاہوریؒ حضرت مجددؒ کے بڑے خلفاء میں سے ہیں۔ حضرت سیّد آدم بنّوریؒ کو نقشبندی سلسلے میں خلافت ملی اور آپؒ نے بنّور میں سلسلے کی اشاعت شروع کی تو کچھ عرصے کے بعد آپؒ نے شیخ طاہر بندگی لاہوریؒ میں قادری سلسلے کا غلبہ دیکھا اور ان کی خدمت میں لاہور جا کر قادری سلسلے میں نسبت حاصل کر کے بنّور واپس آئے۔

حضرت بنّوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ مَیں ہندوستان میں بہت پھرا ہوں۔ حضرت مجددؒ سے فیض یاب ہونے سے پہلے مَیں کئی قادری بزرگوں سے ملا تھا اور ان سے فیض پایا تھا لیکن جو مرتبہ شیخ طاہرؒ کو حاصل ہے۔ وہ مَیں نے کسی اور میں نہیں دیکھا۔ گویا یہ مرتبہ ومقام بھی حضرت مجددؒ ہی کی صحبت کا فیض ہے۔

چوں کہ شیخ طاہر بندگیؒ، حضرت بنّوریؒ کے مشائخ میں شامل ہیں اس لیے اُن کا ذکر اِس کتاب میں ضروری ہے۔ شیخ طاہر بندگیؒ کے علاوہ حاجی خضرؒ بھی حضرت سیّد آدم بنّوریؒ کے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کا ذکر بھی کیا جائے گا۔

شیخ طاہر بندگیؒ نقلی و عقلی علوم کے ماہر اور لاہور کے مشہور شیخِ طریقت تھے۔ آپؒ نے بہت ریاضتیں اور مجاہدے کیے۔ صاحبِ کشف و کرامت تھے۔ علماء، صلحاء اور عوام میں یکساں مقبول تھے۔ جب آپؒ میں طریقت کا ذوق پیدا ہوا تو آپؒ نے حضرت مجددؒ سے زیادہ کامل کسی کو نہ پایا اور آپؒ کے آستانے پر حاضر ہو گئے۔ آپؒ بڑی عاجزی وانکساری

کے ساتھ کئی سال حضرت مجددؒ کی بارگاہ میں حاضر رہے۔ حضرت مجددؒ کے صاحبزادگانِ والاشان کی تعلیم و تربیت آپ ہی کے سپرد ہوئی۔ تمام تر علم و فضل کے باوجود آپؒ پر حضرت مجددؒ کی اِتنی ہیبت طاری رہتی تھی کہ بیان نہیں کی جاسکتی۔ کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت مجددؒ نے آپؒ کو امامت کا حکم دیا۔ آپؒ کا رنگ اُڑ گیا اور جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ باکمال حافظ اور قاری ہوتے ہوئے بھی حضرت مجددؒ کے رعب کی وجہ سے آپؒ بہت زیادہ اٹک اٹک کر قرات کرتے رہے۔

اِسی ادب و احترام کی برکت سے آپؒ حضرت مجددؒ کے حضور میں کمال و تکمیل کے مرتبے تک پہنچ گئے۔ حضرت مجددؒ نے آپؒ کو سلسلہ نقشبندیہ میں خلافت و اجازت عطا کی نیز قادری سلسلے میں خرقۂ ارادت اور چشتی سلسلے میں خرقۂ تبرّک سے بھی نوازا۔ حضرت مجددؒ نے آپؒ کو خلافت نامہ دے کر لاہور بھیج دیا تا کہ آپؒ لوگوں کی راہنمائی کریں۔

حضرت مجددؒ نے خلافت نامہ میں شیخ طاہر بندگیؒ کو ''عالم، عامل، فاضل اور کامل'' جیسے القاب سے یاد کیا ہے۔ اس میں آپؒ نے لکھا ہے کہ جب شیخ طاہرؒ کو سلسلے میں داخل ہوئے کچھ عرصہ گذرا تو مجھ پر ظاہر ہوا کہ وہ ایک بہت بڑی مصیبت میں پھنس کر راہِ راست سے بھٹک جائیں گے اور اہلِ حق کے مذہب سے نکل کر باطل مذہب کی طرف مائل ہو جائیں گے لیکن مَیں نے اللہ کی بارگاہ میں بڑی عاجزی اور خلوص سے اُن کے حق میں دعا کی کہ وہ اس مصیبت سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ یہ زاری سُنی گئی۔ کچھ عرصے کے بعد وہ آہستہ آہستہ استقامت سے ہٹتے گئے اور بھٹک گئے یہاں تک کہ مَیں اُن کی اصلاح سے مایوس ہو گیا لیکن بالآخر اللہ نے کرم فرمایا اور وہ راہِ راست پر آ گئے۔ اور جذبے کی تمام منزلیں اور سُلوک کے تمام مقامات طے کر لیے اور خلافت و اجازت کے اہل ہو گئے۔

لاہور پہنچ کر شیخ طاہر بندگیؒ طالبوں کی تربیت میں مشغول ہو گئے لیکن تنہائی اختیار کیے رکھی اور لوگوں سے ملنے سے بچتے رہے۔ ان کے حجرۂ خلوت کا دروازہ دولتمندوں، اُمرا اور خوانین کے لیے بھی نہیں کھلتا تھا۔ ان کا ذریعہ معاش یہ تھا کہ تفسیر و حدیث کی کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھتے، حاشیہ آرائی اور تزئین کرتے اور متن کی غلطیاں درست کر کے فروخت کرتے۔ کتابوں کی تجارت پر ہی گذران تھی۔ عمر کا بیشتر حصّہ شادی نہ کی۔ آخر سنّت پر عمل کرنے کے لیے شادی کر لی۔ ہر سال یا ایک سال چھوڑ کر حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے، فیض پاتے اور پھر آپؒ کی اجازت سے لاہور چلے جاتے تھے۔ لاہور میں آپؒ رشد و ہدایت میں مصروف رہتے۔

آپؒ نہایت اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ طبیعت میں درویشی، عاجزی اور فنا کا غلبہ تھا۔ ایک بار حضرت مجددؒ نے ابلیس کو دیکھا اور اس سے پوچھا کہ میرے کن ساتھیوں پر تم غالب نہیں آسکتے؟ ابلیس نے کہا کہ مَیں شیخ طاہرؒ پر غالب نہیں آسکتا، جب وہ بھوکے ہوں۔ آپؒ کثرتِ ریاضت و مجاہدہ کی وجہ سے ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے تھے۔

لاہور میں آپؒ ظاہری طور پر اپنے پیر و مرشد سے دُور ہوتے تھے۔ ان دنوں آپؒ خطوں کے ذریعے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے احوال حضرت مجددؒ کی خدمت میں لکھا کرتے تھے۔ آپؒ کے کچھ خط یہاں درج کیے جاتے ہیں:

عریضہ:

ناچیز خادم محمد طاہر عرض کرتا ہے کہ جب مَیں آستانہ عالیہ سے لاہور کے لیے روانہ ہوا تو ہر قدم پر اپنے آپ سے کہتا کہ اے نادان! منزلِ مقصود کو پیچھے چھوڑ کر کہاں

جاتے ہو؟ لیکن غیب سے کوئی کہتا کہ سفر جاری رکھو۔ بہر حال کشاں کشاں اس شہر میں پہنچا دیا گیا ہوں۔

مسجد کے کونے میں حیران بیٹھا تھا کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ کی روحانیت کا ظہور ہوا۔ اس کے نتیجے میں، اُن کے اور آپ کے حکم کے مطابق مَیں نے کچھ لوگوں کو مشغول کیا ہے۔ ایک اعلیٰ صلاحیت کے مالک نوجوان کو مشغول کرتے ہی اُس کے سارے بدن میں ذکر سرایت کر گیا اور وہ سر سے لے کر پاؤں تک صاحبِ ذکر بن گیا۔ کچھ اور ساتھیوں کو بھی دلی سکون اور حضوری کی کیفیت نصیب ہوئی۔

ابھی محفل خوب جم نہیں پائی تھی کہ کچھ حاسدوں نے مقامات کے بارے میں، خاص طور پر حضرت صدیق اکبرؓ کے مقام کے متعلق آں جناب کی بات کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کرنا شروع کر دیا۔ اس سے طالب ٹھنڈے پڑ گئے ہیں۔ ان لوگوں نے بڑا فتنہ پھیلایا۔ مولانا شیخ حامدؒ آپ کا وہ مکتوب شیخ الاسلام ملّا عبدالسلام کے پاس لے گئے۔ مولانا نے اس کا مطالعہ کر کے کہا کہ اس میں تو اعتراض یا شک وشبہے کی کوئی بات نہیں ہے۔ ملّا عبدالسلام کے دل میں عقیدت پیدا ہو گئی ہے اور حاسدوں کے مُنہ بند ہو گئے ہیں۔

عریضہ:

حضورِ والا! تینوں سلسلوں کی نسبتیں جلوہ گر ہیں۔ مشائخ فوج در فوج آتے ہیں اور بہت کرم فرماتے ہیں، خاص طور پر خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت غوث پاکؒ اور بابا فرید گنج شکرؒ۔ نیز ذکر کے حلقے اور نماز وتراویح میں حضرت رسالت مآب ﷺ کئی ہزار صحابہؓ اور مشائخؒ کے ہمراہ آ کر تا دیر تشریف فرما رہتے ہیں اور نوازشات فرماتے

ہیں۔ اعتکاف کے عشرے میں آنحضرت ﷺ نے خلعت عنایت فرمائی۔ حضرت فاطمہ زہرا ؓ نے بھی خصوصی کرم کیا اور عنایات فرمائیں۔ اِن واقعات کے ساتھ ساتھ عروج ونزول کی بہت سی کیفیتیں بھی وارد ہوئیں۔

ایک بار مَیں نے خود کو روضۂ رسول ﷺ میں حاضر پایا۔ اس کے بعد روضۂ رسول ﷺ اپنے گھر میں دکھائی دیا۔ اس سے نکلنے والے نور سے اس کی حقیقت تک بھی رسائی ہوئی۔ یہ شرف کئی بار حاصل ہوا۔ اس کے بعد یوں لگا جیسے تمام حجابات دُور ہو گئے ہوں اور حقیقت کا واضح ظہور ہوا ہو۔ گفتگو کا شرف بھی ملا۔ اب نہ وصال ہے، نہ فراق، نہ طلب ہے اور نہ بے طلبی۔ کوئی کیفیت بھی غالب نہیں ہے، نہ مثبت، نہ منفی۔

عریضہ:

حضورِ والا! اس سے پہلے نقشبندی، قادری اور چشتی تینوں نسبتیں باری باری ظاہر ہوتی تھیں اور کبھی کبھار ملی جلی بھی ہوتی تھیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی نسبت غالب ہوتی تھی اور دوسری مغلوب۔ ایک بار چشتی نسبت بہت زیادہ غالب آ گئی۔ یہاں تک کہ مَیں دوسری نسبتوں سے مایوس ہو گیا۔ اجمیر سے پشاور اور کابل تک چشتیوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ غلبہ بھی دکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم بہت طاقت والے ہیں۔ پھر خود ہی جواب میں کہتے تھے کہ: "اِنَّ الْمُلُوکَ اِذَا دَخَلُوا قَرْیَۃً اَفْسَدُوھَا" [۲۷/۳۴] (جب بادشاہ کسی علاقے میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ وبرباد کر دیتے ہیں) اسی اثناء میں نقشبندی حملہ کر دیتے اور ان کی نسبت کو مسخر کر لیتے۔ لیکن چشتی نسبت ابھی تک اپنی جگہ پر برقرار ہے جب کہ نقشبندی نسبت انجام پذیر ہو گئی ہے۔ اب تینوں نسبتیں ایک ہو گئی

ہیں۔ کبھی کبھی کوئی نسبت، دوسری پر غالب بھی آجاتی ہے۔ مشائخ کی نسبت میں سیر کم ہوگئی ہے۔ کبھی کبھار میسر آتی ہے۔ اِن دنوں خلفائے ثلاثہؓ کے علاوہ باقی صحابہؓ کی نسبت میں بکثرت سیر نصیب ہوئی ہے۔ اکثر اوقات حضرت سرورِ کائنات ﷺ کی نسبت میں سیر کی سعادت حاصل ہوتی ہے اور بہت اچھی لگتی ہے۔ اس نسبت کے سامنے اور کسی نسبت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اِس فقیر کی یہی خواہش ہے کہ اِسی نسبت نبوی ﷺ میں اضافہ اور ترقی ہو۔ آپ کی بارگاہ میں میری یہی درخواست ہے کہ میری یہ خواہش پوری ہوجائے اور دوسرے احوال ومقامات کی خبر نہ رہے۔

عریضہ:

بعض اوقات ایسی چیزیں پیش آتی ہیں جن کے ظاہر کرنے سے شرم محسوس ہوتی ہے۔ بعض اوقات کیفیت کے غلبے میں کہا جاتا ہے کہ جس نے تجھے دیکھ لیا، ہم نے اُس پر دوزخ کی آگ حرام کردی۔ کبھی فرمایا جاتا ہے کہ جس نے تجھ سے بیعت کرلی، ہم نے اُسے بخش دیا۔ اسی طرح حضرت غوث الاعظمؒ کی خصوصی شفقت کا ظہور بھی ہوا اور آپؒ نے میرے بارے میں ارشاد فرمایا کہ تیرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے۔

عریضہ:

حضرت والا! اگرچہ تینوں نسبتیں مختلف انداز میں ایک دوسرے پر غالب آتی رہتی ہیں لیکن مَیں بیعت سلسلۂ نقشبندیہ ہی میں کیا کرتا ہوں۔ اِس علاقے کے درویش اس بارگاہ کے دعاگو ہیں اور حضورِ قلب اور جمعیتِ خاطر سے مالامال ہیں۔ بعض ساتھی خلافت واجازت کے لائق بھی ہوگئے ہیں۔ ان میں سے ایک حافظ یعقوب ہیں۔ وہ عالم، عامل

اور بے نظیر قاری ہیں۔شریعت کے پابند،توکل میں کامل اور عالی ہمت آدمی ہیں۔وہ طیران اور نزول کے درجوں سے گذر چکے ہیں۔انھیں ایک طرح سے اجازت دے دی گئی ہے لیکن وہ آں جناب کے لطف وکرم کے امیدوار ہیں۔

ایک ساتھی حافظ محمود ہیں۔وہ بھی عالم، عامل اور قاری ہیں۔کئی مرحلے گذار چکے ہیں لیکن ان میں ایک طرح کا اضطراب بھی ہے۔مَیں کئی دنوں کی کوشش سے اسے کم کرنے میں کامیاب نہیں ہوا ہوں۔وہ بھی آپ کی عنایت کے طالب ہیں۔کچھ اور طالب بھی مختلف مرحلوں میں تربیت پا رہے ہیں۔ایک صاحب پشاور سے آئے تھے۔جوں ہی انھیں تعلیم دی گئی، اُن کے چاروں لطیفے ظاہر ہوگئے۔وہ واپس وطن جانا چاہتے تھے لیکن ایسی حالت میں اُن کا جانا مشکل تھا۔ان کی کیفیت کم کردی گئی۔چوں کہ وہ طالبِ علم، حافظ، قاری اور کامل متقی تھے، اِس لیے اُنھیں خلافت بھی دے دی گئی۔

محترم مولانا حامد میرے شاگرد رہے ہیں۔ اِن دنوں انھوں نے بھی روحانی تلقین لی اور خوب فائدہ ہوا۔اُنھیں مجھ سے بہت مناسبت ہے۔جب میرے پاس بیٹھتے ہیں تو خود کو فراموش کردیتے ہیں۔اِس کے باوجود اُن کے معاملے میں کوئی رکاوٹ معلوم ہوتی ہے۔حضور کی توجہ کے طالب ہیں۔اُنھوں نے حضرت خواجہ خاوند محمودؒ سے بھی سبق اور تلقین لی تھی لیکن ذرّہ بھر اثر بھی نہیں ہوا تھا۔حالاں کہ کافی عرصہ اُن کے ساتھ بھی رہے تھے۔

عریضہ:

حضورِ والا! ایک بہت بلند مقام نصیب ہوا ہے۔فرمایا گیا ہے کہ اِس مقام سے

کسی کو مشرف نہیں کیا گیا۔اس حالت میں بے پناہ ذوق وشوق حاصل ہوا ہے۔حضرت خواجہ نقشبند کی باطنی امداد بہت زیادہ تھی۔

ایک دن حضرت سرور کائنات ﷺ کی محبت نے مجھ پر بہت زیادہ غلبہ پالیا یہاں تک آرام وسکون جاتا رہا۔مَیں بارگاہِ الٰہی میں زاری کرنے لگا۔اتفاق سے مَیں نے اپنے آپ کو اسی لمحے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر پایا۔فرمایا گیا: ''یہ لو، ہم نے پیغمبر ﷺ کو بھیج دیا ہے۔اللہ کا شکر ہے جس نے اس مقام تک پہنچایا''۔مجھے نہیں معلوم کہ ایسے بھید ظاہر کرنے چاہئیں یا نہیں؟

مختلف مشائخ ؒ کے مقامات میں سیر بھی نصیب ہو رہی ہے۔مَیں حال ہی میں کچھ عرصہ حضرت سیّد علی ہجویریؒ کی نسبت سے فیض پاتا رہا ہوں۔اُنھوں نے بہت مہربانیاں کیں۔ان کی نسبت بہت عظیم اور لطیف ہے اور اس میں تبلیغ کا غلبہ ہے۔جن دنوں حضرت خواجہ اجمیریؒ کی نسبت کا غلبہ تھا، ان دنوں حضرت خواجہ نقشبندؒ بارہا میرے سر پر چترِ شاہی رکھتے تھے۔نجانے ایسے واقعات سے کیا مراد ہے؟

مصنف کہتا ہے کہ اِس واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ طاہر لاہوریؒ اپنے علاقے کے قطب رہے ہیں۔اس کی ایک اور مضبوط دلیل بھی ہے اور وہ یہ کہ حضرت سیّد آدم بنوریؒ سے روایت ہے کہ ایک بار آپؒ حضرت مجدّدؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔حضرت نے شیخ محمد طاہرؒ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمھیں اُس علاقے کا قطب بنا دیا گیا ہے۔

حضرت شیخ طاہر بندگیؒ کی عمر چھپّن سال تھی۔ان کا انتقال جمعرات، بیس محرم ۱۰۴۰ھ کو ہوا۔آپؒ کا مزار لاہور کے قبرستان میانی صاحب میں ہے۔

حاجی خضر روغانیؒ :

آپؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اکابر خلفاء اور حضرت شیخ بنوریؒ کے مشائخ میں سے ہیں۔ حضرت بنوریؒ نے شروع میں انھی سے نقشبندی سلسلے کی تلقین لی تھی۔ حضرت حاجی خضرؒ نے جب حضرت بنوریؒ کے عجیب وغریب احوال کا مشاہدہ کیا تو آپؒ کو حضرت امام ربانیؒ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

حضرت سیّد بنوریؒ فرماتے ہیں کہ اُنھی دنوں مَیں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت غوث الاعظمؒ اور حاجی خضرؒ اکٹھے آئے ہیں اور کھانا لائے ہیں۔ حضرت غوث الاعظمؒ نے کچھ لقمے حاجی خضرؒ کے منہ میں رکھے اور چند چھوٹے چھوٹے لقمے مجھے کھلائے۔ مجھے خیال آیا کہ مجھے چھوٹے لقمے کیوں دے رہے ہیں۔ حضرت شیخؒ اس خیال سے آگاہ ہو گئے اور فرمانے لگے: ''مطمئن رہو۔ تمھیں ابھی کم دیا ہے، زیادہ باقی ہے۔ تمھیں درجہ بہ درجہ اعلیٰ مرتبے پر پہنچانا ہے''۔

حضرت حاجی خضرؒ حضرت مجددؒ کے پرانے اور مخلص ساتھیوں میں سے تھے۔ آپ سرہند کے نواحی قصبے بہلول پور کے رہنے والے تھے۔ وہیں دفن بھی ہوئے۔ حاجی خضرؒ کو حضرت امام ربانیؒ کے والدِ گرامیؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت بھی حاصل تھی۔ آپؒ نے جوشِ عشق میں تجرید اختیار کی اور بہت زیادہ سیاحت کی۔ سیر و سفر کے دوران بہت سے مشائخ سے ملے۔ حجاز اور بیت المقدس کا سفر بھی کیا۔ ہر جگہ اُنھیں کئی دلچسپ واقعات پیش آئے۔ ان سب باتوں کا ذکر بہت طویل ہو جائے گا۔ بہر حال حاجی خضرؒ کا دل کہیں بھی نہ لگا۔ جب حضرت مجددؒ کی خدمت میں پہنچے تو وہیں کے ہو کر رہ گئے اور اس مرتبے پر فائز ہوئے کہ ایک بار حضرت مجددؒ نے ابلیس کو دیکھا اور اس سے پوچھا کہ

تم ہمارے ساتھیوں میں سے کس پر غالب نہیں آ سکے ہو؟ ابلیس نے کہا کہ مَیں نے حاجی خضرؒ کو پھنسانے کی بہت کوشش کی ہے لیکن وہ میرے فریب میں نہیں آئے۔

حضرت مجددّ الف ثانیؒ کبھی کبھی حاجی خضرؒ سے ہنسی مذاق بھی کرلیا کرتے تھے۔ حاجی خضرؒ بہت خوش الحانی سے بلند آواز میں اذان دیا کرتے تھے۔ان کی سرہند میں موجودگی کے دوران اور کوئی اذان نہیں دیا کرتا تھا۔اُن کی اذان میں بہت تاثیر تھی۔جمعرات کو وہ بڑے ذوق وشوق سے مسجد کے حجروں میں صلوات وسلام پڑھا کرتے اور سحر کے وقت اشعار پڑھتے اور روتے تھے۔

شیخ بدرالدین سرہندیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت مجددّ کی زندگی میں مجھے ایک بار رمضان المبارک میں حاجی خضرؒ کے ساتھ ایک ہی حجرے میں اعتکاف بیٹھنے کا موقع ملا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مَیں ان کی تلاوت واذکار کا بیان کروں یا ان کے مراقبہ واستغراق کی بات کروں، اُن کے درد وسوز کا ذکر کروں یا اہلِ طریقت کی خدمت گاری کی تعریف کروں۔مَیں نے انھیں ایک لمحہ بھی غافل نہ پایا۔

حاجی خضرؒ کو بہلول پور میں حضرت مجددؒ کی وفات کی خبر ملی۔سنتے ہی بے ہوش ہوگئے۔ہوش میں آئے تو گرتے پڑتے، روتے دھوتے سرہند حاضر ہوئے۔صاحبزادگان کی قدم بوسی کے وقت وہ اتنا زاروقطار روئے کہ حضرت مجددؒ کا ماتم تازہ ہوگیا۔پھر اُنھوں نے اذان دی اور حضرت شیخؒ کا زمانہ یاد آ گیا۔تمام درویش اور اہلِ محلّہ فرطِ گریہ سے نڈھال ہوگئے۔یوں لگتا تھا جیسے حضرت نے آج انتقال کیا ہے۔

حاجی خضرؒ اپنے پیرومرشدؒ کے فراق میں خود بھی روتے رہتے اور دوسروں کو بھی رلاتے۔یہاں تک کہ کچھ ہی عرصے بعد وفات پاگئے۔

مطلبِ دُوُم

حضرت سیّد آدم بنّوریؒ کے مختصر مناقب کے بیان میں:

اس میں نو باب ہیں۔

بابِ اوّل

حضرت سیّد بنّوریؒ کی ولادت اور ابتدائے سلوک اور احوال و مکاشفات کے بیان میں:

اِس ضمن میں خود حضرتؒ کی کتابوں میں جو معلومات موجود ہیں، مَیں نے اُنھیں اِس باب کے مطابق مختصر کر کے یہاں درج کیا ہے اور مزید متعلقہ باتیں بھی لکھ دی ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ آپؒ نے تو اپنے احوال بہت مختصر اور ڈھکے چُھپے انداز میں بیان کیے ہیں اور وہ بھی محض اظہارِ نعمت اور سالکوں کی ترغیب کے لیے۔

نکاتُ الاسرار کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک بار میرے والد نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مجھے خواب میں حضرت رسول کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نورانی پردوں میں تشریف فرما تھے۔ آنحضرت ﷺ نے مجھے اپنے پاس بلایا اور اپنا دایاں ہاتھ اپنے سینۂ مبارک پر مَل کر ایک گلولہ نما چیز نکال کر مجھے دی جسے مَیں آنحضرت ﷺ کے حکم پر نگل گیا۔ حضرت سیّد بنّوریؒ لکھتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ میری تخلیق اُسی گلولے سے ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے بچپن ہی سے اولیائے کرامؒ اور فرشتوں کی طرف سے عجیب و غریب بشارتیں اور اشارات ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ مَیں نو جوانی کے بہت سے مسائل

سے محفوظ اور نیکی اور آداب کی طرف مائل رہا۔ مجھے اپنے باطنی جذبے کی تربیت کے لیے اُویسی طریقہ حاصل تھا لیکن ظاہری مرشد کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ کیفیت باقی نہیں رہتی تھی۔ جب اللہ کی عنایت نے دستگیری کی تو مَیں نے زیادہ جدوجہد شروع کردی اور شطاری، چشتی، قادری اور نقشبندی بزرگانِ دین کی خدمت میں راہِ سلوک پر چلتا رہا۔ اس دوران مَیں نے کسی قسم کی بدنی، مالی اور جانی خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ترکِ دنیا اختیار کر کے موت کو اپنا نصبُ العین بنالیا۔ مَیں نے اپنی خواہشات کی یوں نفی کردی کہ دل میں کوئی طلب باقی نہ رہنے دی۔ کچھ عرصہ مَیں گھٹن کی وجہ سے بے چین رہا لیکن آخرکار بہت سے فائدے حاصل ہوئے۔ اِس عرصے میں کئی مشاہدے اور مکاشفے ہوئے۔ بے خودی کی اعلیٰ کیفیتیں بھی طاری ہوئیں۔ کئی عجیب تجلّیات بھی ظاہر ہوئیں۔ ان سب کا تفصیلی بیان بہت لمبا ہوجائے گا۔

اُن بزرگوں نے مجھے خلافتیں بھی عطا کیں۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ مَیں نے کامیابی سے اصلی منزل حاصل کرلی ہے۔ تشریح اور تاویل کی صلاحیت اتنی بڑھ گئی کہ مجھے محسوس ہوا کہ یہ علمِ لدُنّی ہے۔ چنانچہ مَیں نے اکابر کی تصانیف کی شرحیں لکھیں۔ میری محفلوں میں عوام اور خواص جمع ہونے لگے۔ اچانک ایک بار خیال آیا کہ نجانے یہ علوم و معارف حضرت رسالت مآب ﷺ کی شریعت اور آپ ﷺ کے علوم کے مطابق ہیں یا نہیں! چنانچہ مَیں نے دعا کی کہ یا اللہ! جو کچھ علومِ محمدی کے تابع نہیں ہے، وہ میرے دل سے محو کردے۔ اچانک وہ سب علوم اور کیفیات زائل ہوگئیں۔ مَیں بے چین ہوگیا۔ دل میں الہام فرمایا گیا کہ اِس کا سبب وہی دعا ہے۔ مَیں ایسی حالت کی تاب نہ لایا اور میرے دل میں زائل ہوجانے والی کیفیتوں کی طرف مخفی میلان پیدا ہوگیا۔ وہ تمام علوم و معارف

دوبارہ حاصل ہوگئے۔ اسی خدشے کے پیشِ نظر پھر دعا کی تو سب کچھ پھر زائل ہوگیا۔ پھر اسی طرح دلی رغبت ہوئی تو سب کچھ دوبارہ مل گیا۔ یہ آنکھ مچولی کئی بار ہوئی۔ مَیں حیران و پریشان ہوگیا کہ موت سامنے ہے اور ایسی حالت میں مرنا بہت افسوس ناک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمت عطا فرمائی اور مَیں نے دعا کی کہ یاالٰہی! اگرچہ مَیں نے کئی عہد توڑے ہیں لیکن اب مَیں استقامت سے چاہتا ہوں کہ حضرت رسولِ کریم ﷺ کی رضا اور اطاعت کے علاوہ جو کچھ بھی مجھے حاصل ہے، وہ مجھ سے یوں لے لیا جائے کہ دوبارہ کبھی نہ ملے۔ چنانچہ ایک بار پھر وہ سب کچھ زائل ہوگیا۔ مجھے بہت دکھ ہوا لیکن مَیں بات پر قائم رہا۔

کچھ عرصہ اسی طرح عامیانہ حالت میں گذر گیا۔ آخر دل میں یہ ہمت پیدا ہوئی کہ بارگاہِ رسالت میں قبولیت نصیب ہوجائے یا اسی طلب میں موت آجائے چنانچہ مَیں ہمیشہ یہی دعائیں کرتا رہا اور امیدوار رہا۔ ایک بار اچانک ایک عجیب خواب میں دیکھا کہ حضرت رسولِ کریم ﷺ میری طرف اشارہ کرکے فرمارہے ہیں کہ اسے یہ منصب مَیں نے دیا ہے۔ مَیں نے حیران ہوکر کہا: ''یااللہ! مَیں مسکین کس حوالے سے اِس مرتبے کا اہل ہوسکتا ہوں۔ اگر واقعی ایسا ہی ہے تو مجھے کوئی واضح ثبوت دِکھا'' اچانک مجھے لوحِ محفوظ دکھائی گئی اور الہام ہوا کہ اپنا نصیب دیکھ لو۔ مَیں نے دیکھا تو ایسا ہی لکھا ہوا تھا۔

آخر مجھ میں نقشبندی سلسلے میں حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ سے کسبِ فیض کرنے کی شدید خواہش پیدا ہوگئی اور مَیں نے آپؒ سے استفادہ کیا۔ آپؒ کی ایک توجہ ہمارے ہزار سالہ مجاہدے پر بھی بھاری تھی۔ آپؒ کی خدمت میں رہ کر مَیں نے اعلیٰ مدارج طے کیے اور ایسے ایسے کمالات، مشاہدات اور مکاشفات نصیب ہوئے جو بیان نہیں کیے جاسکتے۔ مَیں جب بھی حضرت مجددؒ کی خلوت میں حاضر ہوتا تو آپؒ فرمایا کرتے کہ تمھیں

اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر ادا کرنا چاہیے۔ جو کچھ تمھیں حاصل ہوا ہے، آج کل کسی کو نہیں ملا کرتا۔ مَیں عاجزی سے عرض کرتا کہ اِس میں ناچیز کا تو کوئی کمال نہیں ہے۔ سب آپؒ ہی کی توجہ کے طفیل ہے۔ آپؒ انکساری سے فرماتے کہ یہ تمہاری ازلی صلاحیت کی وجہ سے ہے۔ مَیں عرض کرتا کہ اگر ایسا بھی ہے تو چوں کہ اس صلاحیت کا اظہار آپؒ ہی کے طفیل ہوا ہے، اس لیے یہ سب کچھ آپؒ ہی کے صدقے میں ہے۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے مجھے پہلی بار اجمیر میں اور پھر سرہند میں خلافت واجازت سے نوازا اور بیعت کی عام اجازت عطا فرمائی۔ سرہند میں ایک بار مزید آپؒ نے حضرت رسالت مآب ﷺ کا اسمِ گرامی لے کر مجھے خلافت بخشی۔ اِس معاملے کی کسی کو بھی خبر نہیں تھی۔ انھی دنوں مجھ پر حقیقتِ قرآن کا ظہور رہا۔ حضرت سرورِ کائنات ﷺ کی زیارتیں نصیب ہوئیں نیز فرشتوں کے مکاشفے بھی ہوئے۔

حضرت مجدّدؒ نے رحلت فرمائی۔ لوگوں نے آپؒ کی واضح کرامات دیکھیں۔ مریدوں کو ابھی تک آپؒ سے ظاہری و باطنی فیض پہنچ رہا ہے۔ آپؒ کے علوم واحوال کی برکات شمار سے باہر ہیں۔

دو سال بعد پھر میرے دل میں خلش پیدا ہوگئی کہ شاید اصلی منزل ابھی تک نہیں ملی۔ مَیں اپنے آپ کو عرفانی مسائل کی تحقیق میں قاصر پاتا تھا۔ کوئی عزیز کچھ پوچھتا تو مَیں اسے شافی جواب بھی نہ دے پاتا۔ آخر مجھ پر ولولہ غالب آگیا اور مَیں ترکِ صحبت کر کے پہاڑوں کی طرف نکل گیا کہ یا تو اِسی راستے میں موت آجائے یا مقصد پورا ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی رضا ظاہر ہوئی اور مَیں حیرت زدہ اور گریہ وزاری کرتا ہوا لوٹ آیا۔

انھی دنوں کی بات ہے کہ ایک دن مَیں جنگل میں ایک ندی کے کنارے کھڑا تھا

کہ اچانک اوپر سے ایک نورانی ہاتھ ظاہر ہوا، ہاتھ میں ایک لمبی سی کنڈی بھی تھی۔ وہ ہاتھ میرے سینے کے سامنے آیا اور کنڈی کے ذریعے اُس نے میرے دل کے نیچے سے میرے نفس کو باہر نکال لیا۔ نفس کی شکل ایک پیلے رنگ کے مکروہ کیڑے کی سی تھی۔ میری حالت بدل گئی اور مَیں دونوں جہانوں سے بے نیاز ہو گیا۔ باطن پر سکون ہو گیا۔ اس وقت آواز آئی کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے آج بھی ایسے صد یقین پیدا کر سکتا ہے۔

اس کے بعد خواب میں کئی بار دنیا دِکھائی دی لیکن مَیں نے اسے پسند نہ کیا۔ ایک دن مَیں باغ میں بیٹھا ہوا تھا کہ دنیا ظاہر ہو گئی۔ مَیں نے اسے رد کر دیا لیکن وہ دفع نہ ہوئی۔ مجھے بہت غصہ آیا۔ آخر مَیں نے اُسے جوتوں سے مار بھگایا۔ اِسی طرح ایک رات مَیں اپنے حُجرے میں چبوترے پر بیٹھا تھا کہ دنیا پاس آ گئی۔ مَیں نے اُسے کوئی اہمیت نہ دی اور اُس کی طرف تھوک دیا۔ مَیں نے دیکھا کہ میرے لُعاب کا ایک قطرہ اُس کے چہرے پر پڑا اور اس کا چہرہ چمک اُٹھا۔ مجھے خیال آیا کہ اِس سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اُسی وقت آواز دی گئی کہ یہ چمک شیطانی مکر ہے۔ مَیں اُسی وقت تائب ہوا۔ دنیا غائب ہو گئی اور مَیں اللہ کا شکر بجا لایا۔

ایک بار مَیں رات کے پچھلے پہر عبداللہ پورہ کی مسجد میں بیٹھا اللہ کی عنایات پر شکر کر رہا تھا۔ اسی وقت آواز آئی کہ تُو نے کیا کیا ہے کہ اتنا مرتبہ حاصل کر لیا ہے؟ میری باطنی کیفیت یوں زائل ہو گئی کہ مجھ سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ دل میں کچھ عاجزانہ الفاظ آئے لیکن اسی وقت اُن سے بھی وحشت ہونے لگی۔ کچھ دیر بعد خود ہی ارشاد ہوا کہ اس میں تیرا کوئی کمال نہیں یہ سب اللہ کا فضل و کرم ہے۔ یہ سن کر میری وحشت ختم ہو گئی۔ پھر مجھے خیال آیا کہ یہ حفاظت بھی اللہ کا فضل ہی ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ مجھے عجز و نیاز کے الفاظ

سے بھی وحشت ہوئی۔ بعد میں واضح کیا گیا کہ یہی کمالِ حفاظت ہے کیوں کہ اللہ کی عظمت وقدرت کے شایانِ شان حقیقی عجز و نیاز کا اظہار بھی کسی کے بس کی بات نہیں۔

ایک بار مجھے فرمایا گیا کہ تیری زبان تلوار ہے یعنی تیری کہی ہوئی ہر بات پوری ہوگی۔ اِسی طرح ایک بار ارشاد ہوا کہ تیرا ہاتھ گویا اللہ کا ہاتھ ہے! یہ بھی اندازہ ہوا کہ یہ بشارت اُس خاص منصب کی وجہ سے ہے جو بارگاہِ رسالت ﷺ سے عطا ہوا ہے۔ دیگر اہلِ کمالات کو یہ مرتبہ نہیں دیا جاتا۔

ایک جمعرات کو مَیں مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھا ہوا درود شریف پڑھ رہا تھا کہ مجھے ایک سبز نورانی عَلَم عطا گیا۔ یہ حضرت نبی کریم ﷺ کے سبز نورانی جھنڈے کے طفیل تھا۔ فرمایا گیا کہ یہ عَلَم خصوصی طور پر تمھارے لیے ہے تا کہ تمھارے ارادت منداس کے سائے میں رہیں۔

ایک بار مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت اونچے پہاڑ کی چوٹی پر ایک عمارت بنی ہوئی ہے اور حضرت رسالت مآب ﷺ وہاں تلاوت فرما رہے ہیں۔ بہت سے لوگ آپ ﷺ کی زیارت کے ارادے سے اُدھر جا رہے ہیں۔ کچھ لوگ راستہ بھول کر کسی اور پہاڑ کی طرف نکل گئے ہیں۔ کچھ جنگل میں مارے مارے پھر رہے ہیں اور کچھ لوگ کسی اور پہاڑ کی چوٹی کے قریب پہنچے ہوئے ہیں۔ کچھ حضرات راستے میں رُکے ہوئے ہیں، کچھ تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں اور کچھ آہستگی سے۔ کچھ خوش نصیب عمارت کے دروازے تک پہنچ چکے ہیں۔ ہمارے زمانے کے تین بزرگ عمارت کے اندر بڑے ادب واحترام سے کھڑے ہیں اور یہ ناچیز بھی آنحضرت ﷺ کی نشست کے بالکل پاس ادب سے کھڑا ہے۔ ہم چاروں ننگے سر ہیں۔ اُن تین حضرات کے سروں پر بال ہیں جب کہ مَیں

نے بال کٹوا رکھے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے تہ بند باندھا ہوا ہے۔ کندھوں پر چادر ہے اور سر پر سفید پگڑی ہے۔ پھر آپ ﷺ چل پڑے اور مَیں نے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق آپ ﷺ والا قرآن شریف سر پر رکھ لیا اور پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ تینوں حضرات وہیں رہ گئے۔ مجھ پر آیات واحادیث کے معانی روشن ہو گئے اور مجھے عجیب و غریب علوم واسرار عطا ہوئے۔ روزمرّہ کے ضروری فقہی مسائل کی بحثیں بھی دل پر نقش ہو گئیں۔ اس سے پہلے مَیں علم کے معاملے میں ایک عام سا آدمی تھا۔ مَیں نے قرآنِ کریم بھی زیادہ نہیں پڑھا ہوا تھا۔ بچوں کی فارسی کتابوں کے کچھ مسائل بھی پڑھے ہوئے تھے لیکن ان میں سے بھی اکثر بُھول چکے تھے۔ خواب ہی میں قرآن شریف بھی پڑھا دیا گیا۔ وہ کچھ یوں کہ ایک بار مجھے خواب میں اللہ تعالیٰ کے ظاہری جلوے کی زیارت ہوئی۔ فرمایا گیا کہ تو نے قرآن کیوں نہیں پڑھا؟ مَیں نے عرض کیا: ''تُو قدرت رکھتا ہے کہ ابھی مجھے پڑھا دے۔'' اُسی وقت ایک نورانی ہاتھ نمودار ہوا۔ اُس نے مجھے پستی سے اوپر کھینچا۔ جونہی میرا ہاتھ اُس ہاتھ سے لگا، مجھے محسوس ہوا کہ قرآنِ کریم کا ایک ایک لفظ مجھے یاد ہو گیا ہے۔ اِس سے مجھے اندازہ ہوا کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک رکاب میں پاؤں ڈال کر دوسری رکاب میں دوسرا پاؤں رکھنے سے پہلے کس طرح ختمِ قرآن کر لیا کرتے تھے۔ پہلے مجھے اِس معاملے میں تعجب ہوتا تھا لیکن اب یہ خدشہ دور ہو گیا۔

اِس کے بعد میری زبان سے ایک غلطی ہو گئی جس کے نتیجے میں حفظِ قرآن والی حالت باقی نہ رہی۔

احباب کو ناچیز کی کرامات کا کم ہی علم ہے۔ کبھی اگر کسی ساتھی کی کوئی روحانی مدد کی بھی گئی تو وہ بھی یوں کہ خود اُسے بھی علم نہیں ہونے دیا گیا۔ اس کے باوجود کچھ ساتھیوں کو کبھی

کبھی اصل بات کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ مجھے کرامات ظاہر کرنے کا حکم نہیں تھا۔ مخالف لوگ جاہلانہ عناد کا مظاہرہ کرتے تھے اور مجھ میں اِتنا صبر و تحمل تھا کہ نہ مَیں کسی سے ناراض ہوتا تھا اور نہ ہی کسی کے حق میں بددعا کرتا تھا۔

نیز حضرت سیّد آدم بنوریؒ نے لکھا ہے کہ اِس فقیر نے حضرت رسالت مآب ﷺ خلفائے راشدینؓ، حضرت فاطمہ زہراؓ، جبرائیل علیہ السلام اور صحابہ کرامؓ سے خصوصی تربیت پائی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ بایزید بسطامیؒ، خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ، خواجہ محمد پارساؒ اور خواجہ علاء الدین عطارؒ سے مخصوص روحانی فیض پایا ہے۔ اس کے علاوہ جن بڑے اولیاءؒ کی روحانیت سے فوائد و برکات حاصل ہوئی ہیں، اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: شیخ احمد جامؒ، سلطان ابراہیم ادہمؒ، شیخ بہاء الدین زکریاؒ، شیخ فریدالدین گنج شکرؒ، خواجہ نظام الدّین اولیاءؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، خواجہ نصیرالدین چراغ دہلیؒ اور شاہ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتیؒ۔

آپؒ لکھتے ہیں کہ ایک بار مَیں ۲۴۔ رجب کی رات کے آخری حصے میں بیدار تھا کہ حضرت فاطمہ زہراؓ نے بہت عمدہ چیزوں کی بشارتیں دیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا ظہور بھی شروع ہوگیا اور شرابِ طہور کا ایک پیالہ عنایت کیا گیا۔ مَیں نے اپنے ساتھیوں کے لیے بھی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔

مصنّف کہتا ہے کہ نکات الاسرار میں حضرت بنوریؒ نے اپنے ابتدائی دور کے واقعات، مکاشفات اور عنایات کا ذکر کیا ہے اور وہ بھی مختصر اور منتخب انداز میں۔ جو شخص آپؒ کے تفصیلی احوال سے آگاہ ہونا چاہے وہ آپؒ کی تصانیف اور آپؒ کے مناقب میں لکھی جانے والی کتابیں پڑھے۔

بابِ دوّم

حضرت سیّد آدم بنّوریؒ کے بعض احوال کے بیان میں، جو آپؒ نے خلاصۃ المعارف کی دوسری جلد میں تحریر کیے ہیں:

جان لیجیے کہ کتاب خلاصۃ المعارف، جلد دوم کے چوتھے قول میں حضرت سیّد آدم بنّوریؒ نے بعض صحابہ کرامؓ اور خواجگانؒ کے روحانی کمالات کا ذکر فرمایا ہے۔ اِس بحث میں ضمنی طور پر آپؒ نے اپنی ابتدائی کیفیتوں کی کچھ تفصیل بھی لکھی ہے۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ مَیں کامل اولیاء اللہ کی روحوں سے فیض یاب ہوا ہوں۔ مَیں نے تصوّف کے ہر سلسلے کی نسبت کا ظہور مختلف طریقے سے دیکھا ہے۔ سب سے پہلے مجھے حضرت شاہ محمد غوث شطاریؒ کی طرف سے شطاری نسبت ملی۔ یہ نسبت چمک دار اور سفیدی مائل ہے۔ یہ بہت پُر ولولہ اور شوق انگیز ہے۔ نقشبندی نسبت مَیں نے اپنے شیخ بزرگوار حضرت مولانا شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ سے حاصل کی۔ اِس نسبت کا ظہور بہت اثر انگیز، صاف اور لطیف ہے۔ نقشبندی نسبت میں جذبہ مجھے اپنے شیخؒ کے خلیفہ حضرت شیخ طاہر لاہوریؒ کے فیضان سے نصیب ہوا ہے۔

شروع شروع میں مجھے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف سے قادری نسبت بھی عطا ہوئی تھی۔ بعد میں شیخ طاہر بندگی لاہوریؒ کی طرف سے بھی اس کا حصہ ملا۔ اُنھیں یہ نسبت حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ کے پوتے شاہ سکندرؒ کی طرف سے ملی تھی۔ یہ نسبت بھی بہت درخشاں، اثر انگیز اور مُصفّیٰ ہے۔ حضرت شیخ احمد جامؒ کی نسبت بہت روشن اور سرخی مائل ہے۔ سہروردی نسبت بھی بہت باصفا ہے۔ چشتی نسبت شوق و ولولہ سے لبریز ہے بلکہ

اس میں ولولے کے مقابلے میں شوق زیادہ ہے۔ یہ نسبت بہت اعلیٰ اور انتہائی لطیف ہے۔

سنتِ رسول ﷺ کی پیروی سلسلۂ نقشبندیہ کی خصوصیت ہے۔ دوسرے سلسلوں کے کچھ لوگوں کو بھی یہ نعمتِ باطنی حاصل ہو جائے تو تعجب کی کوئی بات نہیں لیکن حکم کا اطلاق تو اکثریت پر ہوتا ہے۔ سلسلہ قادریہ اور نقشبندیہ، دونوں کی کیفیت اور حقیقت دوسرے سلسلوں سے مختلف ہے اور سب سے برتر اور افضل ہے۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ قادری سلسلے کی مخفی نسبتِ مطلق کا سرچشمہ اللہ جل جلالہٗ کی صفات ہیں اور جسم میں اس نسبت کے ظہور کے بعد دل کی توجہ ازلی وابدی صفاتِ الٰہی کی طرف ہوتی ہے۔ اس سلسلے کے پیروکار صاحبِ سلوک ہوتے ہیں۔ اگر اس سلسلے کا مرشد کامل و مکمل ہو تو جذبۂ باطن بہت زیادہ واضح ہوتا ہے، اگرچہ ایسا بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔ ایسی صورت میں جذبہ، سلوک پر مقدم ہوتا ہے۔ یہ نسبت، سالک کی ابتدائی حالت میں واضح ہوتی ہے۔ نہ ہو تو معاملہ اُلٹ ہوتا ہے۔ اس نسبت میں دل کی توجہ، ذات اور صفات کے ظہور کے مراتب کی طرف بھی ہوتی ہے، خواہ اس کا احساس نہ ہو اور اسے محض ذات کی طرف توجہ ہی سمجھا جائے۔ ان بزرگوں کی نسبت اور کیفیت میں، دوسرے سلسلوں کی نسبت اور کیفیت کے مقابلے میں صفتِ جلال کا ظہور زیادہ ہوتا ہے۔

نقشبندی سلسلے کی مخفی نسبتِ مُطلق کا سرچشمہ خدائے بزرگ وبرتر کی ذاتِ بابرکات ہے اور جسم میں اِس نسبت کے ظہور کے بعد، دل کی توجہ ذاتِ الٰہی کی طرف ہوتی ہے جو ازلی وابدی صفات کی حامل ہے۔ اس سلسلے کے پیروکار صاحبِ امانت ہوتے ہیں۔ اگر اس سلسلے کا مرشد کامل و مکمل اور انبیاء کی ولایت کا حامل ہو تو برگزیدگی مخفی اور جذبہ ظاہر ہوتا ہے۔ یہ نسبت، سالک کی ابتدائی حالت میں نمایاں ہوتی ہے۔ نہ ہو تو معاملہ برعکس ہوتا

ہے۔اس نسبت میں دل کی توجہ فی نفسہٖ ذات اور صفات کی طرف ہوتی ہے۔ان بزرگوں کی نسبت اور کیفیت میں، دوسرے سلسلوں کی نسبت اور کیفیت کے مقابلے میں صفتِ جمال کا ظہور زیادہ ہوتا ہے۔

لہٰذا سلسلۂ قادریہ کے اکثر کامل لوگوں میں سخت زہد و ریاضت اور تزکیہ وتصفیہ سے سُلوک کی منزلیں طے کر کے، ظاہری یا باطنی طور پر جلالی صفت کا ظہور ہوتا ہے۔اگرچہ اس سلسلے میں بہت سے لوگ محبوبی مشرب کے حامل بھی ہوتے ہیں۔اسی طرح سلسلۂ نقشبندیہ کے اکثر کامل لوگوں میں سخت زہد وریاضت کے بغیر، محض تزکیہ اور تصفیہ ہوتے ہی سلوک کی منزلیں طے ہو جاتی ہیں اور ان میں ظاہری یا باطنی طور پر جمالی صفت کا ظہور ہوتا ہے اگرچہ اس سلسلے کے بعض لوگ بظاہر محبّ مشرب ہوتے ہیں لیکن باطنی طور پر اکثر حضرات محبوبی مشرب رکھتے ہیں۔البتہ ہر سلسلے میں حقیقی کمال تک پہنچنے کا دارومدار اپنی اپنی استعداد اور قسمت پر ہوتا ہے۔

یہ چند جُملے مختلف سلسلوں کی خصوصیات کے بارے میں تحریر کیے گئے ہیں،ان سے وابستہ سالکوں کی عمومی خصوصیات کے بارے میں نہیں۔ہر کامل کی انتہا اپنے نصیب کے مطابق ہوتی ہے،خواہ وہ جس سلسلے کا بھی ہو۔اسی لیے حضرت خواجہ نقشبندؒ کا ارشاد ہے کہ:"مَیں نے اللہ سے ایسا سلسلۂ طریقت مانگا ہے جو ہر حالت میں اللہ تک پہنچا دینے والا ہو۔"نیز آپؒ نے فرمایا:"وَجَدْتُ طَرِيقاً اَقْرَبُ طُرُق الِي اللّٰهِ سُبْحَانه" (مَیں نے اللہ تک پہنچنے کا نزدیک ترین راستہ پالیا ہے) آپؒ ہی نے فرمایا ہے کہ:"ہمارا سلسلہ،سلسلۂ فضل ہے،اِس میں مشقت کم اور صلہ بہت زیادہ ملتا ہے۔" آپؒ ہی کا قول ہے کہ:"جہاں دوسروں کی انتہا ہوتی ہے،وہاں سے ہماری ابتدا ہوتی ہے کہ ہم انتہا کو ابتداء

میں ہی درج کر دیتے ہیں۔" آپؒ کا ارشاد ہے: "ہمارا طریقہ سنّتِ رسول ﷺ اور آثارِ صحابہؓ کی پیروی ہے۔ جو کوئی ہمارے راستے سے دُور ہوتا ہے، اُس کے دین کو خطرہ لاحق ہوتا ہے۔"

حضرت خواجہ علاء الدینؒ نے فرمایا ہے: "جو شخص اِس سلسلے سے وابستہ ہو کر پیروی کا راستہ اختیار کرتا ہے، اُس کا مَیں ضامن ہوں کہ وہ منزل تک یقیناً پہنچ جائے گا۔" خواجہ محمد پارساؒ سے بھی ایسی ہی روایت منقول ہے۔ ہمارے پیرو مرشدؒ کو بھی الہام فرمایا گیا تھا کہ: " مَیں نے تمھیں بخش دیا اور قیامت تک ہر اُس شخص کو بھی، جس نے تمھیں میری طرف وسیلہ بنایا، بالواسطہ یا براہِ راست۔" اور مجھ ناچیز کو بھی اللہ تعالیٰ، رسولِ مقبول ﷺ اور اکابر اولیاءؒ کی طرف سے کئی بار ایسی ہی قابلِ اعتماد بشارتیں فرمائی گئی ہیں۔ ان پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

حضرتؒ نے "منامات" میں تحریر فرمایا ہے:

"موجودہ زمانے میں اللہ تعالیٰ نے ایک درویش کو اُس کی صلاحیت کے شایانِ شان کمال سے نوازا۔ اگرچہ پیدائشی طور پر اُوَیسی تھا لیکن جب اُسے سلوک کے راستے میں لایا گیا تو شروع میں مختلف سلسلوں کے بزرگوں کی وساطت سے اُسے گوناں گوں کمالات سے بہرہ ور کیا گیا اور شہود و مشاہدہ کے مرتبے پر فائز فرمایا گیا جو اہلِ کرامت مشائخ کے لیے مخصوص ہے۔ آخر کار اُسے شیخِ بزرگ، فریدِ زمانہ حضرت شیخ مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں پہنچا کر اُن کا مُرید اور منظورِ نظر بنایا گیا، اگرچہ وہ درویش حقیقت میں مرشد و مراد تھا۔ حضرت شیخؒ کی خدمت میں اُسے اصطلاحی شہود و مشاہدہ سے گزارا گیا۔ اُس نے تنزیہ کے طرح طرح کے کمالات بھی بڑی تیزی سے حاصل کر لیے۔ جس طرح مقامِ شہود سے

آگے بڑھ گیا تھا، اُسی طرح وہ دیگر مقامات اور وجودی وشہودی توحید کے مدارج سے بھی آگے نکل گیا۔ پھر وہ محبّت اور توجّہ باللہ کی منزلیں طے کرتا ہوا اُس مقام پر فائز ہو گیا جہاں توجّہ، توجّہ کرنے والا اور جس کی طرف توجّہ کی گئی ہو، سب ایک دِکھائی دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ خاص ولایت کے کمالات حاصل کر کے، خاص الخاص ولایت کے درجے میں جا پہنچا اور اوتاد کے قطب الاقطاب کے درجے سے مشرف ہوا۔ پھر وہ ولایت کے اگلے درجے پر پہنچ کر قطب الاقطابِ ارشاد مقرّر رہوا۔ بعد ازاں وہ کمالاتِ نبوّت سے بہرہ یاب ہو کر قُطبِ مدار بنا۔ اس مقام پر اُسے خطاب فرماتے ہوئے کہا گیا کہ: "تیری زبان، تیری تلوار ہے!" کچھ مدّت کے بعد وہ اس مرتبے سے بھی آگے بڑھ گیا اور قُطبِ فرد اور پھر غوث کے مرتبے پر فائز ہوا۔ اِس درجے میں اُس نے محض چند دن گذارے اور پھر یکے بعد دیگرے خلافت اور امامت کے کمالات سے سرافراز ہوا۔

جن دنوں وہ قطب الاقطابِ ارشاد تھا، اُن دنوں اُس نے خواب میں دیکھا کہ حضرت نبی کریم ﷺ اپنے خلفائے راشدینؓ اور حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ ایک سرائے کی چھت کے نیچے بنے ہوئے چبوترے پر کھڑے ہیں۔ رسولِ کریم ﷺ اس زمانے کے اُمتیوں کی حالت پر غمزدہ ہیں اور فرماتے ہیں: "نماز میں کچھ تاخیر کر لیتے ہیں تا کہ کچھ لوگ پہنچ جائیں۔" اُس نماز میں آنحضرت ﷺ کی امّت میں سے خلفائے راشدینؓ اور اُس درویش کے علاوہ اور کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ نماز شروع ہو گئی تو امّت کے دس گیارہ لوگ بھی آ کر شامل ہو گئے لیکن اُن میں سے اکثر سرائے سے باہر ہی تھے۔ دو آدمی اندر آ گئے تھے لیکن وہ بھی دیوار کے قریب ہی ٹھہر گئے تھے۔ وہ درویش چھت کے نیچے اور چبوترے کے بالکل ساتھ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے سب لوگوں کے لیے چادریں طلب کیں لیکن حضرت

جبرئیلؑ اور حضرت علیؓ نے اُسی ایک درویش کے سلسلے میں کوشش فرمائی۔ چنانچہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے اُن کے پاسِ خاطر کے لیے اُس درویش کو ایک چادر عنایت فرمائی۔ وہ درویش پریشان تھا کہ کہیں آنحضرت ﷺ اپنی بخشش اُسی تک محدود نہ فرمائیں۔ آخر اُس نے بڑی عاجزی سے حضورِ اکرم ﷺ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اپنی مرضی سے، کسی دوسرے کی سفارش اور وسیلے کے بغیر، وہ دستار اپنے دستِ مبارک سے اُس درویش کے سر پر باندھی اور اس کا شملہ بھی چھوڑا۔ اس کے بعد بارگاہِ الٰہی سے ایک سبز جھنڈا اور ایک نورانی چھتری عطا ہوئی جس کا سایہ اُس درویش سے عقیدت و محبت رکھنے والوں کے سروں پر ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ کے تخت کے نزدیک ترین مرتبہ اُسے عطا ہوا۔ یہ رُتبہ دیگر اولیائے امّت کے مراتب سے بلند تر تھا۔

بعد میں جب وہ درویش بارگاہِ رسالت کی خلوتِ خاص اور اندرونی مجلس کا محرمِ راز بن گیا اور کمالاتِ نبوت سے فیض یاب ہوا تو اُس کے ساتھیوں کو اُس کے عجیب وغریب کمالات دِکھائی دیتے تھے۔ لیکن اپنوں اور بیگانوں میں سے کوئی بھی اُس کے کمال کی حقیقت سے باخبر نہیں تھا۔ اُس کی بہت سی کرامات چھپی رہیں۔ اس سے پہلے نبی کریم ﷺ نے خواب میں اُسے زمانے کی خلافت عطا فرمائی تھی۔ پھر بیداری میں بھی یہ کرم فرمایا گیا جس پر وہ درویش حیرت زدہ رہ گیا۔ اگلے ہی دن فرشتوں اور رجالِ غیب نے بھی اس امر کی گواہی دی اور کہا: ''ہم نے اِس زمانے کی بادشاہی لوحِ محفوظ میں تیرے ہی نام دیکھی ہے'' وہ بادشاہی یہی فقر کی بادشاہی تھی۔

گدا پادشاہ ست و نامش گدا ست

(ترجمہ) گدا اگر در حقیقت بادشاہ ہے مگر اس کا نام گداگر ہے۔

جب قطبیت کے معارف عطا کیے گئے تو پہلے اُس کے حقائق واضح فرمائے گئے جو پہلے کے لکھے ہوئے تھے۔ اس کے پانچ سال بعد حضورِ خاص کی معرفت بخشی گئی جو زمانے کے فردُ الافراد کے لیے مخصوص ہوتی ہے اور اس کا حامل خلیفۂ زمان ہوتا ہے اور غوثِ زمانہ اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اس عنایت کے ساتھ ہی یہ مصراع القا ہوا:

''دستِ اُو درکارھا دستِ خداست''

(ترجمہ) ''مختلف کاموں میں اُس کا ہاتھ خدا ہی کا ہاتھ ہے۔''

اُس درویش کو حیرت ہوئی کہ اگر یہ الہام میرے لیے ہے تو پھر اس مصرعے میں ''تیرا ہاتھ'' کیوں نہیں کہا گیا؟ ایک مہینے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ مطلقاً منصب خلافت وغوثیت کے حامل شخص کے لیے ہے جو اس منصب سے آگاہ ہو اور پھر اس پر فائز بھی ہو جائے، خلافت وغوثیت کے کمالات رکھنے والے ایسے آدمی پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا جسے اس منصب کا علم ہی نہ ہو۔

اُس مرتبے میں اُس درویش کو الہامی طور پر ظاہری اور باطنی آداب کا خیال رکھنے کی تاکید کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ ایک بار مراقبے کی حالت میں ذکرِ الٰہی میں مشغول تھا۔ دوزانو بیٹھا تھا لیکن زانو ''التحیات'' کی مستحب حد سے ذرا زیادہ کُھلے تھے اور دونوں ہاتھ اگرچہ باندھ رکھے تھے لیکن ناف کے نیچے سے رانوں پر پڑے تھے اور وضو بھی نہیں تھا۔ الہام ہوا کہ: ''یہ کیا بے تمیزی ہے؟'' نیز اسی وقت دل میں اِلقا ہوا کہ یہ ظاہری تنبیہ ظاہری پاکیزگی کے کمال کے لیے ہے اور ظاہری ادب کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے خواہ باطنی پاکیزگی اور باطنی ادب موجود بھی ہو تو۔ اس کے نہ ہونے سے باطنی عبادت یعنی خشوع وخضوع میں کمی واقع ہو سکتی ہے۔ بے شک اللہ اپنے مرضی کو کمال تک پہنچانے

میں کامیاب ہوتا ہے۔

جب غوثیت عطا ہوئی تو پہلے اُس کے ضروری حقائق واضح کیے گئے۔ اس امر سے اُس درویش کو خیال آیا کہ نجانے محض غوثیت کے کمالات سے آگاہ کیا گیا ہے یا مرتبۂ غوثیت عطا فرمایا گیا ہے۔ اُسی وقت بہت سے ایسے بوجھ ظاہر ہوئے جن کو اٹھانے کی اُس درویش میں طاقت نہیں تھی اور یہ بوجھ اُس منصب کے مدارج تھے۔ اس کے بعد آواز دی گئی: ''مخلوق سے گلہ نہ رکھو!''

فائدہ: اس الہام سے یہ سمجھایا گیا تھا کہ اس عمل کی نیت خالص اللہ کے لیے ہو اور ارادہ پختہ ہو تو وہ شخص کسی بھی سختی میں مخلوق سے شاکی نہیں ہوتا۔ اس بھاری بوجھ کو اٹھانے کی ہمت عطا ہونا ہی اس کی اہلیت ہے اور یہ منصب عطا کرنے سے پہلے، اس کی ذمہ داریاں سنبھال سکنے کی طاقت عطا فرمائی جاتی ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ غوث، قُطبِ ارشاد اور قُطبِ مدار سے افضل ہوتا ہے۔ نیز غوث کا درجہ قطبِ افراد اور قطبِ اوتاد سے بھی برتر ہوتا ہے۔ یہ امامت اور خلافت سے نیچے ہوتا ہے غوث، امامت کا اہل بھی ہوسکتا ہے اور خلافت کا بھی۔ امامت کے مرتبے میں کمالاتِ نبوت کا ظہور ہوتا ہے اور خلافت کے درجے میں کمالاتِ الٰہی کا فیضان ہوتا ہے۔

بابِ سوّم

حضرت سیّد آدم بنّوریؒ کے اُن مناقب کے بیان میں جو مختلف حضرات نے اپنی کتابوں میں تحریر کیے ہیں، خاص طور پر جو کچھ آپؒ کے پیر بھائی ملّا بدرالدّین سرہندیؒ نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے۔

ملّا بدرالدّین سرہندیؒ نے کتاب الحضرات میں تحریر کیا ہے کہ شیخِ کامل، عارفِ ربانی حضرت سیّد آدم بنّوریؒ حضرت مجدّد الف ثانی ؒ کے مشہور خلفاء اور آپؒ کے اکابر ساتھیوں میں سے ہیں۔ حضرت بنّوریؒ نے اپنے شیخ کی صحبت سے بہت فیض پایا ہے اور اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور اپنے پیر و مرشدؒ کی صحبت کی قوّتِ تصرّف کے بل پر عظیم احوال اور بلند درجات حاصل کیے ہیں اور خلافت سے سرفراز ہوئے ہیں۔

آپؒ پابندیِ سنّت اور بدعت کے خلاف جہاد کے حوالے سے بہت مشہور تھے۔ شریعت اور طریقت میں کمالِ استقامت کے حصول پر خصوصی توجہ فرماتے تھے۔ آپؒ کا لنگر بہت وسیع تھا اور اس کی تقسیم میں مساوات کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ امیروں اور غریبوں میں کوئی فرق نہیں رکھا جاتا تھا۔ آپؒ کے ہاں نمود و نمائش کا گزر نہیں تھا۔ آپؒ کی مجلس میں امیری کو غریبی پر برتری نہیں دی جاتی تھی۔ آپؒ ہمیشہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بہت زور دیتے تھے۔ دنیاداروں کے ساتھ اِس لب و لہجے میں بات کرتے جیسے بہت غیر اہم لوگوں سے کی جاتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اتنی سختی کے باوجود آپؒ کی باتوں میں بہت اثر تھا۔ آپؒ نے جس سے جو بھی کہا، اُس کا اثر ہوا۔ لوگ آپؒ کی بات سنتے ہی توبہ اور اللہ کی

طرف رجوع پر مائل ہو جاتے تھے۔

آپؒ زیادہ تر شرعی مسائل بیان کیا کرتے تھے۔رسمی حقائق و معارف آپؒ کی زبان سے کم ہی سُنے گئے۔اگر کبھی معرفت کی کوئی بات بیان بھی فرمائی تو اس میں موعظت وحکمت کا رنگ غالب ہوتا تھا۔آپؒ ناپسندیدہ اوصاف اور دُنیا کی محبّت سے پاک تھے۔ظاہری و باطنی خباثت کا خاتمہ کر دیا کرتے تھے۔

حضرت آدم بنوریؒ اِس دور کے مشہور ترین مشائخ میں سے تھے۔آپؒ کے خلفاء کی تعداد ایک سو کے قریب ہے۔آپؒ کے مُریدین دو لاکھ سے زیادہ ہیں۔آپؒ کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی تھی۔دور دراز کے علاقوں سے لوگ فوج در فوج آتے اور آپؒ کی صحبت کی برکت سے مُراد پا لیتے تھے۔

آپؒ کے ساتھ اکثر و بیشتر درویشوں کے گروہ کے گروہ ہوا کرتے تھے۔سب کو برابر کھانا ملتا تھا۔اپنے اہلِ خانہ، بچّوں اور درویشوں کو ایک سا کھانا دیا کرتے تھے اور سب کو روزینے میں برابر رکھتے تھے۔آپؒ کا آبائی وطن زوہ ہے۔والد کی طرف سے سیّد تھے۔ آپؒ کی دادی افغانی تھیں، اس لیے بنور میں رہائش اختیار کی۔بنور سرہند کے نواح میں ہے۔آج کل اِس قصبے کی ساری آبادی اور رونق آپؒ ہی کے دم قدم سے ہے۔

شیخؒ نے ایک بار مجھ فقیر کو بتایا تھا کہ اُن کے والدِ محترم نے خواب میں حضرت نبی کریم ﷺ کی زیارت کی تھی۔آنحضرت ﷺ نے اپنے سینہ مبارک پر ہاتھ پھیر کر وہاں سے کوئی چیز نکال کر ان کے والد کو عطا کی اور اسے کھانے کا حکم دیا۔شیخؒ کے والد نے وہ عطیہ کھا لیا اور اس کے بعد شیخؒ کی والدہ امید سے ہو گئیں اور پھر شیخؒ کی ولادت ہوئی۔شیخؒ فرماتے تھے کہ مجھے اب اندازہ ہوتا ہے کہ میری تخلیق اُسی عطیہ نبوی سے ہوئی ہے۔

ہو کر سالکوں کی تربیت میں مشغول ہوا۔

حضرت شیخ آدم بنوریؒ نے اپنے ایک لاہوری مرید سے وعدہ کر رکھا تھا کہ اس کے ہاں آئیں گے۔ چنانچہ ۱۰۵۲ھ میں لاہور پہنچے۔ بادشاہِ وقت کو بھی اطلاع پہنچ گئی۔ چوں کہ آپؒ کے ساتھ افغانیوں کی بہت بڑی تعداد بھی تھی، اس لیے بعض حاسدوں نے یہ خبر اور ہی رنگ میں بادشاہ تک پہنچائی۔ بادشاہ کو شیخؒ کی آمد ناگوار گذری۔ شیخؒ برسوں سے حرمین جانا چاہتے تھے۔ اس لیے وطن واپس آ کر حج پر روانہ ہو گئے۔ حرمین میں بھی آپؒ کو بہت مقبولیت نصیب ہوئی۔ مدینہ شریف میں چلّہ کشی کی سعادت ملی اور حضرت رسالت مآب ﷺ کی عنایات سے مشرّف ہوئے۔ واپسی کا ارادہ کیا تو بارگاہِ رسالت سے اجازت نہ ملی۔ آنحضرت ﷺ نے بشارت دی کہ: "اے میرے بیٹے! تم میرے ہمسائے میں رہو۔" چنانچہ آپؒ وہیں مقیم رہے۔ ۱۳۔ شوال ۱۰۵۳ھ کو وفات پائی اور حضرت عثمان غنیؓ کے روضے کے قریب دفن ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کے گنبد کا سایہ آپؒ کی قبر پر پڑتا ہے۔

شیخ بدرالدّینؒ کی تحریر مکمّل ہوئی۔

مصنّف کہتا ہے کہ اکثر ساتھیوں کو ملّا بدرالدّین مرحوم سے شکایت ہے کہ انھوں نے حضرت بنوریؒ کو اپنے عہد کے مشہور ترین مشائخ میں سے لکھا ہے لیکن اس کے باوجود آپؒ کے مناقب سب سے کم لکھے ہیں۔ حالاں کہ آپؒ کے علوم اور مناقب تحریری شکل میں سوا جزاء کے قریب موجود ہیں۔ جیسا کہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے نفحات الانس میں حضرت خواجہ نقشبندؒ کے مناقب بہت کم لکھے ہیں۔ اِس وجہ سے سلسلۂ نقشبندیہ کے بہت سے عزیز مولانا جامیؒ سے شاکی ہیں۔ اِس کی توجیہ کی جا سکتی ہے کہ شاید انھیں

کثرتِ مناقب کی خبر نہ ہوئی ہو یا شاید وہ اس سلسلے میں الگ کتاب لکھنا چاہتے ہوں جیسا کہ اُن کے داماد ملاّ کاشفی نے اُنھی کے حکم پر رشحات کے نام سے ایک مفصّل کتاب تصنیف کی۔ مَیں نے بھی اِس مقام پر مختصراً کچھ احوال لکھے ہیں۔ ارادہ ہے کہ انھیں تفصیل سے الگ لکھوں گا۔

حضرت سیّد آدم بنوریؒ کی لاہور تشریف آوری اور بادشاہ کی ناپسندیدگی کا معاملہ مَیں نے بعض معتبر ساتھیوں سے سنا ہے۔ وہ کچھ یوں ہے کہ ابوالفتح مرحوم، میر منصور بدخشی اور عبداللطیف کابلی بیان کرتے تھے کہ جب حضرت شیخؒ لاہور گئے تو خلقِ خدا آپؒ پر ٹوٹ پڑی۔ آپؒ کے ہاں ہر وقت ایک جمگھٹا لگا رہتا۔ اتنا ہجوم ہوتا تھا کہ ہم بھی اکثر آپؒ سے نہ مل سکتے تھے۔ علماء، مشائخ، امراء اور سپاہی آتے جاتے رہتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرتؒ سے ملاقات نہ ہوسکتی۔ کچھ امیروں نے جو آپؒ کی خدمت میں مشرّف نہیں ہوسکے تھے، بادشاہ سے کہا کہ فلاں شیخؒ کے پاس افغانوں کی اتنی بڑی تعداد موجود ہے کہ اگر وہ چاہیں تو مدّعیِ سلطنت بن جائیں۔ بادشاہ اِس خبر سے بہت پریشان ہوگیا لیکن چوں کہ درویشوں سے عقیدت رکھتا تھا، اس لیے اس نے نرمی کا مظاہرہ کیا اور اپنے وزیر سعداللہ خان کو صورتِ حال جاننے کے لیے بھیجا۔ سعداللہ خان اُن دنوں صوفیائے کرام کا منکر تھا۔ جب وہ آپؒ کی خدمت میں پہنچا تو اُس نے وہاں بہت زیادہ ہجوم دیکھا۔ خود اسے زیادہ اہمیّت نہ دی گئی۔ اِس پر وہ تلملا گیا اور حضرت شیخؒ سے پوچھنے لگا: ''آپ کو سیّد کس طرح کہا جاتا ہے''؟ آپؒ نے جواب دیا کہ مَیں باپ کی طرف سے سیّد ہوں لیکن چوں کہ افغانیوں میں رہا ہوں، اِس لیے افغان بھی کہلاتا ہوں۔ مجھے کئی بار خواب میں حضرت رسالت مآب ﷺ کی زیارت ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے بھی مجھے سیّد ہونے کی سند عطا فرمائی ہے۔

سعد اللہ خان نے بادشاہ کے پاس جا کر عجیب و غریب باتیں سنائیں اور کہا کہ شیخؒ تو خوابوں کے ذریعے اپنا سیّد ہونا ثابت کرتے ہیں اور اُن کے پاس ہجوم اِتنا زیادہ ہے کہ یوں سمجھیں کہ بغل کے نیچے دشمن ہے۔ اُن دنوں بادشاہ کی فوج راجہ جگت کے مقابلے پر کوہسار کی طرف گئی ہوئی تھی۔ بادشاہ کو وہم پیدا ہو گیا کہ کہیں کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔ چنانچہ اُس نے ایک قاصد کے ذریعے حضرتؒ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ بہتری اِسی میں ہے کہ آپؒ اپنے وطن چلے جائیں اور وہیں رہیں کیوں کہ یہاں حاسد بہت زیادہ ہیں۔ جب حضرت شیخؒ لاہور سے نکلے تو بہادر خان نے حاضر ہو کر اجازت طلب کی کہ مَیں دعوائے سلطنت کرنا چاہتا ہوں۔ آپؒ نے اسے سختی سے منع کر دیا اور فرمایا کہ تمھیں سلطنت حاصل نہیں ہو گی۔ خواہ مخواہ کا فتنہ نہ پھیلاؤ۔

انھی دنوں آپؒ وطن پہنچے اور وہاں سے حج کے لیے روانہ ہوئے۔ میر منصور بدخشیؒ حج کی اجازت لینے بادشاہ کے پاس گئے اور اس کا وہم دور کیا۔ بادشاہ کے دل میں زیارت کا بے حد اشتیاق پیدا ہو گیا۔ اس نے ایک اعلیٰ خلعت اور اخراجات کے لیے کافی رقم نذر کی اور کہلا بھیجا کہ حرمین سے جلدی واپس آجایئے گا کہ مَیں مشتاق ہوں۔ وہ خلعت آپ کو مکّہ معظمہ میں موصول ہوئی۔ ساتھیوں کے اصرار پر آپؒ نے ایک دن اُسے پہنا اور دعا فرمائی۔

شیخ بنوریؒ ہی نے بیان کیا کہ اُن کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ حکمت کا چراغ جلا کر گھر کی چھت سے لٹکا دیا گیا ہے۔ اُنھوں نے یہ خواب اپنے شوہر کو سنایا۔ چنانچہ شیخؒ کے والد ماجدؒ نے اس کی یہ تعبیر بتائی کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ایک نورانی بیٹا عطا فرمائے گا، جس سے تمھارا گھر منوّر ہو جائے گا۔

شیخؒ فرماتے تھے کہ مَیں نے پہلے حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے خلیفے حاجی خضرؒ سے تلقین لی اور عمدہ احوال پائے۔ جب مَیں نے اپنی کیفیت حاجی خضرؒ کی خدمت میں بیان کی تو اُنھوں نے فرمایا: ''تم نے بہت ترقّی کر لی ہے۔ مَیں اس سے زیادہ راہنمائی نہیں کر سکتا۔ اب تم حضرت مجدّد الف ثانیؒ کی خدمت میں چلے جاؤ'' چنانچہ مَیں حاجی خضرؒ کی اجازت سے حضرت مجدّد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اپنے احوال بیان کیے۔ آپؒ نے فرمایا: ''یہ ابتدائی مرحلہ ہے، کمال ابھی بہت آگے ہے۔''

مجھے خیال آیا کہ ایسے ہی مجھے رغبت دلانے کے لیے فرما رہے ہیں، اِس سے زیادہ کیا ترقی ہو سکتی ہے! بہر حال مَیں صدقِ نیّت سے خدمت میں مشغول ہو گیا۔ چند ہی دنوں میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ میری پُرانی کیفیت، نئے احوال کے مقابلے میں ابتدائی کہلانے کے قابل بھی نہ تھی۔ چند مہینوں کے بعد حضرت مجدّدؒ نے خلوت میں بُلا کر مجھے خلافت بخشی اور بنّور کی طرف رخصت کر دیا۔ مَیں نے آپؒ کے حکم کے مطابق چند لوگوں کو بیعت بھی کیا لیکن میرا دل بیعت لینے پر مطمئن نہیں ہوتا تھا۔ چند ماہ بعد مَیں پھر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؒ جان گئے کہ مَیں لوگوں کو بیعت کرنے کے معاملے میں سرگرمی نہیں دِکھاتا۔ آپؒ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ آپ سے پوچھے گا کہ لوگوں کو سیدھا راستہ دکھانے کی صلاحیت کے باوجود آپ نے ایسا کیوں نہ کیا؟'' اس تاکید کے بعد مَیں بہت پُر جوش

ہو کر سالکوں کی تربیت میں مشغول ہوا۔

حضرت شیخ آدم بنوریؒ نے اپنے ایک لاہوری مرید سے وعدہ کر رکھا تھا کہ اس کے ہاں آئیں گے۔ چنانچہ ۱۰۵۲ھ میں لاہور پہنچے۔ بادشاہِ وقت کو بھی اطلاع پہنچ گئی۔ چوں کہ آپؒ کے ساتھ افغانیوں کی بہت بڑی تعداد بھی تھی، اس لیے بعض حاسدوں نے یہ خبر اور ہی رنگ میں بادشاہ تک پہنچائی۔ بادشاہ کو شیخؒ کی آمد ناگوار گذری۔ شیخؒ برسوں سے حرمین جانا چاہتے تھے۔ اس لیے وطن واپس آ کر حج پر روانہ ہو گئے۔ حرمین میں بھی آپؒ کو بہت مقبولیت نصیب ہوئی۔ مدینہ شریف میں چلّہ کشی کی سعادت ملی اور حضرت رسالت مآب ﷺ کی عنایات سے مشرّف ہوئے۔ واپسی کا ارادہ کیا تو بارگاہِ رسالت سے اجازت نہ ملی۔ آنحضرت ﷺ نے بشارت دی کہ: ''اے میرے بیٹے! تم میرے ہمسائے میں رہو۔'' چنانچہ آپؒ وہیں مقیم رہے۔ ۱۳۔ شوال ۱۰۵۳ھ کو وفات پائی اور حضرت عثمان غنیؓ کے روضے کے قریب دفن ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کے گنبد کا سایہ آپؒ کی قبر پر پڑتا ہے۔

شیخ بدرالدّینؒ کی تحریر مکمّل ہوئی۔

مصنّف کہتا ہے کہ اکثر ساتھیوں کو ملّا بدرالدّین مرحوم سے شکایت ہے کہ انھوں نے حضرت بنوریؒ کو اپنے عہد کے مشہور ترین مشائخ میں سے لکھا ہے لیکن اس کے باوجود آپؒ کے مناقب سب سے کم لکھے ہیں۔ حالاں کہ آپؒ کے عُلوم اور مناقب تحریری شکل میں سوا اجزاء کے قریب موجود ہیں۔ جیسا کہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے نفحات الانس میں حضرت خواجہ نقشبندؒ کے مناقب بہت کم لکھے ہیں۔ اِس وجہ سے سلسلۂ نقشبندیہ کے بہت سے عزیز مولانا جامیؒ سے شاکی ہیں۔ اِس کی توجیہ کی جا سکتی ہے کہ شاید انھیں

بابِ چہارم

حضرت سیّد آدم بنوریؒ کی جوانی اور ابتدائے سلوک کے بعض احوال کے بیان میں، جو آپؒ کی تصانیف میں موجود نہیں لیکن مَیں نے خود آپؒ سے یا آپؒ کے ساتھیوں سے سُنے۔

حضرت سیّد بنوریؒ جواں مردوں میں سے تھے اس لیے لڑکپن اور جوانی میں سپاہ گری میں مشغول رہے اور بشری آلودگیوں سے محفوظ رہے۔ آپؒ کی رُوحانی تربیت کا اہتمام ہوتا رہا اور آپؒ کو صراطِ مستقیم کی ہدایت ملتی رہی جیسا کہ آپؒ کی کتابوں میں تحریر کیا گیا ہے۔ لڑکپن اور جوانی میں اگر کبھی انجانے میں بھی آپؒ سے کوئی کوتاہی سرزد ہونے لگتی تو خواب میں اس سے منع کر دیا جاتا۔

آپؒ فرماتے تھے کہ اُنھی دنوں دو اشخاص نے میری خواہش پر مجھے ایک اسم بتایا۔ مَیں نے اس کا ورد جاری رکھا۔ رفتہ رفتہ سرمستی پیدا ہونے لگی۔ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ چاند میری گود میں آن گرا ہے۔ پھر مَیں نے رزقِ حلال کمانے کے لیے کتابت شروع کر دی اور خطاطی میں بے مثال مہارت حاصل کر لی۔ بادشاہِ ہند کے لشکر میں دو بے نظیر قطعہ نویس تھے۔ انھوں نے مجھے بھی تیسرے خطاط کے طور پر ملازمت دلوا دی۔ چنانچہ مَیں خوش نویسی، شجاعت اور دلیری کی وجہ سے منصب دار بن گیا۔ اِس ملازمت کے دوران بھی مَیں نے اشراق، چاشت اور تہجد کی نمازیں نہ چھوڑیں۔ کوچ کے وقت مَیں اشراق پڑھنے کے بعد لشکر سے جا ملتا تھا۔ جہاں، لشکری لوگوں کے کھیت کھلیان

پامال کرتے ہوئے گذرتے تھے، مَیں وہاں دائیں یا بائیں عام راستہ ڈھونڈ کر ان کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا۔ مَیں شجاعت میں بھی بے مثال تھا۔ یہاں تک کہ بدمست ہاتھی سے ٹکرانے سے بھی نہ گھبراتا تھا۔

اسی زمانے میں میرے دل میں جذبۂ طلب اور ذوق وشوق بیدار ہوا اور مَیں نے ساتھیوں سے کہا جہاں بھی کسی بزرگ کو دیکھو یا ان کے بارے میں سنو تو مجھے بتانا۔ مَیں ہر درویش اور فقیر سے ملتا رہا بلکہ جوگیوں اور سنیاسیوں سے مل کر ان کا سلوک بھی حاصل کیا۔ ان میں سے اکثر جوگی اور سنیاسی مجھے دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے۔ اس کے بعد حضرت شاہ محمد شطاریؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض پایا اور ان کے ساتھیوں میں بہت نمایاں ہو گیا اور خلافت پائی۔ ایک دن اُنھوں نے مجھ سے فرمایا کہ مجھ پر آزمائش کا ایک وقت آئے گا۔ مجھ سے غافل نہ رہنا۔ آخر وہ فسق میں مبتلا ہو گئے اور ان کے اکثر ساتھی انھیں چھوڑ گئے۔ مَیں ہر ہتک برداشت کر کے اُن کے ساتھ رہا اور خدمت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ مجھ سے راضی ہو گئے۔

ایک دن کہنے لگے: ''کوئی ہے جو کھانے کی دیگ اٹھا کر میرے ساتھ آئے''؟ کوئی بھی تیار نہ ہوا۔ مَیں تیار ہو گیا اور ایک کالی دیگ اٹھا کر گلیوں اور بازاروں میں سے گذرا۔ دوست احباب مجھ سے دیگ پکڑنے کے لیے دوڑتے رہے لیکن مَیں نے کسی کو نہ پکڑائی اور خود وہاں پہنچائی جہاں حضرتؒ فرماتے تھے۔ چنانچہ آپؒ نے بہت کرم فرمایا اور اپنی خصوصی باطنی نعمتوں سے سرفراز کیا۔ مجھے جو کچھ بھی ملا، اپنی عاجزی انکساری ہی سے ملا۔

مَیں نے طریقت کے تمام سلسلوں سے فیض پایا۔ جس نعمت کے بارے میں کہا

جاتا تھا کہ دس روز میں حاصل ہو سکے گی، مَیں اسے کمتر مدّت میں حاصل کر لیتا تھا۔ ایک بار مَیں کشمیر کے راستے پر جا رہا تھا کہ کہیں اور جا نکلا۔ صحرا میں ایک قادری بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ اُن کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ بڑے خدا رسیدہ تھے۔ مَیں نے اُن سے استفادہ کرنا چاہا تو انھوں نے معذرت کر لی لیکن مَیں نے ان کی خدمت میں رہ کر کافی کسبِ فیض کر لیا۔

مَیں ملتان میں حضرت شیخ بہاء الدّین زکریّاؒ کے مزار پر حاضر ہوا اور نیّت کی کہ اگر میرے لیے روحانیت کے راستے میں آسانیاں ہیں تو مجھے یہاں سے کوئی چیز ملے گی۔ مَیں نے قبر کی چادر کے نیچے ہاتھ ڈالا۔ ایک روٹی اور بشارت مل گئی۔

ایک دن مَیں نے کچھ ملحدوں کو دیکھا کہ بڑی بے باکی سے ''ہمہ اوست'' کے معارف بیان کر رہے ہیں۔ مَیں یہ سوچ کر ڈر گیا کہ نجانے مجھے استقامت حاصل رہے گی یا نہیں! یہ خیال آتے ہی ایک مجذوب نے مجھ سے کہا: ''ڈرو مت! تم ملحدوں کی گردن توڑ دو گے۔''

مجھے اکثر مجنونوں اور غیبی آوازوں سے بشارتیں ملتی تھیں۔ مَیں مجذوبوں کی بہت خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک مجذوب کو مَیں نے شدید گرمی میں دھوپ میں سویا ہوا دیکھا۔ مَیں اُس پر سایہ کر کے کھڑا رہا۔ آخر وہ جاگا اور سرخ آنکھوں سے مجھ پر نظر ڈالی اور فیض عطا کیا۔

ایک دن مَیں نے دیکھا کہ ایک مجذوب نے جنگل سے نکل کر ایک دروازے پر سوال کیا اور روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر واپس چل دیا۔ کسی اور گھر سے کچھ نہ مانگا۔ مَیں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا اور اس سے بھی نسبت حاصل کی۔ اِسی طرح ایک روز صبح کے وقت مَیں

نے ایک مجذوب کو دیکھا اور اُس کے پیچھے ہولیا۔ اُس نے مجھے منع کر دیا۔ لیکن جب مَیں نے اصرار کیا تو اُس نے پلٹ کر کہا: ''جاؤ، مَیں نے تمھیں دونوں جہانوں کا بادشاہ بنا دیا۔''

حضرت سیّد آدم بنوریؒ نے فرمایا کہ ایک بار مَیں ملتان میں اپنے خیمے میں بیٹھا ہوا تھا کہ آدھی رات کو ایک مجذوب نے ''اے سیّد! اے سیّد'' کہہ کر پکارنا شروع کر دیا۔ مَیں یہ سمجھا کہ شاید کوئی جن ہے جو آدھی رات کو آوازیں دیے جا رہا ہے، اس لیے مَیں نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب اس نے کئی بار فریاد کی تو مَیں نے جواب دیا۔ کہنے لگا: ''تمھارے پاس آسکتا ہوں''؟ مَیں نے کہا: ''آجایئے'' اس نے کہا: ''شہر میں اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا ہے لیکن تمھارا ڈیرہ بڑا نورانی ہے۔'' وہ مجذوب عالم آدمی تھا۔ آیات و احادیث کے حوالے دیتا تھا اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب دلاتا تھا۔ اُس کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ میرے پاس جو کچھ بھی تھا، مَیں نے اللہ کے راستے میں خرچ کر دیا۔ اُس مجذوب کی برکت سے مجھے سخاوت کی توفیق ملی۔

اس کے بعد مَیں نے کچھ اور بزرگوں سے فیض پایا۔ میری محفلوں میں بہت ہجوم رہنے لگا۔ مَیں خاقانی، انوری اور خواجہ حافظ کی غزلوں کے مشکل اشعار کی ایسی عمدہ تشریح بیان کرتا تھا جو لوگوں کو بہت پسند آتی تھی۔

ملتان ہی میں مَیں نے مولانا حاجی خضرؒ سے نقشبندی سلسلے کی تلقین لی۔ حصولِ مراد کے بعد انھوں نے مجھے سرہند میں حضرت شیخ مجدّدؒ کی خدمت میں بھیج دیا۔ مَیں بعض حاسدوں کی تہمت بازی کی وجہ سے حضرت مجدّدؒ کی خدمت میں جانے سے ہچکچا رہا تھا۔ خود کو تسکین دینے اور علم حاصل کرنے کے لیے مَیں نے علمِ صَرف کی کتابیں میزان اور منشعب پڑھنی شروع کر دیں لیکن جب حاجی خضرؒ نے بہت اصرار کیا تو مَیں سرہند حاضر

ہو گیا۔ حضرت مجددؒ نے مجھ پر اتنی مہربانی کی کہ مَیں پہلی ہی ملاقات میں خود کو آپؒ کی ذات میں فنا کر بیٹھا۔ مَیں جدھر بھی دیکھتا، مجھے آپؒ ہی دکھائی دیتے۔

اس کے بعد مَیں نے شاہی لشکر کی ملازمت چھوڑ دی۔ میری دیکھا دیکھی کچھ اور احباب نے بھی ترک و تجرید اختیار کر لی۔ حضرت شیخؒ مجھے دن میں کئی کئی بار خلوت میں طلب فرماتے اور توجہ سے نوازتے۔ آپؒ میری باطنی ترقّی پر خوشی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ مَیں چھ ماہ آپؒ کی خدمت میں رہا اور تکمیل کی۔ جب آپؒ اجمیر گئے تو مَیں بھی آپؒ کے پیچھے روانہ ہوا۔ کچھ پیر بھائی بھی ہم سفر تھے۔ وہ نفسانیت کے غلبے کی وجہ سے مجھ سے حسد کرنے لگے اور مذاق اڑاتے۔ مَیں سوتا یا تھک جاتا تو وہ کہتے کہ ''اچھا ولی بھی تھک جاتا ہے اور سو جاتا ہے۔'' مَیں جواب میں کچھ بھی نہیں کہتا تھا اور مجھے کوئی دکھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ جب مَیں حضرت شیخؒ کی خدمت میں اجمیر پہنچا تو خاصی روحانی ترقّی کر گیا تھا اور اُن مذاق اُڑانے والوں کی باطنی کیفیات زائل ہو چکی تھیں۔ حضرت شیخؒ صورتِ حال سے آگاہ ہو گئے۔ آپؒ نے اُن ساتھیوں کو تنبیہ کی اور اُنھیں حکم دیا کہ وہ مجھے راضی کریں۔ پھر آپؒ نے مجھ پر بہت شفقت فرمائی اور خلافت عطا کی اور وطن روانہ فرمایا۔

بنّور میں پہنچا تو مُریدوں اور سالکوں کا سیلاب اُمڈ آیا۔ لوگوں کو عمدہ ذوق اور احوال نصیب ہونے لگے اور وہ برسوں کی ترقّی گھنٹوں میں کرنے لگے۔ آخر ایک دن مَیں پیری مُریدی ترک کر کے، ساتھیوں کو روتا چھوڑ کر لاہور میں حضرت شیخ طاہر بندگیؒ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ مَیں نے اُنھیں قادری نسبت میں بہت باکمال پایا اور ان سے یہ نسبت حاصل کی۔ کسی اور قادری بزرگ میں اس نسبت کا اتنا غلبہ نہیں تھا۔ شیخ طاہر بندگیؒ نقشبندی نسبت میں بھی بہت اعلیٰ مقام رکھتے تھے اور مَیں نے اُن سے نقشبندی فیض بھی

پایا۔ اُنھوں نے مجھے خلافت عطا کی۔

لاہور ہی میں ایک دن مَیں بہت مغموم ہو گیا۔ خیال آیا کہ مَیں شروع میں قادری سلسلے سے وابستہ ہوا اور پھر نقشبندی نسبت حاصل کی۔ کہیں اس وجہ سے قادری سلسلے کے حضراتؒ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔ چناں چہ مَیں حضرت میاں میر قادریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن مجھے اندازہ ہو گیا کہ اُن سے مجھے کچھ حاصل نہیں ہو سکے گا۔ مَیں بہت دل شکستہ ہو گیا۔

پھر مجھے ایک خواب میں انبیاءؑ اور اولیاءؒ کی زیارت ہوئی۔ مَیں نے دیکھا کہ جاہ وجلال والے ایک بزرگ آئے۔ وہ نبیوں کی صف میں نہ بیٹھے۔ مَیں جان گیا کہ انبیاءؑ میں سے نہیں ہیں، کوئی ولیِ کامل ہیں۔ وہ اولیائے کرامؒ کی صف میں آئے تو مَیں جان گیا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہیں۔ آپؒ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میرے پیر و مرشد حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ ''قربِ الٰہی کے حصول کے لیے اس سلسلے کے برابر اور کوئی سلسلہ نہیں ہے''۔

مکاشفہ:

حضرت سیّد آدم بنوریؒ نے ۲۵۔ رمضان کو عشاء کے وقت فرمایا کہ یہ رات، لیلۃ القدر ہے لیکن وہ مخصوص مبارک لمحہ گذر چکا ہے۔ البتہ اس کی خیر و برکت صبح تک رہے گی۔ ۲۷۔ رمضان کی رات مجھے بے حد نورانی محسوس ہوئی اور مَیں بہت حیران ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ آخر پتہ چلا کہ یہ سارا نور لوگوں کی عبادات اور اُن کے حُسنِ ظن کی بدولت ہے جو اس رات کو لیلۃ القدر سمجھ کر محوِ عبادت رہے ہیں۔

اِسی طرح ایک بار آپؒ نے ۲۲۔ رمضان کو فرمایا کہ یہ رات عبادات اور اذکار میں گذاریے گا کیوں کہ یہ شب قدر ہے۔ کئی ساتھیوں کو اس کا مشاہدہ بھی ہوا۔

تصرّف:

ایک بار آپؒ نے بیان فرمایا کہ بنّور میں ایک شخص جادو میں بہت مشہور تھا۔ اُس نے حسد کی وجہ سے، جادو کے ذریعے کچھ جنّات مجھ پر مسلّط کر دیے۔ اتّفاق سے ایک بار مَیں اپنے گھر میں ناپاکی کی حالت میں بیٹھا تھا کہ جنّات آن موجود ہوئے۔ وضو یا غسل کا موقع نہیں تھا۔ چنانچہ مَیں ذکرِ قلبی میں محو ہو گیا اور وہ ٹل گئے۔ دوسری بار وہ گُرز ہاتھ میں لیے چبوترے تک آن پہنچے۔ مَیں دوبارہ ذکر میں مشغول ہو گیا اور وہ چلے گئے۔ تیسری بار وہ بہت خوفناک انداز میں ظاہر ہوئے۔ مَیں غافل ہی تھا کہ اُنھوں نے میرے سر پر گُرز دے ماری۔ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کی۔ مَیں محفوظ رہا اور اس جن کا ہاتھ سوکھ گیا۔ مَیں نے دعا کی کہ جادو کرنے والے پر اس کا اُلٹا اثر نہ ہو اور وہ جادو کی رجعت سے محفوظ رہے۔ اِس کے باوجود اُس پر تھوڑا سا اثر ہو گیا اور وہ بیمار پڑ گیا۔ مَیں عیادت کے لیے اُس کے گھر گیا تو اُسے خاصی تکلیف تھی۔ بہر حال اُس نے ندامت کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے کامل شفا عطا فرمائی۔

بابِ پنجم

حضرت سیّد آدم بنّوریؒ کے ساتھیوں کے بعض مکاشفات وکرامات کے بیان میں جو اُنھوں نے آپؒ یا آپؒ کے مُریدوں کے بارے میں دیکھے

مشاہدہ:

شیخ محمد شریف مرحوم اور شیخ ابونصرؒ آپؒ کے باعمل عالم ساتھیوں میں سے ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ وہ کافی عرصہ حضرت شیخ بنوریؒ کے ماتھے پر اسمِ ''اللہ'' لکھا ہوا دیکھتے رہے۔ کچھ اور قریبی ساتھیوں کو بھی یہ مشاہدہ ہوا۔ ایک دن ہم نے آپؒ سے اِس کا ذکر کیا۔ آپؒ نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اس کے ذکر سے منع کر دیا۔ پھر آپؒ نے اُسی وقت اپنے ماتھے پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے بعد ہمیں وہ اسم دکھائی نہ دیا۔

درجہ:

ہم آپؒ کے ساتھ لاہور میں تھے کہ وہاں کے ایک شیخِ طریقت، امانت خان کے پاس آ کر کہنے لگے کہ مَیں نے خواب میں دیکھا ہے کہ اولیائے کرامؒ کی محفل میں حضرت سیّد آدمؒ کو عبداللہ کے نام سے پکارا گیا ہے، شیخ آدم نہیں کہا گیا۔ امانت خان نے اِس فقیر سے کہا کہ تم حضرت شیخؒ کے پُرانے ساتھیوں میں سے ہو، اِس خواب کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ مَیں نے کہا کہ یہ خواب بالکل صحیح ہے۔ حضرت شیخؒ نے اپنی کتاب نکاث الاسرار میں لکھا ہے کہ ہر ولی کا ایک خاص نام ہوتا ہے جو اس کی استعداد کا مظہر ہوتا ہے۔ میرا نام

عبداللہ ہے، اس لیے کہ میرا مُربّی اسمِ اللہ ہے۔

مکاشفہ:

ایک اہلِ دل نے خواب میں دیکھا کہ شیطان حضرت بنّوریؒ کی گلی میں سے بھاگ کر گذر رہا ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ کیوں بھاگ رہے ہو تو شیطان نے جواب دیا کہ مجھے اس گلی میں قرار نہیں آتا۔

مشاہدہ:

شیخ مکارم سامانیؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن مَیں بہت بے چین ہو گیا کہ میری باطنی ترقّی رُک گئی ہے اور حضرت شیخؒ بھی مجھ پر مہربانی نہیں فرماتے۔ اِسی کیفیت میں میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں آپؒ کی زیارت ہوئی۔ آپؒ نے مجھے تسلّی دی اور خوب راہنمائی فرمائی۔ مَیں نے اپنے احوال میں واضح ترقّی دیکھی۔ آنکھ کھلی تو مَیں نے آپؒ کو سامنے موجود پایا۔ آپؒ اُسی طرح بیٹھے ہوئے مجھ پر توجہ فرمارہے تھے۔ مجھے بہت حیرت ہوئی۔ خوب غور سے دیکھا تو بالکل وہی کیفیت تھی جیسے خواب میں تھی۔ مَیں اسی حیرت میں تھا کہ کسی شخص نے مجھے بلایا۔ مَیں نے اُس آدمی کی طرف دیکھا تو حضرت شیخؒ غائب ہو گئے۔

درجہ:

آپؒ کے ایک کفش بردار خادم کا بیان ہے کہ مَیں مدینہ شریف میں شیخؒ کے اعتکاف کے مقام پر بیٹھا ہوا تھا اور مجھے بہت برکات حاصل ہو رہی تھیں۔ ایک رات مَیں نے مراقبے کے دوران آپؒ کو بہت نفیس اور قیمتی لباس میں دیکھا۔ آپؒ نے بابُ السّلام

سے آسمان کی طرف پرواز کی۔ مَیں نے بھی آپؒ کے ساتھ پرواز کی اور بہت اعلیٰ روحانی کیفیت محسوس کی۔

تصرّف:

بہت سے ساتھی بتاتے ہیں کہ وہاں اکثر طاعون کی وبا پھُوٹ پڑتی ہے۔ جن دنوں حضرت شیخؒ حج پر روانہ ہوئے، اُن دنوں تو وبا نے پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ہزاروں لوگ مرنے لگے لیکن بتور اکثر محفوظ رہتا اور خاص طور پر حضرتؒ کے محلّے میں تو کبھی کسی کو یہ بیماری لاحق نہ ہوئی۔ اگر کسی میں کوئی علامت ظاہر ہوتی بھی تو حضرت شیخؒ کے تصرّف سے وہ شفا پا لیتا۔ جیسا کہ آپؒ کے بڑے بچّوں کی والدہ بی بی شریفہؒ بیان کرتی ہیں کہ ایک رات مَیں سوئی تو پتھر کا ایک ٹکڑا میرے پہلو میں آ لگا۔ مجھے شدید درد ہوا۔ مَیں نے اُٹھ کر دیکھا تو طاعون کی گلٹی نکل آئی تھی۔ مَیں خوف اور تکلیف سے بے ہوش ہو گئی۔ حضرتؒ کو میری بے حالی کی اطلاع دی گئی۔ آپؒ نے آ کر مجھے نزع کی تکلیف میں مبتلا دیکھا تو آپؒ کو رحم آ گیا۔ آپؒ نے ازراہِ کرم میری سلامتی کے لیے دعا کی۔ اُسی وقت مجھے مشاہدہ ہوا کہ حضرت سرورِ کائنات ﷺ اور حضرت فاطمہؓ میرے سرہانے تشریف لائے ہیں۔ مَیں نے اُٹھ کر دونوں ہاتھ آنحضرت ﷺ کے قدموں پر رکھ دیے اور قدم بوسی کی۔ جب مَیں نے گھر والوں کو یہ واقعہ سنایا تو اُنھوں نے کہا کہ تم نے تو حضرت شیخؒ کی قدم بوسی کی تھی۔ اِس سے مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت سرورِ عالم ﷺ نے حضرت سیّد آدمؒ کی شکل میں زیارت کرائی تھی۔

مصنف کہتا ہے کہ اِس سلسلے میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اکثر درویش خواب

میں جو واقعات دیکھتے تھے، بیداری میں بھی ویسا ہی پاتے تھے۔ مَیں نے اکثر روایات کعبہ شریف میں لوگوں سے سُنی ہیں اور مجھے ان کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے کیوں کہ حرم میں شیاطین کا گزر نہیں ہوسکتا۔ ہر روایت براہِ راست معتبر راوی سے بیان کی گئی ہے۔ جب خبرِ واحد شرعی امور میں قبول کی جاتی ہے تو فضائل کے معاملے میں کیوں قابلِ قبول نہیں ہوگی؟ مَیں نے کئی بار کہا ہے کہ اگر میری بیان کردہ کسی روایت میں کوئی غلطی ہو تو اس کی اصلاح کردی جائے یا اُسے حذف کردیا جائے اور اگر کسی اور کی بیان کی ہوئی بات میں کوئی شبہ ہو تو اسے استخارے کے بغیر حذف نہ کیا جائے۔

بابِ ششم

حضرت سیّد آدم بنّوریؒ کے مصافحوں کے بیان میں:

جان لیجیے کہ مصافحات کا معاملہ آپؒ کے خاص اہم فضائل میں سے ہے۔ جب آپؒ مدینہ منورّہ کے قریب پہنچے تو سُنّت کی پیروی میں یا اپنی دانش و بصیرت کی راہنمائی میں سُنّت کے مطابق پہلے مسجدِ قُبا میں گئے۔ ظہر کی نماز کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے اور ہر دو قدم کے بعد دو نفل پڑھتے ہوئے ایک دن اور رات میں مدینہ شریف پہنچے۔ پھر آپؒ عجز و نیاز اور خشوع و خضوع سے روضۂ انور کی جالیوں کے سامنے حاضر ہوئے۔ آپؒ نے ادب و احترام سے کھڑے ہو کر درود و سلام عرض کیا تو بارگاہِ رسالت سے جواب عطا کیا گیا۔ کچھ دیر بعد وہیں آپؒ کو حضرت نبی کریم ﷺ سے مصافحے کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپؒ بے حد خوش ہوگئے اور اُسی وقت تمام ساتھیوں کو بُلا کر فرداً فرداً سب سے مصافحہ کیا۔ رہائش گاہ پر واپس آ کر آپؒ نے اس واقعے کی تفصیل بیان فرمائی۔ آپؒ نے بتایا کہ مصافحے کے دوران جب مَیں نے دائیں بائیں نظر دوڑائی تو تمام متعلقین اوّل سے آخر تک وہاں موجود پائے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے اُن سب سے بھی مصافحہ کیا۔ جتنے لوگ تھے، آنحضرت ﷺ کے اُتنے ہی ہاتھ ظاہر ہو گئے تھے۔

اس کے بعد ایک بار آپؒ مسجد قبا کی زیارت کے لیے گئے۔ پیدل گئے اور آئے، اس لیے بہت تھک گئے۔ واپسی پر درود شریف پڑھتے ہوئے انتہائی نیازمندی سے بابِ وقوف میں حاضر ہوئے اور متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اِس مبارک گھڑی میں آنحضرت ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ ﷺ

نے کئی بار اپنے مصافحے کے شرف سے نوازا۔ مَیں نے اپنے ساتھیوں پر لطف و کرم کی التجا کی۔ مَیں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے میرے تمام متوسّلین کے ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ''اس سے زیادہ اور کیا چاہیے''؟

پھر رمضان المبارک میں حضرت شیخؒ نے مسجد نبوی میں اعتکاف اختیار کیا اور یک سو ہو کر شدید عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ اِس دوران آپؒ خشک روٹی سے افطار کیا کرتے تھے۔ ایک دن سحر کے وقت ایک ساتھی بڑی محبّت سے سبزی کا کچھ سالن لائے۔ حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ مَیں نے اُن کے اصرار پر تھوڑی سی روٹی اور سبزی کھالی۔ اسی وقت حضرت سرورِ کائنات ﷺ نے ظہور فرمایا۔ آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے میرا ہاتھ پکڑنا چاہا۔ چوں کہ میری انگلیوں پر کچھ سالن لگا ہوا تھا، اس لیے مَیں نے احتراماً ہاتھ ایک طرف کرلیا لیکن آنحضرت ﷺ نے انتہائی شفقت سے ہاتھ بڑھا کر میرا ہاتھ تھام لیا اور فرمایا: ''جس کسی نے آج دُنیوی لذّتیں چھوڑیں، وہ ہمارے ساتھ آخرت کی نعمتوں میں شریک ہوگا۔'' پھر جب حضرت رسولِ مقبول ﷺ نے اپنا دستِ مبارک ہٹایا تو مَیں نے دیکھا کہ اسے بھی تھوڑا سا سالن لگ چکا ہے۔ مَیں یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا۔ اگر اس وقت آنحضرت ﷺ کی بے تکلفانہ عنایات نہ ہوتیں تو مَیں اِس بے ادبی کی وجہ سے کبھی سر نہ اُٹھا سکتا۔

پہلے مصافحے سے مشرّف ہو کر حضرت شیخؒ نے فرمایا تھا کہ ایک بار ہندوستان میں بھی حضرت رسالت مآب ﷺ نے مصافحے کی عزّت بخشی تھی اور فرمایا تھا کہ تمھارے ساتھیوں کا تم سے مصافحہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے مجھ سے مصافحہ کرنا۔ مجھے مدّت سے اِس سعادت کی تمنا تھی جو پوری ہوگئی۔ پھر فرمایا کہ پہلے مصافحے کی کیفیت یاد نہیں رہی

تھی لیکن اب کی بار تو دل پر نقش ہوگئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ہتھیلیوں کے لمس نے دل وجاں کو گرما دیا ہے۔

مصنّف کہتا ہے کہ مجھے کئی بار حضرت سیّد آدم بنوریؒ سے مصافحے کی سعادت ملی ہے۔ جُوں ہی میرے ہاتھوں کو آپؒ کی ہتھیلیوں کی حدّت محسوس ہوتی تھی، مَیں بے خود ہو جاتا تھا اور اپنے آپ میں بہت تبدیلی محسوس کرتا تھا۔

شاید حضرت شیخؒ کو کئی بار مصافحے کا شرف عطا ہوا تھا لیکن صرف انھی مصافحوں کے بیان کی اجازت تھی۔ آپؒ چند دنوں کے بعد، کچھ بتائے بغیر تمام ساتھیوں سے مصافحہ کیا کرتے تھے۔ بہت سے صاحبِ حال ساتھیوں کو آپؒ نے اپنی وفات کے بعد مکاشفوں یا خوابوں میں بھی مصافحوں سے نوازا۔ سب واقعات کا تفصیلی ذکر بہت طویل ہوگا۔

جس پہاڑ پر حضرت عمرؓ کی جائے پیدائش واقع ہے، وہاں آپؒ سے فرمایا گیا کہ جو کوئی آپؒ کے مصافحے سے محروم رہا، وہ ہمارے قرب سے محروم رہا۔ دوسری بار فرمایا گیا کہ جس نے تمھارا مصافحہ ترک کیا، اُس نے گویا میرے رسول کا مصافحہ ترک کیا۔

بابِ ہفتم

اُن بشارات کے بیان میں جن کا ذکر حضرت سیّد آدم بنّوریؒ کی تصانیف میں ہے یا جو آپؒ یا آپؒ کے خلفاء اور نیک لوگوں کی زبانی سُنی گئیں:

شیخ مسعودؒ سے روایت ہے کہ حضرت شیخ بنّوریؒ ایک قبرستان میں سے گذرے اور ایک قبر پر بیٹھ کر دعا اور توجہ فرماتے رہے۔ فارغ ہو کر فرمایا کہ ''قبر میرے ایک مرید کی ہے اور وہ عذاب میں گرفتار ہے۔ مَیں نے بہت دعائے مغفرت کی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ مجھے بہت بے چینی ہے اور مَیں نے بہت استغفار کیا ہے اور خدا سے دعا کی ہے کہ مجھ سے وابستہ ہونے والے کسی شخص کو عذاب نہ دیا جائے۔ مَیں خود تصرّف کر کے کسی کو مُریدنہیں بناؤں گا۔ اے اللہ! تو اُسی کو میرا مُرید بنا جس کی مغفرت یقینی ہو۔ اِس دعا کے بعد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے بہت کرم ہوا اور اس بے چارے کو عذاب سے نجات مل گئی۔''

حضرت شیخؒ نے اپنی اِس دعا کا ذکر اپنی کتاب نکاتُ الاسرار میں بھی کیا ہے۔

ایک دن آپؒ نے کسی بات کے دوران ضمناً فرمایا کہ آج مجھے پتہ چلا ہے کہ اب تک دو لاکھ لوگ مجھ سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ تقریباً گیارہ ماہ کے بعد آپؒ نے یہ تعداد چار لاکھ بیان فرمائی۔ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اب تک یہ تعداد کتنی بڑھ چکی ہے اور قیامت تک کتنی ہو جائے گی۔

حدیث شریف میں ہے: " اکثروا اَخوانکم فی الدِّین " (زیادہ سے زیادہ دینی بھائی بناؤ)

ایک بار ایک دولت مند شخص نے آپؒ کی خدمت میں درخواست کی کہ اُسے چشتی سلسلے میں بیعت فرمائیں۔ آپؒ نے سوچا کہ مجھے بظاہر اِس سلسلے میں بیعت کرنے کی اجازت نہیں ہے، مَیں اسے کیسے بیعت کروں؟ آپؒ فرماتے ہیں کہ مَیں نے اسے استخارہ کرنے کو کہا اور خود بھی استخارہ کیا۔ اچانک مجھے حضرت بابا فریدؒ کی زیارت ہوئی۔ آپؒ نے اپنا جُبّہ مبارک مجھے پہنایا اور خلافت عطا کی۔ پھر آپؒ نے اُس شخص کا ہاتھ پکڑ کر میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس کا دامن پکڑ لو اور صدق و خلوص سے مُرید ہو جاؤ۔ تمھیں ہمارے سلسلے کا نصیبہ مل جائے گا۔ اس شخص نے اپنی عقیدت کی وجہ سے فیض پایا اور مَیں حضرت بابا صاحبؒ کی بشارت سے مشرّف ہوا۔

حضرت شیخ آدم بنوریؒ کے مُریدوں کو بشارت ہو کہ یوں لگتا ہے جیسے آپؒ نے حرمَین شریفین کا سفر مُریدوں ہی کے لیے اختیار کیا تھا کیوں کہ آپؒ جب بھی کسی ایسے مقدّس مقام پر گئے جہاں دعا کی قبولیت کی بشارت تھی، وہاں آپؒ نے سب سے پہلے اپنے عقیدت مندوں کے حق میں دعائے خیر کی۔ حج کے طواف کے دوران آپؒ نے اِس قدر گریہ وزاری کے ساتھ ساتھیوں کے لیے دعائیں مانگیں کہ سب حیران رہ گئے۔ خاص طور پر رکنِ یمانی، حجرِ اسود، ملتزم اور حطیم کے مقام پر آپؒ اُس وقت تک دعا کرتے رہے، جب تک قبولیّت کی بشارت نہ مل گئی۔ آپؒ نے اپنے ایک خط میں ان دعاؤں اور بشارتوں کا ذکر کیا ہے۔

ایک بار انبالے کی مسجد میں بہت سے ساتھی حلقے میں بیٹھے تھے کہ حضرت شیخ

بنوریؒ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی حضرت سرورِ کائنات ﷺ کی زیارت ہوئی ہے۔ آپ ﷺ حلقے میں تشریف لائے اور عصا ہاتھ میں لیے، کھڑے کھڑے فرمایا: "اے میرے بیٹے! تمھارے تمام ساتھی جنتی اور مقبولِ بارگاہ ہیں۔"

شیخ محمد شریفؒ اور شیخ ابونصرؒ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ "مَیں نے کل خواب میں دیکھا کہ کانٹوں سے بھرا ہوا ایک راستہ ہے اور ساتھی وہاں سے گذرنا چاہتے ہیں۔ مَیں نے سب کو روک لیا اور کہا کہ پہلے مَیں جاتا ہوں اور آپ سب لوگ میرے پیچھے پیچھے چلتے آیئے۔ چنانچہ مَیں کانٹے ہٹاتا ہوا چلنے لگا اور ساتھی پیچھے چلتے رہے۔ ان میں سے ایک نے غلط جگہ پاؤں رکھا اور اُسے کانٹے چُبھ گئے۔ جس کی وجہ سے وہ نڈھال ہوگیا۔" راویوں کا بیان ہے کہ اس سچّے خواب کے بعد وہی ساتھی استقامت سے محروم ہوگیا اور ابھی تک راہِ راست پر نہیں آیا۔

حضرت شیخؒ کے خلیفہ کامل برادرم اسد اللہ لاہوریؒ فرماتے ہیں کہ مَیں ہمیشہ مکّہ مکرّمہ کے مقدّس مقامات پر مُریدوں کے بارے میں دعا کیا کرتا تھا لیکن کبھی قبولیّت کی بشارت نہیں ملتی تھی۔ اب دو سال کے بعد مَیں نے حطیم میں میزابِ رحمت کے نیچے دو نفل پڑھے اور گڑگڑا کر تمام ساتھیوں کے لیے دعا مانگی۔ مجھے کعبہ کی طرف سے آواز سنائی دی کہ ہم نے دعا قبول کر لی ہے اور سات واسطوں تک کے مُریدین کو بخش دیا ہے۔ مَیں یہ سن کر کیف وسرور سے مست ہوگیا۔ اگلے دن ۱۵۔ ذی الحجہ کو مَیں نے کعبہ شریف کے اندر جا کر بھی سلسلہ عالیہ کے تمام عقیدت مندوں کے لیے بے شمار دعائیں کیں۔

بابِ ہشتم

حضرت سیّد آدم بنوریؒ کے بعض مکاشفات اور ملفوظات کے

بیان میں:

آپؒ کے تمام ملفوظات کا سرچشمہ علمِ لدُنّی ہے اور اس کا ادراک ہر آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔ آپؒ اپنی مجلسوں میں جو اسرار و معارف بیان فرماتے تھے، پرانے ساتھیوں کو بھی ان کا بہت کم حصّہ ہی یاد ہے۔ پس مَیں ناچیز کثرتِ غفلت اور قلّتِ صحبت کے باوجود یہ جرأت کیسے کر سکتا ہوں کہ آپؒ کے ملفوظات تحریر کروں۔ بہر حال مَیں نے غریب الوطنی کا رنج و غم بھلانے کے لیے یہ اہم کام شروع کیا ہے۔ جو کچھ تحریر ہو سکا ہے، یہ شاید ایک فیصد بھی نہ ہو۔

ملّہ مکرّمہ میں سب سے پہلے حضرت شیخؒ نے جو ارشادات فرمائے، اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ حقیقتِ محمدّی ﷺ، حقیقتِ کعبہ سے افضل ہے۔ جب آپؒ حج پر روانہ ہو رہے تھے تو اکبر آباد میں مَیں نے آپؒ سے یہ مسئلہ پوچھا تھا۔ آپؒ نے فرمایا تھا کہ اِس معاملے میں علماء اور صوفیا میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہر گروہ کے پاس ایسے دلائل ہیں جن سے اُن کا اطمینان ہو جاتا ہے۔ ابھی تک مجھ پر یہ مسئلہ پوری طرح منکشف نہیں ہوا اور مَیں نے اس سلسلے میں توجہ بھی نہیں دی۔ مجھے اندازہ ہوا کہ آپؒ اِس مسئلے پر خاموش رہنا چاہتے ہیں۔ چناں چہ مَیں منتظر رہا کہ آپؒ کب اپنی رائے بیان فرماتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ملّہ مکرّمہ میں آپؒ نے اس معاملے میں مفصّل ارشادات فرمائے اور مجھے اطمینان نصیب ہوا۔

آپؒ فرماتے تھے کہ جب تک مَیں اپنے مکاشفات اور معارف کو شریعت کے مطابق پرکھ نہ لوں اور وہ صحیح ثابت نہ ہوں، انھیں زبان پر نہیں لاتا ہوں۔ آپؒ اپنے ساتھیوں کو بھی یہی تلقین فرمایا کرتے تھے کہ حرم کے تقدّس کا خاص خیال رکھا جائے۔ اس کے ظاہری و باطنی آداب ملحوظ رکھے جائیں اور خوف وخشیّت اور عجز و نیاز کے ساتھ اس پاکیزہ مقام پر زیادہ سے زیادہ عبادت کی جائے۔

مکاشفہ:

ایک بار آپؒ نے فرمایا کہ مَیں طواف کے بعد چاہِ زمزم کی طرف جا رہا تھا کہ مَیں نے مشاہدہ کیا کہ جس طرح لوگ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں، اسی طرح بیت اللہ بھی اپنی حقیقت کا طواف کر رہا ہے اور کعبہ کی حقیقت ایک عرشی نور ہے۔ اس میں زمینی کمالات بھی ہیں اور آسمانی کمالات بھی۔ یہی مقامِ عرشِ الٰہی ہے۔ حقیقت میں قبلہ بھی یہی مقام ہے۔

مکاشفہ:

ایک بار ارشاد ہوا کہ حطیم کے اندر اور کعبہ شریف کے اردگرد ہمیشہ انبیائے کرامؑ کے انوار موجود رہتے ہیں بلکہ پوری مسجدِ حرام ان کی تجلّیات سے مالا مال دِکھائی دیتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے تمام انبیاءؑ ہر وقت اِس مقدّس مقام پر حاضر رہتے ہیں۔ مصنّف نے عرض کیا کہ مشہور کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ حطیم میں حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ ماجدہ کی قبریں ہیں اور زمزم اور مقامِ ابراہیمؑ کے درمیان حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت شعیبؑ اور حضرت صالحؑ کے مزارات ہیں۔ نیز رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان ستّر پیغمبرؑ اور کعبے کے اردگرد تین سو پیغمبرؑ دفن ہیں۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا یہ بات صحیح ہے لیکن حطیم میں حضرت

اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ کے علاوہ ایک اور مزار بھی ہے۔

ملفوظ:

ایک بار حطیم میں فرمایا کہ زمین کا یہ ٹکڑا بہت نازک مقام ہے۔ یہاں حاضری کے دوران بہت زیادہ احتیاط ضروری ہے۔ جو یہاں غفلت کی حالت میں آیا، اس کی سب سے کم سزا یہ ہے کہ اُس کا باطن کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے گا جس سے چھٹکارا نہیں ملے گا۔

ملفوظ:

ایک دن ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کی کوئی خاصیّت ہوتی ہے۔ آئینے کی خاصیت یہ ہے کہ وہ اپنے سامنے آنے والے کی ظاہری شکل کی اچھائی یا بُرائی دکھا دیتا ہے۔ اِسی طرح کعبے کی خاصیّت یہ ہے کہ یہ اپنے پاس آنے والوں کی باطنی اچھائیاں اور برائیاں ظاہر کر دیتا ہے۔ صاحبِ بصیرت آدمی کو چاہیے کہ یہ معاملہ سمجھے اور اچھائیوں میں اضافے اور برائیوں میں کمی کرنے کی بھرپور کوشش کرے۔

ملفوظ:

ایک دن بیت اللہ شریف میں نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ طواف کرنے والے بعض لوگوں میں حضورِ قلب اور اخلاص نہیں ہوتا اس لیے ان کی عبادت ضائع ہو جاتی ہے۔ بہت سے ایسے شیوخ کا معاملہ بھی ایسا ہی لگتا ہے جو ظاہری پارسائی میں مشہور ہیں۔ محبت اور خلوصِ نیت شامل نہ ہو تو عبادت قبول نہیں ہوتی۔

مصنّف کہتا ہے کہ آیات واحادیث سے واضح طور پر اِس بات کی تائید ہوتی ہے۔

لہذا طواف، زیاراتِ اور دوسری تمام عبادات میں محبت، خلوصِ نیّت، خشوع وخضوع اور حضورِ قلب ضروری ہے۔ ورنہ ان کا کوئی فائدہ نہیں۔ ایسی بے روح عبادات اُس درخت کی طرح ہیں، جس کا پھل نہیں ہوتا۔

ایک دن طواف کے دوران مَیں نے دیکھا کہ ایک یمنی مجذوب چرواہوں جیسی آوازیں نکال رہا ہے۔ مَیں نے حیرت سے اُسے دیکھا اور لاحول پڑھتے ہوئے سوچا کہ شاید یہ شخص کوئی صحرائی گڈریا ہے جس پر جنون غالب آ گیا ہے اور اب یہ بے اختیار ہو کر ایسی آوازیں نکال رہا ہے جیسی جانوروں کو ہانکنے کے لیے نکالی جاتی ہیں۔ ابھی مَیں اسی اُدھیڑ بُن میں تھا کہ میرے دل پر القا ہوا کہ جو کچھ تم نے سمجھا ہے، صورتِ حال ویسی نہیں ہے۔ بلکہ یہ مجذوب اُن لوگوں کا مذاق اُڑا رہا ہے جو انسانوں کے رُوپ میں حیوانوں جیسے ہیں۔

ملفوظ:

ایک دن طواف کے فضائل بیان ہو رہے تھے اِسی اثنا میں ایک حدیث بیان ہوئی کہ جو شخص گرمی میں ننگے سر اور ننگے پاؤں طواف کرے، چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائے، کسی اور طرف دھیان نہ دے، ذکرِ الٰہی کے علاوہ اور کوئی بات نہ کرے، ہر پھیرے میں کسی دوسرے کو تکلیف دیے بغیر حجرِ اسود کا بوسہ لے، اللہ تعالیٰ اُسے ہر قدم کے بدلے میں ستّر ہزار نیکیاں عطا فرماتا ہے۔ حضرت شیخؒ نے جب سے یہ حدیث سُنی، اُس دن سے یہ معمول بنالیا کہ دوپہر کو طواف کرتے۔ آدھی رات کو بھی طواف کی سعادت حاصل کرتے۔ ان اوقات میں زیادہ ہجوم نہیں ہوا کرتا تھا اور آپؒ اسے غنیمت جانتے تھے۔

فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص دوپہر کے وقت طواف کرے اور یہ نیّت کرلے کہ مَیں اِس مقدّس مقام کی تعظیم کرتے ہوئے، اِس وقت زائرین کی تعداد میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں اور طواف کرنے والوں میں شامل ہو کر ان کی تعداد بڑھانا چاہتا ہوں تو اسے محض جسمانی مشقت کی نیّت کے مقابلے میں کہیں زیادہ ثواب ملے گا۔

ملفوظ:

ایک بار آپؒ جنّتُ البقیع میں تشریف لے گئے اور مختلف صحابہ کرامؓ کے مزارات کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اِن حضراتؓ کے انوار کے مقابلے میں دوسروں کا نور بالکل بے حیثیت لگتا ہے۔

ملفوظ:

ایک بار آپؒ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے مزار پر حاضری دی اور ان کی شان ومنزلت اور کمالات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ خلفائے راشدینؓ کے علاوہ اِن کے روحانی مرتبے کو اور کوئی نہیں پہنچتا۔ اولیائے کرامؒ کا مرتبہ تو ان کے سامنے بالکل نہ ہونے کے برابر ہے۔

ملفوظ:

حضرت شیخ آدم بنوریؒ اپنے ساتھیوں کو کشفِ قبور وغیرہ جیسی توجّہات سے منع فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ مرحومین کے احوال کوشش کے بغیر دل پر منکشف ہو جائیں تو کوئی بات نہیں ہے لیکن اِس سلسلے میں خود کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ اپنی ساری توجہ مالکِ حقیقی کی طرف لگا کر رکھنی چاہیے۔

مکاشفہ:

آپؒ نے فرمایا کہ ایک دن مجھے خیال آیا کہ حضرت علیؓ کی سخاوت بہت مشہور ہے اوراس سلسلے حضرت ابوبکر صدّیقؓ کی زیادہ شہرت نہیں ہے، یہ بڑی عجیب بات ہے! اسی رات مجھے حضرت رسالت مآب ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ بھی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ کی طبیعت برستی ہوئی گھٹا ہے۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کی سخاوت اور دریادلی کی طرف اشارہ تھا۔

ملفوظ:

حدیث شریف میں ہے کہ نامحرم پر پڑنے والی پہلی نظر کا کوئی حرج نہیں لیکن دوسری نظر جائز نہیں ہے۔ پہلی نظر بے اختیار ہوتی ہے، اس لیے اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ لیکن دوسری نظر میں ارادہ اور خواہش شامل ہوتی ہے، اس لیے یہ گناہ ہے۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ اس حدیث کا یہ مطلب اہل ظاہر کے لیے ہے۔ صاحبِ معرفت لوگوں کے لیے دوسری نظر سے مراد دل کا اُدھر متوجہ ہونا یا ذہن میں اُس کا خیال آنا ہے۔ اور یہ ممنوع ہے۔

ملفوظ:

حضرت شیخؒ کا ارشاد ہے کہ عبادت کی حقیقت، خضوع وخشوع اور کامل عجز و نیاز ہی کا نام ہے اور یہ کیفیت عظمتِ الٰہی کے مشاہدے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ مشاہدہ محبّت سے پیدا ہوتا ہے اور محبت کا ظہور اطاعتِ رسول ﷺ سے ہوتا ہے۔ اطاعت اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک اس کا طریقہ معلوم نہ ہو اور یہ طریقہ دینی علوم حاصل کیے بغیر

معلوم نہیں ہوسکتا۔اس لیے علماء کی صحبت میں رہنا ضروری ہے کیوں کہ وہ دینی علوم کے وارث ہیں۔جن علماء نے اپنے علم کو معاش اور دُنیوی جاہ و منصب کے حصول کا ذریعہ بنا رکھا ہے،ان کی صحبت سے پرہیز ضروری ہے۔صرف پرہیز گار عالموں کی خدمت میں رہ کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہیے۔ناچ گانے سے دلچسپی رکھنے والے اور کھانے پینے میں احتیاط نہ کرنے والے درویشوں کی صحبت سے بھی بچنا ضروری ہے۔بعض مُلحدین توحیدی معارف کا ایسا بیان کرتے ہیں کہ اس سے اہل سنّت و جماعت کے عقائد کو نقصان پہنچتا ہے،ایسے لوگوں سے بھی بچنا چاہیے۔اُن حقائق و معارف کے ادراک کے لیے دل کی صفائی کی طرف توجہ دینی چاہیے،جو اطاعتِ رسول ﷺ سے حاصل ہوتے ہیں۔سب سے پہلے تو کتاب وسنّت اور اجماعِ اُمّت کے مطابق شرعی عقائد کی درستی ضروری ہے،اس کے بعد طریقت، معرفت اور حقیقت کا طالب بن کر، پرہیز گاری اور ریاضت کے لیے صفائے دل اور پاکیزگیِ فکر و خیال کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ اِنسانی کمال اور حقیقی معرفت حاصل ہو جائے۔

بابِ نہم

حضرت سیّد آدم بنّوریؒ کی بعض کرامات اور تصرّفات کے بیان میں:

اگرچہ مَیں نے یہ کرامات تیس چالیس اوراق پر مشتمل ایک الگ کتاب میں تفصیل سے لکھی ہیں لیکن اس کا تقریباً دسواں حصّہ اِس کتاب میں بھی لکھ رہا ہوں کہ یہ بھی آپؒ کی کرامات کے ذکر سے خالی نہ رہے۔ حضرت شیخؒ کے اِن مناقب کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ عوام الناس کو ترغیب ہو اور طالبوں کے شوق میں اضافہ ہو۔ چوں کہ یہ کتاب مُبتدیوں کے لیے ہے، اس لیے مَیں نے اسے عام، سادہ زبان میں لکھا ہے اور انشاء پردازی اور عبارت آرائی نہیں کی کیوں کہ اس میں تکلّف ہوتا ہے اور تکلّف ناپسندیدہ ہے۔ مَیں نے حضرت شیخؒ کی سو سے زیادہ ظاہری کرامات تحریر کی ہیں لیکن آپؒ کی باطنی کرامات اور تصرّفات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ان سب کا علم ہونا بھی ممکن نہیں۔ ہندوستان میں آپؒ کے سلسلے کا فروغ اور آپؒ کے مریدوں کی کثرت بجائے خود آپؒ کی بہت بڑی کرامت ہے۔ آپؒ کے مُریدوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ اگر ایک مُرید کے حوالے سے ایک کرامت بھی فرض کی جائے تو بھی آپؒ کی کرامات لاکھوں ہوں گی۔ اگر مَیں آپؒ کی زندگی ہی میں آپؒ کی کرامات لکھنا شروع کر دیتا تو کئی دفتر بھر چکے ہوتے۔ اب آپؒ کے خلفاء مختلف شہروں میں بکھر گئے ہیں، اکثر مرید وفات پا چکے ہیں یا حالتِ سفر میں ہیں۔ مکّہ مکرّمہ میں موجود ساتھیوں کی روایات کے مطابق یہی کچھ لکھا جاسکا ہے جو پیشِ خدمت ہے۔

کرامات کے زیادہ ہونے سے فضیلت ظاہر نہیں ہوتی اور ان کے کم ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ولایت ہی کا انکار کر دیا جائے۔ کرامات کا اظہار ولایت کا حصّہ نہیں بلکہ اس کے لوازمات میں سے ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی بزرگ کی بہت سی کرامات نقل کی جاتی ہوں اور خود اسے خبر بھی نہ ہو۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ روحانی علوم و معارف ہی سب سے بڑی کرامت ہیں جیسا کہ رسولِ کریم ﷺ کے معجزوں میں قرآن سب سے مستحکم اور باقی رہنے والا معجزہ ہے۔ مرشد کے لیے سب سے ضروری کرامت یہ ہے کہ وہ اپنے تربیت کردہ مریدوں کی باطنی ترقی میں مدد کر سکتا ہو اور مریدوں کو اس سے فیضان پہنچتا ہو۔ اولیائے کرامؒ کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر وقت کرامتیں ظاہر کرنے میں لگے رہیں بلکہ ان کے لیے اپنے معاملات کا چھپانا ضروری ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ: ''بَلاءُ الْاَولیاء اظهار الکراماتِ وَبَلاءُ المومنین الکسل فی العباده'' (کرامات کا اظہار اولیاء کے لیے نقصان دہ ہے اور عبادت میں سستی مومنوں کے لیے نقصان رساں ہے)

اولیاء اللہؒ سے اُن کے روحانی مرتبے کے مطابق ہر وقت کرامتوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے، لوگوں کو پتہ چلے یا نہ چلے۔ اکثر کرامات سے خاص مرید آگاہ ہوتے ہیں اور بعد میں وہ عام لوگوں میں مشہور ہو جاتی ہے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ شروع میں ذوق و شوق، حضورِ قلبی اور ذکرِ قلبی کا حصول بہت بڑی کرامت ہے۔ اولیائے کرامؒ کے نزدیک کرامت یہ ہوتی ہے کہ اللہ کی معرفت اور عنایت حاصل ہو جائے اور عبادت کی توفیق اور نفسانی خواہشوں کی مخالفت کی قوت مل جائے۔ کامل اولیاء ظاہری کرامتوں کو باعثِ شرمندگی سمجھتے ہیں۔ لیکن مَیں عوام اور ناپختہ

مریدوں کی خاطر کچھ ظاہری کرامات تحریر کر رہا ہوں کیوں کہ اِن لوگوں کے نزدیک بزرگی کا یہی معیار ہوتا ہے۔

کرامت:

شیخ ابونصرؒ سے روایت ہے کہ شیخ فتح اللہ کہتے تھے کہ جب مجھ میں عشقِ الٰہی کا ولولہ پیدا ہوا تو مَیں گھر بار چھوڑ کر طلبِ مرشد میں لاہور پہنچ گیا۔ مَیں بہت سے مشائخ سے ملا لیکن کہیں سے مقصد حاصل نہ ہوا۔ اس ناکامی پر مَیں سرگشتہ ہو گیا۔ ایک دن اسی درد و غم کا مارا کسی جنگل میں گھوم رہا تھا اور حسرت زدہ بھی تھا اور ابھی امید بھی باقی تھی کہ اچانک ایک مجذوب مل گئے۔ اُنھوں نے کہا: ''اے حیرت کے مارے ہوئے شخص! اگر تم کمال حاصل کرنا چاہتے ہو تو سید آدم بنوریؒ کے پاس چلے جاؤ، تمھیں مُراد مل جائے گی۔'' یہ اشارہ ملتے ہی میں نئے عزم و ہمت سے منزلیں طے کرتا ہوا بنور کے قریب پہنچا تو دل میں خیال آیا کہ اگر شیخ آدم بنوریؒ ولی اللہ ہیں اور میرا روحانی حصہ اُنھی کے پاس ہے تو وہ ضیافت کے طور پر حلوا عنایت فرمائیں گے۔ جب مَیں آپؒ کی قدم بوسی سے مشرف ہوا تو آپؒ نے فرمایا: ''مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لیے حلوا پکائیے اور سب سے پہلے اس مہمان کو دیجیے کہ یہ طالبِ حلوا ہے۔'' مَیں یہ دیکھ کر نادم ہوا کہ آپؒ میرے دل کی بات جان گئے ہیں۔ چنانچہ میں آپؒ کا مُرید ہو گیا۔ راوی کی بات مکمل ہوئی۔

مَیں عرض کرتا ہوں کہ انصاف کرنا چاہیے اور ایسے مُریدوں پر ماتم کرنا چاہیے کہ اس نادان نے بشارت مل جانے کے باوجود، نفسانی خواہش کی بنا پر، ولی اللہ ہونے کو حلوا کھلانے پر موقوف سمجھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی میٹھی طلب سے کیسا فائدہ ہوگا!

کرامت:

ابُو نصر ہی روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ "حقائق و معارف بیان کر رہے تھے۔اسی اثنا میں آپؒ نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجنا چاہا۔میرے دل میں خیال آیا کہ اگر مجھے نہ بھیجتے تو اچھا تھا تاکہ مَیں اس عرفانی گفتگو سے محروم نہ ہو جاؤں۔آپؒ میرے خیال سے مطلع ہو کر فرمانے لگے: "ابُو نصر یہیں رہیں، کوئی اور صاحب چلے جائیں کیونکہ ابُو نصر حقائق و معارف کا شوق رکھتے ہیں۔"

کرامت:

مُلا محمد زاہد ولد شیخ ابُو نصر نے اپنے رسالے میں بہت سے مناقب اور کرامات لکھی ہیں۔اُن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دن حضرت سید آدم بنوریؒ نے اللہ کا بار بار شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا: "مَیں نے اللہ سے وعدہ لیا ہے اور التجا اور زاری سے یہ دعا کی ہے کہ اے اللہ! تیری رضا نے جس شخص کو اپنا مقبول بنایا ہے، اُسے میری نسبت پر ثابت قدم رکھ۔اس دعا کی قبولیت کے آثار بھی کئی بار ظاہر ہوئے ہیں اور مَیں نے کئی بار آزمایا ہے کہ فُلاں فُلاں لوگ استخارہ، مصافحہ یا تلقین کے وقت اُٹھ کر چلے گئے اور استقامت سے محروم ہو گئے"۔آپؒ کی بات کے دوران مَیں نے سوچا کہ بنور میں بھی ایک شخص بے عقیدت ہو گیا ہے، آپؒ اُس کا نام کیوں نہیں لے رہے؟ آپؒ نے خفگی سے میری طرف دیکھ کر اُس شخص کا نام لیا۔مَیں نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔

کرامت:

نیز لکھا ہے کہ ایک شخص کہتا تھا کہ مَیں لاہور میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا

تھا۔ جب مَیں نے دیکھا کہ ان کے دربار میں ہمیشہ خواص وعوام کا جمگھٹا لگا رہتا ہے اور اُمرا اور سردار انتظار کرتے رہتے ہیں تو مجھے خیال آیا کہ مَیں تو ایک بے باک شخص ہوں، نجانے آپؒ تک پہنچ بھی پاؤں گا یا نہیں؟ لہٰذا مَیں نے گھر جا کر مشائخ کا سا لباس پہنا اور حاضرِ خدمت ہو گیا۔ جب مَیں آپؒ سے ملا تو آپؒ نے میری بے حد عزت افزائی کی۔ مَیں نے سوچا کہ مَیں تو گنہگار آدمی ہوں، حضرتؒ نے میری تعظیم کیوں کی؟ کیا شیخ بھی صرف ظاہر کو دیکھنے والے ہیں؟ یہ خیال آتے ہی حضرتؒ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: ''مَیں نے تو آپ کے اس صوفیانہ لباس کی تعظیم کی ہے۔ اپنے عمل کو آپ خود بہتر سمجھتے ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ جس نے ذرہ بھر بُرائی بھی کی ہوگی، اُسے اس کی سزا ملے گی'' مَیں آپؒ کے کشف پر حیرت زدہ ہو کر مُریدوں میں شامل ہو گیا۔

کرامت:

نیز لکھا ہے کہ خان محمد ولد قاضی بیان کرتا تھا کہ ایک دن میں اپنے دل میں چار باتیں طے کر کے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نیت یہ تھی کہ اگر آپؒ ان باتوں سے آگاہ ہو گئے تو بہت بڑے بزرگ ہیں۔ ایک یہ کہ نمازِ جمعہ کا مسئلہ حل فرمائیں اور بتائیں کہ چار رکعتیں احتیاطاً پڑھنی چاہئیں یا نہیں؟ دوسری بات یہ تھی کہ مجھے خلوتِ خاص میں باطنی توجہ سے نوازیں۔ ملاقات ہوئی تو آپؒ مجلس میں نمازِ جمعہ ہی کا مسئلہ بیان فرما رہے تھے نیز آپؒ نے احتیاطاً پڑھی جانے والی چار رکعتوں سے منع فرمایا۔ خود راقم نے بھی یہ مسائل آپؒ کی ابتدائی مجلس میں آپؒ سے سنے تھے اور اُن پر خوب غور کیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ مَیں نے اس موضوع پر ۲۳ اوراق پر مشتمل عربی وفارسی تحقیقی مقالہ لکھا ہے جس میں عقلی و نقلی

دلائل دیے ہیں۔

اس کے بعد آپؒ نے حاضرین سے فرمایا: ''آپ حضرات ذرا اِدھر اُدھر ہو جائیں تاکہ مَیں محمد خان کی مزاج پُرسی کرلوں''۔ اس سے میری عقیدت کئی گنا بڑھ گئی۔ دوسری دو باتیں راوی کو یاد نہیں رہیں۔

مصنف کی گزارش ہے کہ عقیدت کو ایسی چیزوں کے ساتھ مشروط کر دینے میں نقصان ہی نقصان ہے۔ درویشوں سے عقیدت و محبت کا کمال یہ ہے کہ جسے ثابت قدم، عابد و زاہد اور شریعت و طریقت کا عالم دیکھیں اور اُس کی محفل میں دل کو اللہ کی طرف کشش ہوتی ہو، غیر اللہ کی محبت سے نجات مل جاتی ہو اور دائمی حضوری اور ناقابلِ بیان شہود حاصل ہوتا ہو، اُسے مرشدِ کامل سمجھنا چاہیے اور علم لدُنی اور حقیقی تصوُّف سیکھنے کے لیے اپنے آپ کو اُس کی خدمت میں دے دینا چاہیے۔ اِس طرح مُرید کی صلاحیت کے مطابق نتیجہ نکل آئے گا۔ ایسی باتوں سے درویشوں کا امتحان لینا اور بزرگی کو ایسی چیزوں سے وابستہ سمجھنا فضول بات ہے۔ ایسے شعبدے تو کافر اور بدعتی بھی دِکھا سکتے ہیں۔

مَیں کیا کرسکتا ہوں کہ ساتھیوں نے ایسی روایتیں ہی لکھ رکھی ہیں۔ اکثر عام لوگ یہ بات نہیں سمجھتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مَیں نے بارہا دیکھا ہے کہ ایسی باتوں کی وجہ سے بہت سے لوگ ایسے بزرگوں کے فیض سے محروم رہ جاتے ہیں حالاں کہ وہ دیکھ بھی رہے ہوتے تھے کہ کئی لوگ اُن حضرات کے ادنیٰ خلفاء کی صحبت میں رہ کر حضوری اور مشاہدے کی دولت سے مالا مال ہو رہے ہیں اور مقدور بھر علمِ لدُنی اور حقیقی تصوف سے بہرہ ور ہو رہے ہیں، جب کہ اُن خلفاء میں کوئی ایسی کرامت موجود نہیں تھی جس کا یوں امتحان لیا جا سکتا۔

بہت سے لوگ خواجہ معصومؒ اور سید آدمؒ کی خدمت میں رہ کر اُن حضرات کی

کرامات نہ دیکھ کر شا کی ہوتے تھے اور نفرت انگیز باتیں کیا کرتے تھے۔ حالاں کہ وہ دیکھ رہے ہوتے تھے کہ ہزاروں لوگ ہدایت پا گئے ہیں اور شریعت و طریقت میں استقامت حاصل کر کے علمِ حقیقت سے آگاہ ہو گئے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ استقامت، کرامت سے افضل ہے، بزرگی کو ان چیزوں پر موقوف سمجھنا ناسمجھی اور ان کی وجہ سے عقیدت رکھنا کم عقلی ہے۔

کرامت:

اِسی طرح کی ایک روایت ہے کہ انبالہ کے مفتی شیخ ابُو المعالی کہتے تھے کہ ایک دن مَیں نے حضرت شیخؒ کے علمِ لدُنّی کا امتحان لینے کے لیے، فقہ کی کتابوں سے ایک مشکل مسئلے کا خوب مطالعہ کیا اور آپؒ کے ہاں حاضر ہو گیا۔ مَیں نے ذہن میں سوالات وغیرہ اچھی طرح سے ترتیب دے لیے تھے۔ ابھی مَیں بیٹھا ہی تھا کہ آپؒ ترتیب سے میرے سوالوں کے جوابات دیتے گئے اور مشکل مسائل حل فرماتے گئے۔ یہ دیکھ کر مَیں امتحان کے ارادے سے تائب ہو گیا اور آپؒ کی ذات سے میرے خلوص اور عقیدت میں اضافہ ہو گیا۔

احقر کی رائے میں عقیدت اور اخلاص، محبت کے ضمنی جذبے ہیں۔ اگر محبت، محبتِ ذاتی اور عشق، عشقِ حقیقی ہے تو آزمانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ عاشقِ صادق آئینے کی طرح ہوتا ہے۔ طفیلی نہیں ہوتا۔

آنی کہ وفا و دلبری خُوست تُرا
کونین بہای یک سرِ مُوست تُرا

شرم بادا کہ باچنین حُسن و کمال
دارم بہ طفیلِ دیگران دوست تُرا

ترجمہ) تُو وہ ذات ہے کہ وفا اور محبوبیت تجھ پر عاشق ہیں۔ دونوں جہان تیرے ایک بال کی قیمت ہیں۔ مجھے شرم آنی چاہیے کہ تیرے ایسے حُسن وکمال کے باوجود میں تجھے دوسروں کی وجہ سے محبوب رکھتا ہوں۔

کرامت:

اُنھی سے روایت ہے کہ خواجہ عبداللہ قندھاری جو آپؒ کے قریبی ساتھی اور سمجھدار خادم تھے، بڑی عمدگی سے باغبانی کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ ایک دن کام کرتے ہوئے اُنھیں خیال آیا کہ مَیں نے گھربار چھوڑ کر فارغ البالی اختیار کی اور سب رشتے ناتے توڑ کر اللہ کی طلب میں یہاں آیا ہوں۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہاں پھر کام کاج میں پھنس گیا ہوں۔ یہ سوچتے ہی وہ ذکرِ قلبی اور لذّتِ باطنی سے محروم ہو گئے اور ان پر سخت بے کیفی چھا گئی۔ اُس وقت حضرت شیخؒ وہاں سے دور ایک حویلی میں تھے۔ آپؒ نے خواجہ عبداللہ کی اس کیفیت سے آگاہ ہو کر شیخؒ ابُو الفتح کو طلب کیا اور فرمایا: ''عبداللہ کے پاس جائیے اور اُنھیں کہیے کہ وہ اپنے خیال سے توبہ کریں تاکہ باطنی نعمت سے محروم نہ ہوں''۔

شیخ ابُو الفتح نے جا کر امتحاناً پوچھا: ''کیا حال ہے؟'' خواجہ عبداللہ نے بتایا کہ یوں اُنھیں یہ خیال آیا اور اُن کی باطنی کیفیت برباد ہو گئی۔ شیخ ابُو الفتح نے بتایا کہ: ''حضرت شیخؒ آپ کے خیال سے آگاہ ہو گئے ہیں اور انھوں نے مجھے بھیجا ہے کہ آپ توبہ استغفار کریں''۔ یہ خوشخبری سُنتے ہی خواجہ عبداللہ تائب ہوئے اور انہیں کھویا ہوا روحانی کیف وسرور

واپس مل گیا۔

کرامت:

حضرت شیخؒ کے کچھ کارندے جو اخراجات کا حساب کتاب رکھا کرتے تھے، روایت کرتے تھے کہ ہم مختلف معاملات میں حضرتؒ کی خدمت میں اپنا مدّعا ہی بیان نہیں کر پاتے تھے۔ آپؒ حساب کتاب میں اِتنی باریک بینی کرتے تھے کہ ہم حیران رہ جاتے تھے۔ ہم ایک پیسہ بھی ایسا خرچ نہیں کرتے تھے جس سے آپؒ باخبر نہ ہوتے ہوں۔ جہاں ضروری ہوتا تھا، وہاں آپؒ کُھلے دل سے خرچ کرتے اور غیر ضروری خرچ کو فضول خرچی سمجھ کر ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ کبھی کبھی کوئی ایسا خیال آتے ہی ہمیں آپؒ کی طرف سے جواب مل جاتا تھا اور بعض اوقات ہمیں تنبیہ بھی کی جاتی تھی۔

جیسا کہ شیخ ابُو الفتح مرحوم کہتے تھے کہ ایک دن حضرت شیخ آدم بنوریؒ نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجا جو حضرتؒ کی مرضی کے مطابق انجام نہ پا سکا۔ راستے میں مجھے خیال آیا کہ یہ معاملہ حضرتؒ کی خواہش کے مطابق طے نہیں پا سکا۔ مناسب یہی ہوگا کہ میں آپؒ کے سامنے، آپؒ کو خوش کرنے کے لیے کسی اور انداز میں بات کروں تاکہ آپؒ رنجیدہ نہ ہوں۔ آپؒ کی خدمت میں پہنچ کر مَیں بدحواس ہوگیا اور اِدھر اُدھر کی ہانکنے لگا۔ راستے میں جو باتیں سوچی تھیں، سب بھول چکی تھیں۔ حضرتؒ نے مُسکراتے ہوئے تنبیہ کی اور فرمایا: ''آپ نے وہاں معاملہ اور طرح سے طے کیا ہے۔ راستے میں باتیں بنا کر اب میرے سامنے بے سروپا باتیں کیے جا رہے ہیں''۔ اس تنبیہ پر مجھے بہت شرمندگی ہوئی اور مَیں نے سوچا سُبحان اللہ کیا کمال ہے کہ آن کی آن میں ساری غیبی باتیں جان گئے ہیں اور یوں

بیان کر رہے ہیں جیسے وہاں حاضر و ناظر ہوں۔

کرامت:

اِسی طرح بعض کے دلوں میں ایسا کوئی خیال پوری طرح پختہ نہیں ہوتا تھا کہ آپؒ کو اُس کی خبر ہو جاتی تھی اور کبھی کسی کے ایسے خیال کے جواب میں کچھ الہام بھی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک بار آپؒ مدینہ منورہ میں خلافِ معمول اپنے مکان سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: ''مجھے برادرم میر منصور کے احوال پر بہت رحم آیا۔ مَیں نے سوچا کہ اُن کی عمر کا زیادہ حصہ اُمرا اور بادشاہ کی صحبت میں گزرا ہے اور انھوں نے بڑے عیش سے زندگی گزاری ہے۔ اب اس بڑھاپے میں اُنھوں نے یہ لذتیں ترک کر دی ہیں اور فقیروں کی صحبت اختیار کر لی ہے اور تنگی تُرشی میں وقت گزار رہے ہیں۔ ایسا اچھا شخص اگر باسعادت نہ ہو تو افسوس کی بات ہوگی۔ مَیں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسی اثنا میں میرے دل میں القا ہوا کہ: ''ھُوَ مِنْ اَھْلِ السّعادہ'' (وہ اہلِ سعادت میں سے ہے) فقیر کہتا ہے کہ اچانک میرے دل میں خیال آیا کہ حضرت شیخؒ کو اگر کبھی مجھ جیسے ناکارہ شخص کا خیال آجائے تو عین ممکن ہے کہ مجھے بھی کوئی بشارت عطا ہو جائے۔ لیکن شاید میری یہ خواہش پوری نہیں ہوگی۔ اللہ کے لطف و کرم کے سامنے تو یہ تمنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ حضرت سیدیؒ نے مسکراتے ہوئے خوشخبری دینے والے انداز میں فرمایا کہ: ''اے محمد امین مطمئن رہو، تمھارے بارے میں بھی ایسا ہی القا ہوا ہے''۔ نیز فرمایا: ''ہمارے تمام مریدین باسعادت ہیں۔ اس الہامی جملے میں عربی کا لفظ ''مِن'' بیانیہ ہے جو اس بشارت کے عام ہونے پر دلالت کرتا ہے لیکن مَیں بعض ایسے مُریدوں کے انجام کے بارے میں پریشان تھا جنھوں نے امیروں کی عادتیں چھوڑ

دیں، دنیا داروں کی سی مجلس ترک کر دی اور انتہائے محبت میں فقیروں سے وابستہ ہو گئے لیکن اِس ترکِ دُنیا اور خلوص کے باوجود، بشری کمزوریوں کی وجہ سے کبھی کبھی دُنیا داروں کی سی حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے اُنھیں بھی سعادت مندوں کے زُمرے میں داخل فرما دیا اور مجھے اُن کے بارے میں بھی الہامی خوشخبری عطا فرمائی۔"

جبلِ نُور پر بھی آپؒ کو ایسی ہی بشارتوں کا الہام ہوا تھا، جیسا کہ میں نے "بابِ بشارات" اور رسالۂ بری و بحری میں لکھا ہے۔ کرامات کا یہ باب عمدگی سے بیان نہیں ہو سکا لیکن اس کے آغاز اور اختتام کے حصے میں سالکوں کے لیے بہت سی مفید باتیں ہیں۔ یہ رسالہ چونکہ ۲۷ صفحوں کا ہو گیا تھا اس لیے میں نے اُسے مجموعے میں شامل نہیں کیا لیکن اُس میں سے یہ دس بارہ صفحات منتخب کر کے مختصراً یہاں لکھ دیے ہیں۔ اگر ممکن ہو تو اُس رسالے کو اس کتاب کے آخر میں شامل کر لیا جائے تو بہتر ہو گا۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا خالق و مالک ہے، درود و سلام ہو افضل ترین مخلوق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر جو صاحبِ امانت ہیں نیز آپ ﷺ کی آلؓ، اصحابؓ اور تمام پیروکاروں پر۔

دسواں باب

حضرت آدم بنوریؒ کی اولاد کے احوال اور آپؒ کے بعض مُریدوں اور خُلفاء کے حالات کے بیان میں جو حجازِ مقدس میں آئے اور مجھے اُن سے ملنے جُلنے کا موقع ملا۔

اِن حضرات نے اپنے احوال کے بارے میں کچھ زبانی بیان کیا ہے اور کچھ تحریری مواد فراہم کیا ہے۔ جو احباب حج پر نہیں آسکے اور انھوں نے اپنے حالات بیان کیے ہیں، اُن کی تعداد شمار نہیں کی جا سکتی۔ اُن کے اور ہمارے درمیان ایک سال کی مسافت حائل ہے۔ حرمین کو چھوڑ کر اُنھیں ملنے کون جائے اور ایسا عادل قاصد کہاں جس کی بات پر بھروسا کیا جائے اور اس معاملے میں جستجو کی ہمت ہی کس میں ہے؟ ''لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَھَا'' [۲/۲۸۶] (اللہ تعالیٰ کسی بھی وجود کو اُس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا)

بعض دوستوں نے زبانی بہت کچھ بتایا تھا، وہ مجھے بھول چکا۔ بعض نے خطوں اور رسالوں میں جو کچھ لکھا، اُن سب تحریروں کو تفصیل سے لکھنا اور مناسبت کا خیال بھی رکھنا بہت مشکل تھا۔ لہذا میں بیس سال رُکا رہا۔ اب کچھ انتہائی قریبی ساتھیوں کے اصرار پر یہ قلمبند کر رہا ہوں اور زندگی کا بھی کوئی بھروسا نہیں ہے۔ مجبوراً جو کچھ حاضر تھا، مَیں نے اُسے اختصار کے ساتھ یکجا کر دیا اور اس کے شایانِ شان عبارت آرائی کی کوشش نہیں کی کہ اس میں تکلف بھی ہے اور وہ ممنوع بھی ہے ۔ جس کسی نے پہلے بیان کیا، پہلے لکھا یا پہلے ذہن میں آ گیا، مَیں نے اس ترتیب کو اللہ کی طرف سے جانا اور اسی کے مطابق رکھا۔ اللہ نے جو بھی

کیا، اُسی میں بہتری ہے۔

اولیائے کرام کے تذکرہ نگاروں کی روایت کے مطابق، کہ وہ مشائخ کے مناقب لکھنے کے بعد اُن کے مُریدوں کے احوال بھی لکھتے ہیں کیونکہ مُریدین، پیر کے کمالات کا مظہر ہوتے ہیں، مَیں بھی اپنے شیخؒ کے بعض مریدوں کے حالات بیان کرتا ہوں۔ مَیں نے کوشش کی ہے کہ بات غیر ضروری طویل نہ ہو اور روایت صحیح ہو۔ اس سلسلے میں مَیں نے خود راویوں کی تحریر نقل کر دی ہے یا لکھ کر انھیں سُنا لیا ہے تاکہ غلطی کا شُبہ نہ رہے۔ قارئین اگر کہیں کوئی غلطی محسوس کریں تو غور سے اصلاح کر دیں۔ دراصل یہ اوراق ابتدائی مسودہ ہیں۔ اگر موقع مل گیا اور تمام خلفاء کی تحریریں یا روایتیں ہاتھ لگیں تو اس وقت انھیں مناسب انداز میں مُرتب کر لیا جائے گا وگرنہ کسی اور کو اس کی جمع آوری اور تحریر کی سعادت نصیب ہو جائے گی۔

سب سے پہلے جان لینا چاہیے کہ حضرت شیخؒ نے اپنی کتابوں میں خود ساتھیوں کی تعریف کی ہے۔ مثلاً آپؒ نے ''نکاتُ الاسرار'' میں تحریر فرمایا ہے کہ: ''مَیں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ نہ کسی کو تسخیر کروں گا اور نہ ہی کسی کو اپنی طرف کھینچوں گا۔ اللہ جسے بھی مجھ سے وابستہ کرے، وہ نصرت یافتہ ہو۔ اگر وہ دُنیا سے ناقص بھی چلا جائے تو اللہ قیامت کے دن اُسے مقرب اولیاء میں شمار فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے اِس وعدے اور دعا کی قبولیت کے آثار کئی بار ظاہر ہوئے ہیں لیکن میری طرف سے تسخیر و تصرف کی کوشش ترک رکھنے کے باوجود، مجھ سے ہزاروں لوگ ارشادِ جلی میں بہرہ مند ہو کر ارشادِ عام سے سرفراز ہوئے اور خاص الخاص ارشاد میں تقریباً سو کامل و مکمل لوگوں نے مجھ سے فیض پایا۔ ارشادِ خفی کا تو ذکر ہی کیا کہ دُنیا کے تمام سالکوں کو فیضِ محمدی پہنچایا ہے اور کئی بار

اپنی اور تمام اولین اور آخرین مُریدوں کی خیر وعافیت کی دعائیں کی ہیں کہ وہ سب لوگ مقبول اولیاء میں شمار کیے جائیں۔ مجھے مقبولیت اور بشارت کی نشانیاں ظاہر ہوتی دِکھائی دیں۔'' یہ اصل عبارت ہے، ایک اور مقام پر یوں تحریر کیا ہے: ''جب ہم نہیں ہوں گے تو ہمارے ساتھی ہوں گے۔''

آپؒ نے ''خلاصۃ المعارف'' میں بھی تحریر کیا ہے کہ آج کل علوم ومعارف اور اُن کے اعلیٰ مدارج کے حامل لوگ کم ہی ہیں لیکن بعض ساتھی ذکرِ قلبی کے مرتبوں سے گزر کر ظاہری اور باطنی تجلیات کے مدارج بھی کم وبیش عبور کر گئے ہیں اور حضوری اور مشاہدے کی اُس خاص کیفیت تک پہنچ گئے ہیں جو مخصوص ولایت کا خاصہ ہے۔ کچھ احباب ولایتِ خاص سے بھی بالاتر ہو کر عالمِ بالا کی ولایت سے سرفراز ہو چکے ہیں۔ کچھ ساتھیوں میں ولایتِ انبیاء کی معرفت کے نشانات بھی ظاہر ہوئے۔ اللہ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ یہ لوگ مزید ترقی کریں گے اور عین ممکن ہے کہ کسی طالب کی دستگیری کے قابل ہو جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے نسبت رکھنے والے بعض حضرات اِن عظیم فُیوض کی استعداد کے حامل ہوں گے۔ اُن میں سے کچھ ساتھی اس استعداد کو بروئے کار لائیں گے اور بہت کچھ حاصل کریں گے۔ یہ فقیر اُن سب کے لیے انتہائی خلوص، عاجزی اور نیاز سے دعا گو ہے۔ مَیں نے اللہ سے دعائیں مانگی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے اپنے فضل سے بخشے اور دنیوی جھمیلوں اور اُخروی عذاب سے محفوظ فرمائے، اُسی کو مجھ مسکین سے وابستہ فرمائے۔ اِسی لیے یہ عاجز کسی کو اپنی طرف کشش کر کے تصرف کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ ویسے بھی مَیں نے اپنے معاملات اللہ کے سپرد کیے ہوئے ہیں، بے شک وہ دعائیں قبول فرمانے والا ہے۔ اِن دُعاؤں کی قبولیت کی کئی نشانیاں ظاہر ہوئی ہیں۔

بشارت:

آپؒ کی قبولیت وکمال کی ایک علامت یہ ہے کہ آپؒ نے لکھا ہے کہ ایک بار میں جُمعے کی رات کو درود شریف پڑھ رہا تھا کہ مجھے حضرت نبی کریم ﷺ کے جھنڈے کے طفیل ایک نُورانی جھنڈا اور نورانی سائبان عطا کیا گیا کہ: ''یہ خاص طور پر تیرے لیے ہے تاکہ تیرے مُریدین اِس کے زیرِ سایہ رہیں''۔ اِس کے بعد بے حد وعدے اور کریمانہ بشارتیں دی گئیں جن کی تفصیل خاصی طویل ہے۔

آپؒ پر ہونے والے الہامات میں سے یہ بھی ہے کہ: ''جو شخص بھی تجھ سے وابستہ ہوگا، مَیں اُسے بخش دوں گا۔''

قبولیت کی ایک اور نشانی یہ ہے کہ ایک رات کو آپؒ نے فرمایا: ''جب مَیں مطاف میں داخل ہوا اور رُکنِ یمانی سے ذرا آگے بڑھا تو مَیں نے دیکھا کہ رُکنِ یمانی کی طرف سے ایک جھروکا نمودار ہوا ہے اور اُس میں آنحضرت علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اے میرے بیٹے! اللہ نے اپنے کرم سے جسے بھی مقبولانِ بارگاہ میں سے انتخاب کیا ہے، اُسے کعبے میں لے جا کر رُکنِ یمانی سے باہر لے آتا ہے۔ اس کے بعد مَیں اُس شخص کو تجھ تک پہنچا دیتا ہوں۔'' حضرت شیخؒ کا ارشاد ختم ہوا۔

مجھ ناچیز کو بھی مشاہدہ ہوا ہے کہ مَیں کعبہ شریف میں حاضر ہوا ہوں۔ بہت سے لوگ کعبے کے دروازے کے پاس کھڑے ہیں۔ سبھی اندر داخل ہونے سے قاصر ہیں۔ آخر مَیں دروازے پر کھڑا ہوکر، لوگوں کے ہاتھ پکڑ پکڑ کر اُنھیں کعبے میں داخل کیے جاتا ہوں۔

بشارت:

اِسی طرح آپؒ نے ایک بار انبالہ کی مسجد میں فرمایا تھا کہ: ''ابھی ابھی حضرت رسولِ کریم ﷺ کی زیارت ہوئی ہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ صحابہؓ بھی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے مجھے بشارت دی کہ: ''اے میرے بیٹے ! تیرے تمام ساتھی جنتی اور مقبولِ بارگاہ ہیں۔'' بقیہ بشارتیں، بشارات اور الہامات کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

بشارت:

آپؒ کی قبولیت کی عظیم ترین نشانی یہ ہے کہ آپؒ مدینہ شریف میں اپنے تمام ساتھیوں سمیت حضرت رسالت مآب ﷺ کے مصافحہ سے مشرف ہوئے تھے۔ نیز حرمین شریفین میں آپؒ نے بارہا اپنے نیازمندوں کے لیے دعائیں کیں اور قبولیت کے الہامات سے نوازے گئے۔ قارئین ان کی تفصیلات بابِ الہامات و مکاشفات و واقعات میں دیکھ سکتے ہیں۔

واضح ہو کہ عقیدت مندوں کے بارے میں کی جانے والی آپؒ کی دُعائیں، ساتھیوں کی ظاہری و باطنی صلاحیت کے مطابق ہوتی تھیں۔ خانِ عالم، بادشاہِ وقت کے وزیر تھے اور آپ کے مرید ہو کر حصولِ سعادت میں کامیاب ہوئے تھے۔ آپؒ نے اُنھیں اپنے سلسلے کا راہِ سلوک طے کرایا اور اس کے بعد اپنی روحانی مجلس اور اپنے خاص اندازِ تربیت کی تلقین کی۔ انھی دنوں میں حضرت سرورِ عالم ﷺ نے زیارت کی سعادت عطا فرما کر حضرت شیخؒ کو کہا: ''اگر خانِ عالم اِسی طرح راہِ سلوک پر چلتا رہا تو مجھ پر اس کی تربیت لازم ہو جائے گی!'' حضرت شیخؒ فرمایا کرتے تھے کہ: ''مجھے لفظِ ''اگر'' سے اندازہ ہو گیا تھا

کہ خانِ عالم سلوک کا بوجھ نہیں اُٹھا سکیں گے۔

بشارت:

ایک روز حضرت شیخ آدم بنوریؒ نے فرمایا: ''خانِ عالم کی سلامتیِ ایمان کا یوں اعلان فرمایا گیا کہ ایک روز وہ لاہور میں خیرات دے رہے تھے کہ اسی اثنا میں ایک مسکین بُڑھیا نے خیرات لے کر خانِ عالم کی سلامتیِ ایمان کی دعا کی جو قبول فرمالی گئی۔ ہم نے سُنا ہے کہ وہ وفات کے وقت ہوش میں تھے، ذکر کر رہے تھے اور ایمان کی سلامتی کی نشانیاں اُن میں سے ظاہر ہو رہی تھیں''۔ اللہ اُن کے لیے ایمان مبارک کرے۔ اے اللہ ! ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو مغفرت، عافیت، خاتمہ بالخیر اور دِین و دنیا میں بہترین احوال عطا فرما اپنے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل۔

بشارت:

ملا محمد افغان، مسجد وزیر خان لاہور سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد حضرتؒ کی خدمت میں بنور حاضر ہوا اور صاحبِ حال و وجد ہو گیا۔ ایک ماہ بعد وہ بیمار ہو گیا۔ مرض الموت میں باہوش بھی رہا اور ذکرِ الٰہی بھی کرتا رہا۔ اُس نے نزع کے وقت شیطان کو دیکھا اور دھتکار دیا۔ ابھی اُسے دفن نہیں کیا گیا تھا کہ صوفی دوست محمد نے مراقبے میں دیکھا کہ مُلّا کہہ رہا ہے کہ: ''شیطان نے کئی بار میری پگڑی جھپٹ لینے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔'' اس کے بعد ایک نیک خاتون نے خواب میں دیکھا کہ بہت سے سرسبز درخت ملا محمد کے جنازے کے ساتھ ساتھ جا رہے ہیں۔

حضرت شیخؒ نے اُس کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور حیران ہو کر فرمایا: ''سبحان اللہ !

مَیں نے اس کے جنازے پر برکات اور فیوض نازل ہوتے دیکھے ہیں اور ان برکات کے نزول سے اپنے آپ میں بہت ترقی پائی ہے۔''

حضرتؒ نے اور بعض دیگر حضرات نے آپؒ کے ساتھیوں کے بارے میں اس طرح کی بشارتیں بکثرت دیکھی ہیں۔ ان میں سے بعض خصوصی تھیں اور کچھ عمومی، جیسا کہ آپؒ نے روضۂ رسول ﷺ کے سامنے یہ آواز سُنی: ''ایسی ہستیاں کم آئی ہیں!'' نیز آپؒ نے دیکھا کہ ہر ساتھی کے لیے نجات کا پروانہ لکھ رہے ہیں۔ آپؒ نے خوابوں میں کئی بار جنت کی نعمتیں اور نورانی شراب پائی اور دوستوں میں بھی بانٹی۔ آپؒ سے یہ بھی فرمایا گیا تھا: ''اے میرے بیٹے! جس نے تم سے مصافحہ کیا ہے، اُس نے مجھ سے مصافحہ کیا ہے۔ جو شخص تمھارے سائے میں آیا ہے، وہ ہمارے سایۂ رحمت میں آیا ہے اور جو شخص بھی تمھارے سلسلے میں وابستہ ہوا، ہم نے اُس کی مغفرت کر دی۔'' اسی طرح کی بہت سی بشارتیں اور بے شمار عنایتیں آپؒ نے حاصل کیں۔ تفصیل سے لکھوں تو کئی دفتر درکار ہوں گے۔ یہاں صرف مختصر ذکر مطلوب ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ خود بخود ہی آگے نہیں بڑھتے گئے اور اجازت اور قبولیت کے بغیر ہی میدان میں نہیں آ گئے۔ بہت سے فضائل اور مناقب متواتر روایتوں سے ثابت ہیں، جن کا انکار مردود ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انکار سے بچائے!

حضرت ممشاد دینوریؒ فرماتے ہیں: ''جو شخص اللہ کے دوستوں کا انکار کرتا ہے، اُس کی سب سے کم سزا یہ ہے کہ وہ اُس نعمت سے محروم رہے گا جو اللہ کے دوستوں کو عطا کی گئی ہے۔'' اِس کا مطلب یہ ہے کہ اس فعل کی بڑی سزا نورِ ایمان سے محرومی بھی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

جیسا کہ تذکرۃ الاولیاء میں بیان کیا گیا ہے کہ: ''جو شخص صوفیائے کرام کی صحبت

میں رہتا ہے اور پھر اُن کے پختہ نظریات سے اختلاف کرتا ہے، اللہ اُسے نورِ ایمان سے محروم کر دیتا ہے۔'' اِس سے مراد یہ ہے کہ اجتہاد اور تحقیق کی بنیاد پر کیا جانے والا اختلاف اس وعید میں داخل نہیں ہے۔ محض نفسانی اختلاف مُراد ہے نہ کہ علمی اختلاف۔

کشف المحجوب میں ہے کہ اللہ نے برہانِ رسالت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رکھا ہے اور اولیائے کرام کو اُس کے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے۔ ان کے ذریعے ہمیشہ اللہ کی نشانیاں اور صداقت نبوّت کی علامتیں ظاہر ہوتی رہی ہیں۔ کائنات کی بقا اور اس کے نظم وضبط کا دارومدار انھی کی برکتوں پر ہے۔ جو شخص بھی اولیاء کی برکات کا منکر ہے، وہ برہانِ رسالت کا منکر ہے اور ان پر طعن کرنے والا، اللہ جلّ جلالہ کی نشانیوں پر طعن کرنے والا ہے۔

کتاب ''تعرف'' میں بھی ایسا ہی لکھا گیا ہے کہ: ''نبی کے زمانے میں ولی کی کرامات، اُس نبی کی تصدیق کرتی ہیں اور اُس کے بعد کے زمانے میں اُس کی نبوت کی تصدیق کرتی ہیں۔ لہذا اولیاء کی کرامات اور ان کے احوال کا منکر درحقیقت انبیاء کے معجزات کا منکر ہے۔'' اِس طرح بہت سی نصیحتیں اور تنبیہات مَیں نے اس کتاب کے دیباچے میں تحریر کی ہیں۔ بے شک دین کا مطلب نصیحت کرنا ہے جس نے اس پر عمل کیا، اُس کا اپنا بھلا ہے اور جس نے عمل نہ کیا، اُس نے اپنا ہی نقصان کیا۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور ساتھیوں کے حالات کا بیان شروع کرتے ہیں۔ شریعت اور طریقت پر استقامت سے بڑھ کر اور کوئی کمال نہیں ہے۔ استقامت کا درجہ کرامت سے بالاتر ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اکثر ساتھیوں میں استقامت موجود ہے اور یہ قبولیت کی دلیل ہے۔

اولادِ گرامی:

جان لیجیے کہ حضرت سید آدم بنوریؒ کے چار صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ آپؒ کی زندگی میں اکثر بچے چھوٹے تھے لیکن آپؒ کی توجہ سے صاحب ذکر اور اہلِ حال ہو گئے تھے۔ آپؒ سب کی صلاحیتوں کا ذکر کیا کرتے تھے۔ حرمین شریفین کے سفر میں تین صاحبزادے ہمراہ تھے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: شیخ محمد اولیاء، محمد عیسیٰ اور محمد محسن، اللہ سب کو سلامت رکھے! جب چھوٹی مائی صاحبہ امید سے تھیں اور حضرت شیخؒ لاہور تشریف لے گئے تھے تو آپؒ نے راستے سے پیغام بھجوایا تھا کہ: ''بیٹا پیدا ہوگا اور اس کا نام محمد عیسیٰ رکھیے گا۔'' یعنی ہو سکتا ہے کہ اللہ اُنھیں مسیحائی کا درجہ عطا فرمائے۔ ان کا سالِ ولادت ۱۰۴۵ھ ہے۔ میاں محمد محسن ۱۰۵۲ھ میں گوالیار میں پیدا ہوئے۔ حضرت شیخؒ ان سب صاحبزادگان کے بارے میں بشارتیں بیان فرماتے تھے۔ ایک دن آپؒ نے تینوں کو حطیمِ کعبہ میں میزابِ رحمت کے نیچے بلوا کر اپنے سامنے بٹھا لیا اور دعا فرماتے رہے۔ آپؒ خود ہی بہتر جانتے ہیں کہ وہ کیا دعا تھی!

مدینہ منورہ میں بھی کئی بار صاحبزادوں کو روضۂ رسول ﷺ کی جالیوں کے سامنے لے جا کر دعائیں کیا کرتے تھے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنھیں حضرتؒ کی زبان اور اس بابرکت مقام کے طفیل اعلیٰ مدارج سے نوازے گا۔ تینوں حضرات علم و عمل میں برتر مقام کے حامل ہیں اور سلوک و عرفان کا ذوق و شوق رکھتے ہیں۔

سید غلام محمدؒ:

خاص طور پر آپؒ کے بڑے صاحبزادے مخدوم شیخ غلام محمدؒ بزرگانِ زمانہ میں

سے تھے۔ بچپن ہی سے بُردبار، باوقار اور مسکین طبیعت کے تھے۔ اللہ نے انھیں جوانی کے مسائل اور نفس کی آفات سے محفوظ رکھا تھا۔ آپؒ ۲۵ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے تھے۔ بڑی محنت اور متانت سے درسی کتابیں پڑھاتے رہے۔ آپؒ نے زیادہ تر علوم وفنون اپنے پیرزادگان یعنی مولانا محمد سعیدؒ، سیدنا خواجہ محمد معصومؒ اور شاہ محمد یحییٰؒ سے حاصل کیے تھے۔ ۱۰۵۰ھ میں، جب مَیں اُن حضرات کی خدمت میں ظاہری و باطنی علوم حاصل کیا کرتا تھا، تو اس دور میں حضرت غلام محمدؒ سے بھی بہت مانوس تھا اور مَیں نے آپؒ سے ہدایہ اور مُطوّل پڑھیں۔ آپؒ مجھ پر بہت مہربان تھے۔ کبھی کبھی میں آپؒ کی خوشنودی کے لیے معمے حل کیا کرتا اور آپؒ ان سے بہت لطف اندوز ہوتے۔ آپؒ نے مجھ سے معما والی کتاب لی۔ مَیں آپؒ ہی کے حجرۂ خاص میں خلوت اختیار کرتا تھا۔ کبھی کبھار آپؒ ہمارے حجرے میں بھی تشریف لاتے تھے اور اپنے والدِ گرامی کی طرف ترغیب دلاتے تھے۔ حضرت شیخؒ بھی اپنے مشائخ کے عُرسوں میں تشریف لاتے تو فقیر کے حُجرے کے پاس کھڑے ہو کر اس ناچیز پر بہت عنایت فرمایا کرتے تھے۔ مجھے اپنے آپ میں جذب اور دلکشی کے آثار محسوس ہوتے تھے۔

حضرت شیخؒ آپؒ سے فرمایا کرتے: ''بابا! تعلیم جلدی مکمل کرو، ہمیں تم سے اور بہت سے کام لینے ہیں۔'' دورانِ تعلیم میں بھی آپؒ ان کی تربیت کرتے اور جب سرہند میں حضرات کی خدمت میں بھیجتے تو ان کی باطنی تربیت کی سفارش بھی فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپؒ نے انھیں باکمال بنا دیا اور خلافت عطا فرما کر اپنا نائب مقرر کر دیا۔ لوگ حیران تھے کہ صاحبزادہ صاحب نے زیادہ مجاہدہ و ریاضت کے بغیر خلافت کیسے حاصل کر لی؟ لوگوں کو کیا خبر تھی کہ مہربان مُربی بچپن ہی سے آپؒ کی تربیت میں لگے ہوئے تھے۔

حضرت شیخؒ نے اُنھیں خلافت بخشی اور اپنے اکثر ساتھیوں کے ساتھ حرمین شریفین کو روانہ ہوگئے۔ آپؒ نے اُنھیں بہت بشارتیں دیں اور ان کے لیے بہت دُعائیں کیں۔ انھی دعاؤں کی برکت سے اللہ نے شیخ غلام محمدؒ کو بہت بزرگواری عطا فرمائی اور آپؒ نے ظاہری و باطنی سلوک و ریاضت کو یہاں تک پہنچا دیا کہ زمانے کے مشائخ آپؒ کے احوال پر رشک کیا کرتے تھے۔ بعض لوگ آپؒ کے والدِ گرامی کے منکر تھے لیکن آپؒ سے مانوس ہوگئے۔ آپؒ علم و عمل اور استقامت و فراست میں بے مثال تھے۔ مختلف علاقوں کے لوگ جوق در جوق آپؒ کے مرید ہوئے۔ بہت سے امیر اور سردار بھی آپؒ کے ارادت مند تھے۔ عقیدتمندوں کو آپؒ سے بہت برکت حاصل ہوتی تھی اور آپؒ سب کی خصوصی تربیت کا اہتمام فرماتے۔ لوگوں کو آپؒ کے بارے میں متعدد بشارتیں ملیں۔ اپنے والدِ گرامی کی طرح آپؒ کی محفلیں بھی بڑی بارونق ہوتی تھیں۔ غیر مسلم اور برسرِ اقتدار طبقہ آپؒ سے خائف رہتا تھا۔ آپؒ نے اِحیائے سُنّت ترویجِ طریقت اور خاتمۂ بدعت کے سلسلے میں بہت کوششیں کیں۔ جس کسی سے بھی کوئی غیر شرعی کام سرزد ہوتا، آپؒ اس کے خلاف میدانِ عمل میں آجاتے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپؒ کا پسندیدہ شیوہ تھا۔ کافر اور طاقتور سرکش ذرہ بھر بھی کوئی خلافِ شریعت حرکت کرتے تو آپؒ اُن کی خوب خبر لیتے۔ لوگوں نے آپؒ کی بہت سی کرامات دیکھیں اور آپؒ کا روحانی تصرف ملاحظہ کیا۔ لوگ آپؒ کے کمالات پر حیران رہ جاتے تھے۔ آپؒ کی وجہ سے کئی منکرین، تصوف کی طرف مائل ہوگئے۔ جن دنوں جہاز، سمندر میں ڈوبا تھا، اُن دنوں آپؒ کے بہت سے مُریدوں کو اس حادثے کا کشف ہوگیا تھا۔

ہم لوگ مکہ مکرمہ میں حضرت آدم بنوریؒ کے ہمراہ تھے۔ آپؒ ہمیں اپنے اس عالی

نسب اور اعلیٰ استعدادِ کے مالک بیٹے کی عظمت سے آگاہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت شیخؒ اُنھیں ایسے مکتوبات لکھتے تھے جو اُن کے کمال و تکمیل پر دلالت کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی آپؒ ان کا ذکرِ خیر کرتے اور روضۂ رسول ﷺ کے سامنے آپؒ کے لیے خصوصی دعائیں فرماتے۔ وہیں حضرت شیخؒ نے آپؒ اور آپؒ کے تمام ساتھیوں کو حضرت رسولِ کریم ﷺ کے سپرد کر دیا تھا اور آپؒ کا نام تبدیل کر کے ''غلام محمد'' رکھ دیا تھا۔ حضرت شیخؒ اور آپؒ کے ساتھیوں نے حضرت غلام محمدؒ کے بارے میں کئی مبارک خواب دیکھے۔ شیخ ابُو نصرؒ نے اپنے رسالے میں لکھا ہے کہ مَیں نے ایک رات حضرت شیخؒ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا: ''حضور! اپنے بیٹے خواجہ محمد کی خبر لیجیے کہ دشمن بہت ظلم کر رہے ہیں۔'' آپؒ نے جواب میں فرمایا: ''مَیں خواجہ محمد کی طرف سے بالکل مطمئن ہوں کیونکہ مَیں نے اُنھیں حضرت نبی کریم ﷺ کے حوالے کر دیا ہے۔''

شیخ ابُو نصرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ سید سندھیؒ روایت کرتے تھے کہ مَیں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ بہت سے ساتھی حضرت شیخؒ کی مجلس میں جمع ہیں اور میاں خواجہ محمد بھی حاضر ہیں۔ حضرت شیخؒ نماز پڑھ کر تمام ساتھیوں کو حلقے میں لے کر بیٹھ گئے۔ خواجہ محمد پر کیفیت طاری ہو گئی۔ آپؒ کا سر گھٹنوں سے جا لگا اور دستار سر سے اُتر گئی۔ افاقہ ہوا تو ننگے سر ہی نماز کے لیے ساتھیوں کے ساتھ چل پڑے۔ تھوڑی دُور گئے تھے کہ حضرت شیخؒ ہاتھ میں دستار لیے آ گئے اور اسے حضرت غلام محمدؒ کے سر پر رکھ دیا۔ پھر آپؒ نے اُن سے فرمایا کہ: ''ہر روز دو بار حلقے کا اہتمام کیا کریں''۔ مَیں نے عرض کیا: ''یا حضرت! آپؒ اتنی بڑی دستار کہاں سے لائے ہیں''؟ حضرت شیخؒ نے فرمایا: ''حضرت نبی کریم ﷺ نے برخوردار کو خصوصی دستارِ طریقت عطا فرمائی تھی۔ چوں کہ کیفیت کے غلبے میں ان کے سر سے

دستار اُتر گئی تھی، اس لیے مَیں یہ پگڑی لایا ہوں۔ تم سب کو چاہیے کہ جب بھی میرے فرزند کو دیکھو تو درود شریف پڑھا کرو کیونکہ حضرت رسالت مآب ﷺ ان پر بہت شفقت فرماتے ہیں۔"

سید محمد شریف سندھیؒ، جو حضرت شیخؒ کے قریبی ساتھیوں میں سے ہیں، فرماتے تھے کہ": ایک رات مَیں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت رسولِ مقبول ﷺ صحابۂ کبارؓ کے ساتھ کھڑے ہیں۔ آپ ﷺ کی دائیں جانب حضرت شیخ بنوریؒ اور سامنے شیخ غلام محمدؒ کھڑے ہیں۔ مَیں بھی ان کے ساتھ ہوں۔ اسی اثنا میں حضرت ختمی مرتبت ﷺ نے شیخ غلامؒ محمد کو تین سادہ عبائیں عطا فرمائیں اور پھر بڑی محبت وشفقت سے ایک اور خلعت بھی بخشی۔ ان میں سے ایک عبا، جس کا بالائی حصہ عربی طرز کا تھا، حضرت غلام محمدؒ نے پہن لی۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں اونٹ پر سوار ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپؒ اونٹ پر سوار ہو کر ہوا کی سی تیزی سے چل پڑے۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور مَیں لطف اندوز ہوتا رہا"۔

شیخ ابو نصرؒ ہی نے لکھا ہے کہ سید غلام محمدؒ فرماتے تھے کہ ایک رات مَیں نے خواب میں دیکھا کہ والدِ گرامی تخت سے اُترے اور مجھے سامنے بٹھا کر فرمانے لگے کہ تم نے بہت اچھا کیا ہے کہ آ گئے ہو۔ مَیں خود چاہتا تھا کہ آ کر تمھیں یہ نصیحت کروں کہ دل میں کسی چیز کی جتنی خواہش ہوتی ہے، اہلِ طریقت کے نزدیک شرکِ خفی میں شمار ہوتی ہے۔

شیخ ابو نصرؒ لکھتے ہیں کہ حضرتؒ کی مرید ایک نیک خاتون نے خواب میں دیکھا کہ قیامت آ گئی ہے اور لوگ دہشت زدہ ہیں۔ حضرت شیخؒ ایک عمدہ گھوڑے پر سوار چلے آتے ہیں۔ سید محمد اولیاءؒ اور محمد عیسیٰؒ کی سواریاں آپؒ کے دائیں ہاتھ کی طرف ہیں اور صاحبزادہ محمد محسنؒ بائیں طرف ہیں۔ مرشدی ومخدومی غلام محمدؒ ایک کالے گھوڑے پر سوار

آگے آگے جا رہے ہیں۔ حضرت شیخؒ نے انھیں اپنا عصا عطا کیا اور حکم دیا کہ جو عقیدتمند دوزخ کی طرف جا رہا ہو، اُسے اِس عصا کے اشارے سے روک لیں کہ وہ جہنم میں نہ چلا جائے۔

انھی خاتون کا بیان ہے کہ ایک دن مجھے خیال آیا کہ نجانے حضرت شیخؒ جانتے بھی ہیں یا نہیں کہ ہم نے صاحبزادہ صاحبؒ سے بیعت کی ہے! دورانِ مراقبہ اچانک مَیں نے دیکھا کہ حضرت شیخؒ نمودار ہوئے اور آپؒ نے فرمایا: ''مَیں اپنے ادنیٰ ساتھی سے وابستہ ہونے والے کو بھی پہچانتا ہوں۔'' یعنی جب یہ عالم ہے تو اپنے پیارے بیٹے کے مریدوں سے بھلا کہاں غافل ہوں گے۔ یہاں روایات ختم ہوئیں۔

اس قسم کے خواب اور بشارتیں بہت سی ہیں۔ ان سب کا ذکر باعثِ ملال ہوگا۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ حضرت سید غلام محمدؒ ولیِ کامل ہیں اور یہ تمام روایات آپؒ کے احوال کی ترجمان ہیں۔ ابتدائے جوانی ہی میں حضرت شیخؒ کی موجودگی میں آپؒ کی شادی ہوگئی تھی۔ آپؒ کے متقی اور ولی صفت صاحبزادگان موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں بخیر وخوبی رکھے۔ آپؒ کے دو بڑے صاحبزادے شیخ محمد قطبؒ اور شیخ محمد غوثؒ ظاہری و باطنی علم میں کامل ہیں۔ ان حضرات کی اولاد بھی صالح اور باکمال ہے۔ اللہ انھیں سلامتی سے رکھے اور ان کی مرادیں پوری فرمائے۔

حضرت سید غلام محمد نے فقیر کے نام کئی خطوط لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک مکتوب یہاں نقل کیا جاتا ہے جو پند ونصیحت پر مشتمل ہے:

''امّا بعد! اللہ تعالیٰ برادرِ گرامی شیخ محمد امین کے وجودِ مسعود کو ہمیشہ بامراد اور خوش وخرم رکھے اور عمل اور نصیحت کی توفیق عطا فرمائے۔ تمام ساتھیوں سے کہیے اور نصیحت

فرمایئے کہ ہر گھڑی موت کو یاد کرتے رہیں۔ ہمیشہ ذکرِ قلبی میں مشغول رہیں اور قیامت کے حساب کتاب اور دیگر حالات کو یاد رکھیں۔

پس ازسی سال این معنی محقق شد بہ خاقانی

کہ یک دم باخدا بودن بہ از مُلکِ سلیمانی

(ترجمہ) خاقانی پر تیس سال بعد یہ حقیقت واضح ہوئی کہ لمحہ بھر یادِ خدا میں بسر کر لینا حضرت سلیمانؑ جیسی سلطنت سے کہیں بہتر ہے۔

ساتھیوں سے کہیے کہ اللہ کے امر و نہی کی تعمیل کرتے ہوئے، ذاتِ الٰہی کی محبت اور اس کے ذکر میں محو ہو کر محفوظ رہیں کیونکہ یہ دنیا اور یہ فانی زندگی تو خواب و خیال کی طرح گزر جاتی ہے اور کل قیامت کے دن ذرے ذرے کا حساب لیا جائے گا ہم سے علم، عمل، تقویٰ اور استقامت کی طلب کی جائے گی، کشف و کرامت کی نہیں! دُنیا عمل کا گھر ہے نہ کہ نتائج کا۔ ''اَلدُّنیَا مَزرَعَۃُ الاٰخِرَہ'' (دنیا آخرت کی کھیتی ہے) (حدیث)

محترم! آپ نے رسالۂ احوال طلب فرمایا ہے۔ اتنے اعمال درپیش ہیں کہ احوال لکھنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔ آپ کی ہمت اور خدمت پر ہزار آفرین اور حرمین میں آپ کی استقامت اور قیام پر تمام ساتھی آپ کے بے حد ممنون ہیں۔ زبان اس کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہے۔ ہم دُور افتادہ ساتھیوں کو فراموش نہ کیجیے گا۔ جو احباب موجود ہوں، انھیں سلام کہیے گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ''۔

یہ خط اور یہ واقعات آپؒ کی ولایت اور حُسنِ انجام کی گواہی دیتے ہیں۔ آپؒ نے ذی الحجہ ۱۰۶۵ھ میں وفات پائی اور صحنِ خانقاہ میں مدفون ہوئے۔ آپؒ کے فیوض و برکات جاری و ساری ہیں۔ آپؒ کے ایک خاص مرید شیخ محمد الیاس نے مکہ میں رمضان

شریف کے اعتکاف کے دوران، خانہ کعبہ کے سامنے مجھے بتایا کہ مَیں نے آپؒ کی بہت برکات دیکھی ہیں۔ ان میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ جن دنوں مَیں بہادر خان کے بیٹے کے ہاں ملازم تھا، اُن دنوں خان مذکور کی منظورِ نظر بیوی کو اچانک مرید ہونے کا شوق ہو گیا۔ اُس نے اپنے ایک خاص خادم سے کہا کہ: ''شیخ غلام محمدؒ کی خدمت میں جا کر کہو کہ میں آپؒ سے بیعت کرنے کی مشتاق ہوں۔ مَیں پردہ نشین ہونے کی وجہ سے نہیں آ سکتی اور آپ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ فرمائیے مَیں کیا تدبیر اختیار کروں؟'' خادم نے حاضر ہو کر بیگم صاحبہ کی صورتِ حال بتائی۔ شیخ غلام محمدؒ نے فرمایا: '' گندم کے یہ چند دانے لے جا کر اس بی بی کو کھِلا دو، اگر یہ دانے تبدیل ہو گئے تو خاتون فیض یاب ہو جائے گی، وگرنہ نہیں''۔

اس خاتون کا نام ''چمنی بیگم'' تھا۔ خادم نے گندم کے دانے لے جا کر اُسے دیے۔ دانے اُسی وقت لونگ بن گئے۔ یہ کرامت دیکھ کر چمنی بیگم میں بھی روحانی انقلاب آ گیا۔ وہ خوب ذکر میں مشغول رہنے لگی اور عجیب و غریب کیفیات سے سرفراز ہوئی۔ اس وقت بیس سال ہونے کو ہیں کہ وہ اولیاء کی محبت اور درویشوں کی مدد اور خدمت میں ثابت قدم ہے۔ اللہ اس کی خیر و برکت اور توفیق میں اضافہ فرمائے۔

مخدوم زادہ سید محمد اولیاءؒ:

حضرت شیخؒ کے دوسرے بیٹے اور سید غلام محمدؒ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ بچپن ہی سے تقویٰ اور ولایت کے آثار آپ کے ماتھے سے ظاہر تھے۔ طبیعت میں عاجزی اور وقار تھا۔ آپؒ کے والدِ بزرگوارؒ نے آپؒ کے بارے میں بشارتیں ارشاد فرمائیں اور آپؒ کی اعلیٰ صلاحیتوں کی تعریف کی۔ حضرت سید آدم بنوریؒ، سید محمد اولیاء کے بچپنے سے ہی آپؒ کی

تعظیم کرتے اور محترم سمجھتے تھے۔ آپؒ نے بچپن ہی میں حضرت شیخؒ سے ذکرِ باطنی اور مشاہدۂ قلبی کی تربیت پائی اور عجیب وغریب بشارتیں اور واقعات دیکھے کہ اکابر خلفاء بھی انھیں سُن کر حیران رہ جاتے تھے۔ آپؒ نے حضرت شیخؒ کے وصال کے بعد، ظاہری وباطنی تربیت اور عقلی ونقلی علوم میں اپنے بڑے بھائی سے استفادہ کیا۔ شیخ غلام محمدؒ کی رحلت کے بعد شیخ محمد شریفؒ سے بقیہ تربیت حاصل کی۔ آجکل اپنے والدِ گرامیؒ کی خانقاہ میں سجادہ نشین ہیں اور مُریدوں کی تربیت فرماتے ہیں۔ مریدین میں آپؒ کے فیوض وبرکات کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔

آپؒ اپنے بھائی کی وفات کے بعد، سجادہ نشینی قبول نہیں فرماتے تھے اور تجویز کرتے تھے کہ چھوٹے بھائیوں میں سے کسی کو سجادہ نشین بنانا مناسب ہوگا۔ آخر آپؒ کے والدِ مکرمؒ کے بڑے خلفاء نے مل کر اصرار کیا کہ آپؒ ہی سجادہ نشین بنیں۔ آپؒ انتہائی عاجزی وانکسار کا مظاہرہ کرتے ہوئے انکار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بات سرہند شریف کے صاحبزادگان تک جا پہنچی۔ حضرات نے بنور شریف میں آکر آپؒ کو سجادہ نشین مقرر کیا اور دستار بندی فرما کر خلافت عطا کی۔ اِس وقت آپؒ بنور شریف کے غیر متنازعہ سجادہ نشین ہیں اور طالبانِ طریقت آپؒ سے فوائد پا رہے ہیں۔

آپؒ کے بارے میں بہت سے عظیم مشاہدے اور عنایات دیکھنے میں آئی ہیں۔ اگر تفصیل سے لکھوں تو کئی دفتر بن جائیں گے۔ مَیں یہاں مختصراً ایک خواب لکھتا ہوں جو آپؒ نے یمن میں دیکھا تھا۔ یہ خواب بہت قابلِ اعتماد ہے کیونکہ آپؒ نے بہت بچپنے میں دیکھا تھا۔ اس عمر میں آدمی میں حرص وہوس اور جاہ ومرتبے کی طلب نہیں ہوتی۔

مُلا محمد زاہد ولد شیخ لوُ نصرؒ نے اپنے رسالے میں لکھا ہے کہ حضرت سید آدمؒ کی

وفات کے پانچ ماہ بعد، سید محمد اولیاء نے بندرگاہِ مخا کے مقام پر یہ خواب دیکھا تھا۔ تفصیل آپؒ ہی کی زبانی لکھی جاتی ہے:

''ایک بہت خوبصورت باغ ہے۔ اس میں ایک عالیشان محل ہے۔ محل کے صحن میں والدِ بزرگوار بیٹھے ہیں۔ جب آپؒ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: ''وہیں ٹھہرو!'' مَیں حکم کے مطابق وہیں رُک گیا۔ آپؒ نے میرے پاس آ کر مجھے اٹھا لیا۔ شفقت و محبت کی شدت میں آپؒ کے آنسو گرنے لگے۔ مَیں نے آپؒ کے آنسو اپنے چہرے اور جسم پر مَل لیے۔ پھر آپؒ مجھے اُٹھائے ہوئے اندر لے گئے۔ مَیں نے دیکھا کہ والدہ مرحومہؒ بھی بیٹھی ہیں۔ دونوں بڑی محبت سے مجھے دیکھتے رہے اور فرمایا: ''محمد اولیاء کو کھانا کھلایئے!'' اچانک غیب سے، نفیس طشتریوں میں کھانا آ گیا۔ آپؒ نے اپنے دستِ مبارک سے میرے ہاتھ دُھلائے۔ مَیں نے مہربان ماں باپ کے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانا اتنا خوش ذائقہ تھا کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد حضرتؒ نے پوچھا: ''محمد اولیاء! کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ پکا پکایا کھانا کون لایا ہے؟'' مَیں نے کہا: ''مجھے معلوم نہیں''۔ آپؒ نے فرمایا: ''یہ کھانا جنّت سے آیا ہے اور اسے فرشتے لائے ہیں'' پھر فرمایا: ''اللہ کا شکر ہے کہ محمد اولیاء نے بھی وہ کھانا کھا لیا جسے عرش کے فرشتے لائے تھے۔'' کھانے سے فارغ ہوئے تو نماز کا وقت ہو گیا۔ سفید ملبوسات والی ایک جماعت نے آ کر ہمارے ساتھ نماز ادا کی۔ حضرتؒ نے امامت فرمائی۔ مَیں بھی نماز میں شامل تھا۔ نماز کے بعد وہ لوگ غائب ہو گئے۔ حضرتؒ نے پھر فرمایا: ''محمد اولیاء! جانتے ہو یہ کون لوگ تھے؟'' مَیں نے عرض کیا: ''نہیں'' آپؒ نے فرمایا: ''یہ فرشتے تھے۔ اللہ کا شکر ہے کہ تم نے فرشتوں کے ساتھ نماز ادا کی''۔ اس کے بعد فرمایا: ''محمد اولیاء کو رخصت کریں، لیکن حضور نبی کریم ﷺ کا باغ بھی قریب ہی ہے۔ تمھیں

آنحضرت ﷺ کی زیارت کر کے ہی جانا چاہیے''۔ مَیں زیارت کی نیت سے روانہ ہوا تو فرمانے لگے: ''اللہ بہتر جانتا ہے کہ حضور ﷺ تمھیں قبول بھی فرماتے ہیں یا نہیں؟ چلو، ہم تمھارے ساتھ چلتے ہیں''۔ آپؒ اٹھے اور میرا ہاتھ پکڑ کر چل پڑے۔

جب ہم نبی کریم ﷺ کے باغ میں پہنچے تو مَیں نے ایک دلکش اور بلند و بالا محل دیکھا۔ اس کے صحن میں نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرامؓ خوبصورت ملبوسات پہنے ہوئے بیٹھے ہیں۔ جب ہم آنحضرت ﷺ کی محفل کے قریب پہنچے تو حضورِ اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: ''اس بچے کو میرے پاس لائیں!'' حضرت عمرؓ نے مجھے اٹھا کر سرورِ کونین ﷺ کے دائیں پہلو میں بٹھا دیا۔ والدِ گرامی آنحضرت ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے۔ اِسی دوران میں حضور ﷺ کے اشارے پر غیب سے کھانے کی کوئی چیز آ گئی جو سب حاضرین نے کھائی۔ اس کے بعد حضرت رسولِ کریم ﷺ نے میرے والدِ بزرگوارؒ سے کچھ فرمایا جسے مَیں نہ سمجھ سکا۔ پھر ہم رخصت ہو کر اپنے باغ میں آ گئے۔ حضرتؒ نے میری والدہ صاحبہ سے کہا: ''سرورِ عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ محمد اولیاء چند دن اور یہیں ٹھہرے''۔ مَیں نے اندازہ لگایا کہ حضور ﷺ نے یہی فرمایا ہوگا جو میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اس کے بعد والدِ محترم نے مجھے بہت نصیحتیں کیں جو بہت تفصیلی ہیں۔ ان میں یہ نصیحت بھی تھی کہ: ''یہاں سے سیدھے راستے پر ہی جانا۔ تھک جاؤ تو ساتھیوں کے باغ میں آرام کر لینا''۔ مَیں نے سوچا کہ اِس سے شیخ ابُو الفتحؒ اور میر منصورؒ کا باغ مُراد ہوگا۔ یہ بھی فرمایا: ''اگلی بار غلام محمد کو بھی ساتھ لانا۔ یہ بات کسی سے نہ کہنا۔ راستے میں تمھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ جنگلوں میں غیب سے تمھیں کھانا مل جایا کرے گا''۔ اِس کے بعد آپؒ نے مجھے رخصت کر دیا۔

مَیں سیدھے راستے پر چل کھڑا ہوا۔ راستہ صاف اور ہموار تھا۔ مَیں باغوں کی

دیواروں کے سائے سائے چلتا رہا۔ مجھے ذرہ بھر تھکاوٹ نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ میں بڑے آرام سے گھر پہنچ گیا۔ خواب ہی میں چند دن گھر میں رہ کر، میں نے حضرتؒ کے فرمان کے مطابق اپنے بھائی غلام محمدؒ سے کہا: ''آیئے، شکار کو چلتے ہیں''۔ وہ میرے ساتھ چل پڑے۔ ہم جنگلوں میں سے ہوتے ہوئے والدِ گرامیؒ کے باغ میں جا پہنچے۔ آپؒ ایک درخت پر چڑھ کر پھل توڑ رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر فرمایا: ''اچھا کیا ہے کہ چلے آئے ہو، آجاؤ!'' پھر آپؒ نے درخت سے اُتر کر، ہمارے پاس آ کر ہمیں بہت پیار کیا اور اپنی آستینوں سے کچھ پھل نکال کر ہمیں دیے۔ پھر آپؒ ہم دونوں کو اندرونِ خانہ لے گئے۔ والدہ ماجدہ نے بھی ہمیں بہت پیار کیا۔ دونوں آپس میں کچھ باتیں کرتے رہے جو ہماری سمجھ میں نہ آئیں۔ پھر دونوں نے ہمیں بہت پیار کیا، کافی باتیں سمجھائیں اور رخصت کیا۔ آپؒ نے بھائی صاحب سے فرمایا: ''محمد اولیاء کا بہت احترام کیا کرو، یہ بہت بزرگ ہے۔ تم اِسی کے طفیل یہاں پہنچ سکے ہو''۔ پھر آپؒ نے مجھے فرمایا: ''یہ واقعہ کسی کو نہ بتانا۔ بتا دیا تو آنے جانے کا راستہ بند ہو جائے گا۔'' جب مَیں بیدار ہوا تو بچپنے کی ناسمجھی کی وجہ سے مَیں نے اپنے استاد ملا عبدالباقی کو ساری کہانی سُنا دی۔ اس کے بعد دوبارہ کبھی ایسا نہ ہوا۔

سید محمد اولیاء ۱۰۷۵ھ میں بہت سے مُریدوں اور درویشوں کے ساتھ دوبارہ حج پر آئے۔ ڈھکے چھپے انداز میں، خاموشی سے حج اور زیارت کی سعادت حاصل کی۔ حرمین میں کئی لوگ آپؒ کے مُرید ہوئے۔ حج سے واپسی پر بادشاہ، اُمرا اور دولتمندوں سے ملنے کی بجائے سیر اور حضرت خواجہ نقشبندؒ کے مزار کی زیارت کے لیے سمرقند و بخارا کی طرف چلے گئے۔ بلخ اور بخارا میں بھی بہت سے لوگ آپؒ کے مُرید ہوئے۔ وہاں بھی آپؒ کو بہت بشارتیں ملیں۔ جب کابل اور پشاور پہنچے تو عقیدتمندوں نے روک لیا اور بہت زیادہ

نذرانے پیش کیے۔ آپؒ کافی خرچ اور سامان دیکھ کر حرمین شریفین کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ نیت کر رکھی تھی کہ مدینہ شریف حاضر ہو کر اپنے والدِ گرامیؒ کے مزار پر گنبد تعمیر کرائیں گے۔ سورت کی بندرگاہ پر پہنچ کر بیمار ہو گئے۔ انگریزوں کی لُوٹ مار کے خوف سے اس سال شاہی جہاز بھی روانہ نہ ہو سکا۔ سورت ہی میں آپؒ کی بیماری شدت اختیار کر گئی۔ خُدام علاج سے مایوس ہو کر وطن واپس لائے۔ راستے ہی میں ۲۷۔ رمضان کو آپؒ کا انتقال ہو گیا۔ تابوت میں بنور لایا گیا۔ سید غلام محمدؒ کے مزار کے پاس دفن ہوئے۔ آپؒ کے مرید آپؒ کے بہت سے احوال بیان کرتے ہیں۔ روایات تواتر کو پہنچ گئیں تو اِن شاء اللہ تحریر کروں گا۔

گیارھواں باب

خلافت اور اجازت سے مشرف ہونے والے کچھ ساتھیوں کے احوال

بعض ساتھیوں کے احوال، اُن حضرات سے مل کر خود اُن کی زبانی معلوم ہوئے، یا اُن کے رسالوں سے نقل کیے گئے یا معتبر راویوں سے روایت کیے گئے ہیں۔ جن حضرات سے ملاقات نہیں ہوئی یا اُن کے بارے میں دریافت نہیں کیا جا سکا، اُن کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ امید ہے کہ جو صاحب بھی سب کے احوال جمع کرنے میں کامیاب ہوں گے، وہ ان معلومات کو اس مجموعے کے ساتھ ملا لیں گے۔

سب سے پہلے میں اُن خلافت یافتہ ساتھیوں کے نام مختصراً لکھتا ہوں، جن کے بارے میں مجھے حضرتؒ کے پُرانے ساتھیوں سے علم ہوا ہے۔ اس کے بعد میں سب کا تفصیلی ذکر کروں گا۔ اگرچہ وہ تفصیل بھی اجمال ہی کی طرح ہوگی۔ کیفیات اور احوال کا شایانِ شان بیان ناممکن ہے۔ مَیں نیک لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے نزولِ رحمت کا اُمیدوار ہوں۔

خلفائے کرام کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

شیخ ابُو الفتح، شیخ مسعود، شیخ نور محمد، شیخ محمد شریف شاہ آبادی، شیخ عبدالخالق، شیخ اسد اللہ پنجابی، شیخ امان اللہ، شیخ بازید قصوری، شیخ عبدالحی انبالوی، شیخ ابُو نصر انبالوی، شیخ عثمان پشاوری، شیخ جمال پشاوری، شیخ یار محمد لاہوری، شیخ قاسم سہارن پوری، شیخ فرید پشاوری، شیخ لقمان پشاوری، شیخ عبداللہ پشاوری، شیخ عبدالسلام پشاوری، شیخ بہاء الدین پشاوری، میر احمد پشاوری، شیخ محمد یار غاری پسروری، شیخ الہٰ داد پشاوری، شیخ بلاول، خان

بیگ پشاوری، شیخ حبیب پشاوری، شیخ سعید لاہوری، کامران بیگ بدخشی، میر منصور بدخشی، محمد امین بدخشی (مصنفِ کتاب)، ہاشم مغل، عبدالسلام بنگالی، محمد شریف یوسف زئی، محمد شریف جلال آبادی، مُلا یوسف، شیخ یار علی پشاوری، جلال خان بنگالی، حاجی شاہ محمد سامانہ، حافظ نظام الدین ملتانی، رحیم داد یوسف زئی، شیخ ایوب یوسف زئی، شیخ دادن یوسف زئی، مُلا عبدالکریم یوسف زئی، برخوردار چنابی، عنایت اللہ پسروری، خلیل پسروری، عبداللہ چنابی، عبدالمومن چنابی، دولت چنابی، محمود جلال پوری، علی ملتانی، حافظ شیخ فتح محمد لاہوری، اسماعیل فتح خان قصوری، مُلا الہٰ دیا پوہی، سید مصطفیٰ سلطان پوری، عبدالنبی سلطان پوری، شاہ محمد پنجابی، شیخ محمد سنوری، یوسف خان سنوری، حافظ نور محمد سامانہ، عبدالرحیم سامانہ، شیخ حبیب سامانہ، عبدالرسول روپڑی، محمود روپڑی، سید محمد رفیع، شیخ چاند پوربی، نور محمد پوربی، شیخ حسین سہارنپوری، شیخ عبداللہ سہارنپوری، سید کبیر سہارنپوری، یار محمد سرہندی، مُلا الیاس باجوڑی، عبدالحمید بنوری، شیخ بازید بنوری، شیخ قطب پنجابی، مُلا یعقوب پنجابی، مُلا ابُو بکر پنجابی، شیخ سعدی لاہوری، شیخ احمد سنوری، یار محمد ثانی لاہوری، عبداللہ انبالوی، سلیمان سیالکوٹی، پیر محمد نیازی لاہوری، حسین خان اورنگ آبادی، شیخ مراد رنگن پوری، حاجی مبارک پشاوری، سید فضل پشاوری، شیخ عبدالباقی بہاری، شیخ کمال معمار انبالوی، شیخ حبیب ساکن میال، سید سکندر ظہور آبادی، شیخ ابُوالحسن میواتی، شاہ محمد غلزئی، شیخ احمد ملتانی۔

مدینہ منورہ میں اعتکاف کے بعد مَیں نے حضرت شیخؒ کے دستِ مبارک سے لکھے ہوئے مندرجہ ذیل نام دیکھے۔ مَیں انھیں اسی ترتیب سے لکھ رہا ہوں۔ شاید اس میں کوئی حکمت اور فضیلت ہو۔ فضیلت کیوں نہیں ہوگی آخر ان سب لوگوں نے وطن چھوڑے ہجرت کی، برّی اور بحری مشکلات اور جانی و مالی نقصانات کے باوجود حضرتؒ سے الگ نہ

ہوئے۔اسی لیے آپؒ بار بار ہمسفر ساتھیوں کی تعریف کر کے، اُن کے لیے دعائیں کرتے، ان پر خصوصی شفقت فرماتے اور بشارتیں دیتے تھے۔ آپؒ اجنبی زائرین کے سامنے غائبانہ طور پر بھی ساتھیوں کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ایک بار آپؒ نے ارشاد فرمایا: ''جو بھی میری وفات کے وقت حاضر ہوگا، سعادت مند ہوگا''۔ اللہ کا شکر ہے کہ وطن سے آپؒ کی روانگی سے لے کر وفات تک، بیس ماہ اور ایک دن کے عرصے میں ہم آپؒ سے جدا نہیں ہوئے۔ اگرچہ پہلے تین سال بھی اکثر حاضرِ خدمت رہے لیکن کبھی کبھار جدا بھی ہو جاتے تھے۔ آپؒ کی تحریر یہ ہے:

''یہ ساتھی راہِ الٰہی میں واصل ہوئے: ابُو الفتح، مسعود، امان اللہ، محمد امین، حامد یار، محمد مجاہد، محمد یار، اسد اللہ، مہر علی، شیخ محمد، شیخ احمد ہندال، امید علی، عظمت اللہ، عبداللہ جدید پشاوری، حاجی محمد عبداللہ سندھی، عبداللہ انبالوی، اللہ ان پر رحم فرمائے اور ان سے راضی ہو''۔

شیخ ابُو الفتح:

حضرتؒ کے قدیم، کامل، عزیز اور اوائل کے ساتھیوں میں سے تھے۔ آپؒ کے محرمِ راز اور کارمختار تھے۔ شروع شروع میں شوخ اور لاابالی کھلنڈرے تھے۔ طالبعلمی کے زمانے میں بہت ذہین و فطین تھے۔ بچپن میں حضرت کی خدمت میں گئے تھے۔ آپؒ نے ان کے سر، چہرے اور پُشت کو تھپکی دے کر کئی بشارتیں ارشاد کی تھیں۔ بالغ ہوئے تو حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر مُرید ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ آپؒ نے فرمایا: ''ابھی پڑھیے، بعد میں آزمایئے گا!''

شیخ ابوالفتحؒ مدتوں عشقِ مجازی میں مبتلا رہے۔ محبوب کو دیکھتے ہی حیرت زدہ ہو جاتے۔ دیدار سے پہلے خود کو سمجھاتے رہتے، لیکن دیکھتے ہی دیوانہ وار بے اختیار ہو جاتے تھے۔ محبوب کی وفات کی خبر سُن کر بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آئے تو پیٹ میں ایسا درد اٹھا کہ کھانے پینے سے عاجز آ گئے۔ کچھ عرصے کے بعد عشقِ حقیقی کا ظہور ہو گیا۔ چنانچہ حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر صاحبِ ذکر بن گئے۔ تین دنوں میں نقشبندی نسبت میسر آ گئی۔ ان پر بے حساب تغیرات، تجلیات اور واقعات کا ظہور ہوتا رہا۔ بے باکی کے باوجود، اوائل میں مستی اور خاموشی نے یوں غلبہ کیا کہ خلوت نشین ہو گئے اور عمدہ اخلاق سے آراستہ ہوتے رہے۔ اُس زمانے میں اُن کی یہ حالت تھی کہ دو رکعت نماز بمشکل ایک پہر میں مکمل کرتے تھے۔ جسے کچھ نصیحت فرماتے، وہ متاثر ہو کر فضولیات سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا اور سلسلے میں داخل ہو جاتا تھا۔

ایک دن حضرت سید آدم بنوریؒ نے آپؒ سے کہا: ''تمھیں سرمستی کے راستے سے منزلِ مقصود تک پہنچاؤں یا عقل و شعور کے راستے سے لے جاؤں؟ بےخودی اور سرمستی کا راستہ، بازار کی طرح ہے۔ تماشا دیکھنے والے منزل تک نہیں پہنچتے۔ عقل و شعور کا راستہ وہی ہے جو پسندیدگی کا راستہ ہے۔ اس میں تماشے میں محو ہوئے بغیر منزل تک پہنچا جا سکتا ہے''۔ انھوں نے عرض کیا: ''مجھے تو منزلِ مقصود سے غرض ہے، مقامات کے تماشے سے مجھے کیا لینا دینا؟'' حضرتؒ ان کی اس بات سے بہت خوش ہو گئے اور خصوصی تربیت فرمانے لگے۔ ان کا معاملہ روز بہ روز ترقی کرتا جاتا تھا۔ محویت اور حضوری غالب آ گئی اور پانچ سال تنہائی اختیار کر کے کیفیات میں غرق رہے۔ کوئی شخص کبھی کوئی بات چھیڑ دیتا تو اُسے منع کر دیتے اور فرماتے: ''اللہ کے طلبگاروں کو غیر اللہ کی باتوں سے کیا لینا؟'' آخر ان کا

کشف کمال کو پہنچ گیا اور جنّات بھی حاضر ہو کر مطیع ہو گئے۔ جب محویت اور حضوری دوامی ہو گئی تو حضرت شیخ نے فرمایا: ''کب تک خاموش رہو گے؟ لوگوں سے گھلو مِلو، معاملات میں حصہ لو، ظاہری انتشار سے اپنی باطنی نسبت کو آزماؤ اور دھیان رکھو کہ لوگوں سے میل جول میں پراگندگی سے بچے رہو''۔

حکم کی تعمیل کرتے ہوئے انھوں نے خدمت گزاری اور ظاہری میل ملاپ اختیار کر لیا اور باطنی نسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ظاہری طور پر مخلوق اور باطنی طور پر خالق میں مشغول ہو گئے خدمت اور معاملہ فہمی میں اُن کا یہ عالم تھا کہ حضرتؒ کے گھر اور خانقاہ کے تمام معاملات انھوں نے سنبھال لیے۔ حضرت شیخؒ نے اُن کے بارے میں فرمایا: ''ابُو الفتح ہمارے دست و بازو ہیں''۔

ایک دن حضرت شیخ بنوریؒ اپنے احوال کی بلندی کا کچھ ذکر فرما رہے تھے۔ آپؒ نے بیان کیا: ''مجھ پر مختلف طرح سے حبیبت اور محبوبیت کے مدارج گزر رہے ہیں۔ اب ایسا خوف اور خشیت طاری ہے کہ کسی پر تھوڑا سا بھی ظاہر ہو جائے تو عین ممکن ہے وہ خوفزدہ ہو کر مَر جائے''۔ اس گفتگو کے دوران ابُو الفتح، حضرتؒ کے بالکل سامنے بیٹھے تھے۔ اچانک حضرتؒ کی کیفیت کا کچھ حصہ ان پر ظاہر ہو گیا۔ بے چین ہو کر اُٹھنے لگے تو اُٹھا نہ جا سکا اور گر کر بیہوش ہو گئے۔ کافی دیر بیہوش رہے۔ آخر حضرت شیخؒ کی توجّہ سے آہستہ آہستہ ٹھیک ہو گئے۔

عنایت:

حاجی علی اکبر رام پوری جو اس علاقے کے حاکم تھے، آپؒ کے جاں نثار مرید

تھے۔ انھوں نے بارہا آپ کی کرامتیں ملاحظہ کیں اور خدمت میں رہنے لگے۔ انھوں نے آپؒ کا گھر پختہ تعمیر کرایا اور بہت مالی خدمت کی۔ ایک دن اُنھوں نے بڑے اِخلاص سے عرض کیا کہ: ''یا حضرت! بارہ سال سے میری کوئی اولاد نہیں ہوئی اور میری خانہ آبادی کا پودا پھلا پھولا نہیں۔ اُمید ہے حضرت کی توجہ سے اللہ مجھے فرزند عطا فرمائے گا''۔ جب اُنھوں نے بہت زاری کی تو آپؒ خلوت میں متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔ یہ الہام ہوا: ''اب کی بار تو ہم نے بیٹی دی ہے۔ اگر چاہتے ہوں تو بیٹی کے بدلے بیٹا عطا کر دیں گے''۔ جب آپؒ نے یہ بشارت بتائی تو اُنھیں خیال گزرا کہ خود تو بیٹے سے محروم ہیں، مجھے بھلا کیسے بشارت دے رہے ہیں۔ اگر ایسی عطا پر قادر ہوتے تو اپنے لیے بھی بیٹا حاصل کر لیتے۔ یہ خیال گزرتے ہی آپ نے اُنھیں بُلا کر تنبیہ کی اور کچھ نصیحتیں فرما کر تائب کرایا۔ کچھ دنوں کے بعد ان کی اہلیہ امید سے ہو گئی۔ ان کی عقیدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ دن پورے ہو جانے پر بیٹی پیدا ہوئی۔ یہ دیکھ کر وہ دلی طور پر مُعتقد ہو گئے۔ بیٹی پر ہی راضی ہو گئے اور عرض کی: '' ہمارے لیے یہ بیٹی ہی بہت ہے۔ ہمیں اِس کے بدلے میں بیٹا نہیں چاہیے۔ آپ دُعا فرمائیے کہ اِسی کی عمر دراز ہو''۔ اب وہ بچی ماشاء اللہ جوان ہو گئی ہے۔

عنایت:

علی اکبر کے مرضِ موت کے دوران، ایک دن آپؒ نے اُس کے ہاں جا کر، اُسے دعا سے صحت یاب کرنا چاہا۔ جب خلوت میں متوجہ ہوئے تو اِلقا ہوا: ''کیا یہ شخص حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے بھی افضل ہے کہ اس کی صحت اور زندگی کے لیے دعائیں کی جا رہی ہیں؟'' آپؒ خائف ہو کر جلد ہی اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی زندگی سے مایوس

ہو کر ایک طرف ہو کر بیٹھ رہے۔ علی اکبر ایک گھنٹے کے بعد وفات پا گیا۔

ان کی زبان میں اِتنی تاثیر تھی کہ جس بیمار کو بھی پانی دَم کر کے دیتے، وہ صحت یاب ہو جاتا، الا ماشاء اللہ۔ حضرت سید آدم بنوریؒ نے کئی بار فرمایا کہ: ''انھیں ہماری جگہ سمجھا کریں کیونکہ وہ محبت کی انتہا میں ہمارے ساتھ یک جان ہو گئے ہیں''۔ حضرت شیخؒ نے انھیں کوئی وظیفہ بتلایا تھا جسے وہ پانی پر دَم کر کے آسیب زدہ مریضوں کو پلاتے اور وہ ٹھیک ہو جاتے تھے۔

اُن کا گھر ساتھیوں کی بہترین جائے پناہ تھا۔ اکثر ساتھی اُن کے گھر میں عجیب وغریب احوال سے آشنا ہوتے تھے۔ اکثر خوابوں میں حضرت نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوتی تھی۔ خود حضرت شیخؒ نے بھی اُن کے گھر میں جنّت کے کھانے ملاحظہ فرمائے اور نئے اَسرار سے آگاہ ہوئے۔ مرحوم نے مجھے بتایا تھا کہ ایک رات حضرت شیخؒ نے اُن کے گھر میں قیام فرمایا۔ صبح آپؒ نے ارشاد کیا کہ: ''رات کو مَیں نے مراقبے میں دیکھا ہے کہ جنت سے سفید، خوشبودار کھانے نازل ہوئے ہیں۔ مَیں نے ساتھیوں کے لیے بھی حصہ مانگا اور میری درخواست منظور ہو گئی''۔ اُسی رات کو آپؒ نے آواز دی: ''کوئی بیدار ہے؟'' ''اکثر ساتھی مراقبے میں محو تھے۔ مَیں نے عرض کیا: ''خادم حاضر ہے''۔ آپؒ نے فرمایا: ''ابھی مجھ پر اس حدیث کے معانی نازل ہوئے ہیں کہ ''قرآن سات حروف میں نازل کیا گیا ہے''۔ کچھ مطالب تم ابھی ذہن نشین کر لو اور کچھ مجھے صبح یاد دلانا کہ مَیں لکھ لوں'' اگلی صبح میں مسجد میں بیٹھا تھا اور آپؒ ''خلاصۃ المعارف'' میں وہی رات والے اسرار و رموز لکھ رہے تھے۔ اسی اثنا میں کچھ خواتین نے آ کر تلقین کی درخواست کی۔ آپؒ نے فرمایا: ''ابُو الفتح کے گھر میں جا کر میری طرف توجہ کرو، مَیں تلقین کر دوں گا''۔ ساتھ ہی آپؒ نے مجھے کسی کام

کے لیے بھیج دیا۔ حکم کے مطابق میں نے جا کر وہ معاملہ کسی طرح انجام دے دیا۔ واپسی کے دوران مجھے خیال آیا کہ یہ کام تو حضرتؒ کی مرضی کے مطابق نہیں ہوسکا۔ بہتر یہی ہے کہ میں آپؒ کو ساری بات کچھ اس طرح بتاؤں کہ آپؒ پریشان نہ ہوں۔ آپؒ کی خدمت میں پہنچا تو راستے میں جو کچھ سوچا تھا، سب بھول گیا۔ آپؒ کی ہیبت سے مَیں بے ربط باتیں کرنے لگا۔ آپؒ نے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ''معاملہ اور طرح سے نبٹا کر آئے ہو، راستے میں کچھ اور سوچتے رہے ہو اور اب اِدھر اُدھر کی ہانکنے لگے ہو''۔ مَیں یہ کشفی باتیں سُن کر بہت نادم ہوا۔ پھر مَیں نے اپنے آپ سے کہا: ''سبحان اللہ! کیا کمال ہے۔ ایک ہی وقت میں کتنی چیزوں کی طرف متوجہ رہے ہیں۔ ایک یہ کہ گھر جانے والی عورتیں آپؒ کی توجہ سے صاحبِ ذکر و حال ہوگئیں۔ دوسرا یہ کہ بارگاہِ الٰہی میں حضوری کے ساتھ ساتھ، رات کو بطورِ کشف نازل ہونے والے مطالب تحریر فرما رہے تھے اور مزید یہ کہ دلوں کے بھید سے بھی آگاہ تھے۔ اس کے بعد سے مَیں خبردار ہوگیا۔

کرامت:

شیخ ابوالفتحؒ نے اپنی آخری بیماری کے دوران مجھ پر شفقت فرماتے ہوئے بیان کیا کہ ایک رات اُن کے بدن میں عجیب درد ہونے لگا۔ درد کی شدت سے بے قرار ہو کر وہ حضرت شیخؒ کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرتؒ بھی اُن کی حالت سے آگاہ ہوگئے۔ اور آپؒ کی توجہ سے درد ختم ہوگیا۔ اگلی صبح فجر کی نماز کے بعد مسجد ہی میں حضرت شیخؒ نے ابوالفتحؒ سے فرمایا: ''جب تم تکلیف سے بے تاب تھے تو مَیں نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی کہ تمھارا درد زائل ہوجائے۔ مجھے آواز سُنائی دی کہ: '' اُس کی بہتری اِسی میں ہے!'' مَیں نے دوبارہ

عرض کی کہ: ''اے اللہ! تُو اس کی تکلیف کو راحت بنا دینے پر قادر ہے''۔ دوبارہ الہام ہوا: ''کیا تم اس کے حق میں ہم سے بھی زیادہ شفیق ہو کہ اتنی سماجت کر رہے ہو!'' آخر مَیں خائف ہو کر خاموش ہو گیا اور تمھارا معاملہ مَیں نے اللہ ہی کو سونپ دیا''۔

کرامت:

اُسی بیماری کے دوران شیخ ابوالفتحؒ نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اُنھوں نے حضرت شیخؒ کے حکم پر شادی کی۔ ابھی خلوت واقع نہیں ہوئی تھی کہ وہی درد پھر غالب آ گیا اور طبیبوں نے ڈرا دیا۔ آخر کار کسی کو حضرتؒ کی خدمت میں بھیج کر آپؒ کو صورتِ حال سے آگاہ کیا گیا۔ یہ خبر سنتے ہی آپؒ نے وہیں سے مراقبے میں ابوالفتح سے کہا کہ: ''تسلی رکھو''۔ ابوالفتحؒ کا بیان ہے کہ میں اُسی دن تندرست ہو گیا اور تمام امور بہ خیر وخوبی انجام پا گئے۔ قاصد نے بتایا کہ حضرت شیخؒ نے مجھے بلا کر فرمایا: ''میں نے ابھی دعا کی ہے کہ ابوالفتح کی یہ تکلیف جاتی رہے۔ الہام ہوا کہ اگر یہ بیماری اپنے لیے قبول کرتے ہو تو ابوالفتح سے ہٹالی جائے گی۔ مَیں نے قبول کر لی۔ وہ بیماری اچانک مجھ پر آن پڑی لیکن اللہ کے فضل وکرم سے تھوڑی دیر بعد ایک لپٹے ہوئے، جلے ہوئے کپڑے کی طرح خود ہی زائل بھی ہو گئی''۔

قول اور فعل میں مرشد کی اطاعت کا یہ عالم تھا کہ جن دنوں حضرت شیخؒ مدینہ شریف میں بیمار ہوئے، اُنھی دنوں ابوالفتحؒ بھی بیمار ہو گئے۔ بیماری ہی کی حالت میں اُنھوں نے مکہ مکرمہ حاضر ہو کر دوسرا حج کیا اور جمعرات، ۱۵۔ محرم کو مکہ میں وفات پائی اور جنّت المعلّٰی میں حضرت عبدالرحمانؓ بن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مزار کی پائنتی دفن

ہوئے۔اب ساتھیوں نے ان کا مزار پختہ بنوا دیا ہے۔

ان سے پہلے شیخ غلام محمدؒ کی والدہ حضرت بی بی شریفہؒ کا انتقال ہوا تھا اور انھیں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی قبر کے قریب مغرب کی طرف دفن کیا گیا تھا۔ان کی قبر بھی شیخ محمد شریفؒ نے بنائی ہے۔

دو دن کے بعد ۱۸۔محرم کو میر منصورؒ بھی رحلت کر گئے۔ان کے بعد حضرت شیخؒ کے کچھ پرانے درویش فوت ہو گئے۔یہ حضرات، حضرت شیخؒ اور آپؒ کے قریبی ساتھیوں کے بہت مناقب جانتے تھے۔افسوس کہ جلد رخصت ہو گئے۔اگر زندہ ہوتے تو یقیناً اتنی روایات بیان کرتے کہ ایک الگ کتاب تصنیف ہو جاتی۔

شیخ ابُو الفتحؒ حضرت شیخؒ کے بعد اڑھائی ماہ زندہ رہے اور وہ بھی سفر اور بیماری کی حالت میں۔یہ مناقب جمع کرنے کے سلسلے میں وہ مجھ فقیر کی بے حد حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ہر طرح سے خیال رکھتے تھے۔چراغ اور تیل کے پیسے بھی عنایت کرتے تھے۔مَیں بہت معذرت کرتا تھا، لیکن مانتے ہی نہیں تھے۔مَرَضُ الموت کی سختی میں بھی ہر روز میری تحریر پڑھتے یا سنتے تھے۔نزع کے وقت تک اِسی فکر میں رہے کہ کتاب مکمل ہو جائے۔یہ اُنھی کی ہمت کا نتیجہ ہے کہ مجھ جیسے بے ہمت نے اتنی محنت کر لی، وگرنہ دربدری اور بے سروسامانی کی حالت میں اتنا حوصلہ کہاں ہوتا ہے کہ تصنیف و تالیف کا کام کیا جا سکے؟

ان کے بعد بھی اکثر ساتھیوں نے یہی حکم دیا۔خاص طور پر شیخ محمد شریف شاہ آبادیؒ نے اس سلسلے میں بہت مدد کی اور کام کو آگے بڑھانے کا بہت بڑا سبب بنے۔

یہاں تک کے مناقب مَیں نے اپنے موجود ساتھیوں سے سُن کر جمع کیے ہیں۔جو ساتھی موجود نہیں ہیں، اُن میں سے اکثر کی روایات ابھی جمع نہیں کی گئیں۔اگر وہ بھی جمع ہو

تو پھر تو ان سب سے بڑھ کر تھے جو نیک ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو صرف ترقی کرنے والوں سے محبت کرنے والوں سے محبت ہی کرتا ہے تو اس سے سب سے بڑھ کر محبت کرنے والا ہے۔

شیخ نور محمد پشاوریؒ:

حضرت سید آدم بنوریؒ کے مشہور و معروف خلفاء میں سے ہیں۔ آپ سے جو کمال پیدا ہوئے ہیں، بہت سے لوگ آپ کے مرید ہیں۔ آپ کے وجود مبارک سے بڑی کرامات ظاہر ہوئی ہیں۔ پرہیزگاری، سخاوت، شجاعت اور ریاضت میں بے مثال ہیں۔ جوانی میں آپ نے اعلیٰ درستان پڑھیں اور ترقی کی انتہا کو پہنچ گئے۔ آپ کے والد محترم بھی پرہیزگار، عابد، زاہد، خطیب اور صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ آپ کے والد محترم صاحب علم اور کرامت اولیاء میں سے تھے۔ آپ کا آبائی وطن تو وہی تھا۔ لیکن جب آپ نے شیخ آدم بنوری سے حقیقت "محمدیہ" اور معرفت توحید کے حقائق کو اختیار کر لیا ہے اور پٹھانوں کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہ تھا تو آپ نسبت کی بنا پر پشاور گئے اور تصنیف و تالیف اور وعظ و نصیحت کے ذریعے مخلوق خدا کو سیدھا راستہ دکھانے لگے۔ آپ کی تصانیف عربی، پشتو اور فارسی میں ہیں۔ ان میں آپ نے بدعتوں اور رسومات کی مذمت اور ہدایت کی تلقین دی ہے۔ آپ کے اجتہاد کی برکت ابھی تک پٹھانوں میں باقی ہے۔ اب ان کے پوتے شیخ نور محمد، یوسف زئی قوم کے گاؤں میں سکونت پذیر ہیں اور شریعت و طریقت کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں۔

آپ نے بہت سے لوگوں کو سلسلہ نقشبندیہ میں داخل کیا ہے لیکن آپ کی طبیعت میں گوشہ نشینی، ریاضت اور بے نیازی کا غلبہ ہے۔ اگر آپ صحیح معنوں میں توجہ فرماتے تو

اب تک ایک جہان کو نقشبندی بنا چکے ہوتے۔ فقیرانہ روش اور انکساری کے باوجود اپنے علاقے کے ہادی وراہنما ہیں۔ کبھی اپنے علاقے کے عالموں اور نیک لوگوں کے ساتھ مل کر ستر ہزار افراد یا کم وبیش کی تعداد میں جمع ہو کر کافروں سے جنگ کرنے جاتے ہیں اور ہزاروں کو جہنم رسید کر کے، ہزاروں کو قیدی بنا کر لاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ظاہری و باطنی جہاد میں کامل ہیں۔ دین اور سنتِ رسول ﷺ کو زندہ رکھنے میں آپؒ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں سلامتی سے رکھے۔

حضرت شیخؒ کی وفات کے بعد تین بار حج اور زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے ہیں۔ حج کے دوران سب کچھ ضرورتمندوں میں بانٹ دیا تھا۔ حرمین میں آپؒ نے کئی اعتکاف اور ریاضتیں کیں۔ جبلِ نُور میں خلوت اختیار کی اور کئی برکتوں اور بشارتوں سے نوازے گئے۔ مَیں نے کئی بار کوشش کی کہ آپؒ اپنے حالات بیان کریں یا لکھ کر عنایت فرمائیں لیکن آپؒ ہمیشہ منع فرماتے رہے۔ آخر میرے بہت اصرار پر آپؒ نے تین صفحے لکھے اور چند باتیں زبانی بیان کیں۔ مَیں نے اس سے زیادہ تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔

آپؒ نے اپنے ابتدائی احوال تحریر فرمائے ہیں کہ: ۱۰۵۰ھ میں جب مَیں بنور میں حاضر ہوا تو ہم تین لوگوں نے تلقین پائی۔ پہلے آپؒ نے مجھے توجہ سے نوازا اور فرمایا: ''آپ میں بہت اعلیٰ صلاحیت ہے۔ اللہ کے فضل سے کمال کو پہنچیں گے''۔ دوسرے ساتھی کو آپؒ نے مشغول کیا تو وہ توجہ کی ابتدا ہی میں بے تاب ہو کر زمین پر لوٹنے لگا اور بے حوصلگی سے بہ آوازِ بلند ذکر کرنے لگا۔ کئی دن اُس پر ایسی ہی کیفیات کا غلبہ رہا۔ اس کے بعد وہ حافظ رخنہ کے باغ میں چلا گیا۔ سرمستی اُس پر اتنی غالب آ گئی کہ اُس کی زبان ''انا الحق'' کہنے لگی بلکہ اُس کے ہر عضو سے یہی الفاظ ادا ہوتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ مَیں اُس کی

حالت دیکھ کر مغموم ہوتا کہ مجھ پر تو کوئی کیفیت ہی طاری نہیں ہوئی۔ حضرت شیخؒ مجھے دلاسا دیتے تھے کہ: ''افسردہ نہ ہوں۔ آپ بلند استعداد کے مالک ہیں اور وہ کمزور صلاحیت کا ہے۔ اُس میں استحکام نہیں ہے''۔

ایک دن اُس ساتھی پر کیفیت کا غلبہ بہت شدید ہو گیا۔ مَیں نے حضرتؒ کی خدمت میں اُس کی حالت بیان کی تو آپؒ نے فرمایا: ''دیکھیے کیا بنتا ہے اور اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟'' دو دن کے بعد اُس پر آسیب مسلط ہو گیا۔ اُس کے جنّ نے مجھ سے کہا کہ: ''اگر تم میرے بچوں کو پڑھاؤ گے تو مَیں اسے چھوڑ دوں گا''۔ مَیں نے اُس کی بات مان لی اور دو تین دن پڑھاتا رہا۔ حضرتؒ کو معلوم ہوا تو آپؒ نے مجھے منع فرما دیا کہ: ''یہ شیطانی چال ہے۔ آپ بالکل نہ پڑھائیں اور ذرا دیکھیں کہ کیا واقعہ رُونما ہوتا ہے!'' مَیں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پڑھانا چھوڑ دیا۔ کچھ دن کے بعد اُس ساتھی پر شیطان غالب آ گیا اور اس کے دل و دماغ میں وسوسے ڈالنے لگا۔ پھر وہ باقاعدہ حضرت شیخؒ سے بیعت ہو گیا۔

ایک دن مَیں اور وہ، دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ حضرتؒ کے گھر کے دروازے کے پاس کھڑے تھے۔ حضرت شیخؒ معرفت کی گفتگو فرما رہے تھے اور ہم سب لوگ سُن رہے تھے۔ اِسی اثنا میں وہ ساتھی مسکرایا۔ مَیں نے کہا: ''کیوں ہنس رہے ہو؟'' اُس نے بتایا: ''دیکھو تو لعنتی شیطان کیا کہتا ہے!'' مَیں نے کہا: ''بتاؤ، کیا کہتا ہے؟'' کہنے لگا: ''کہتا ہے کہ شیخؒ کے چہرے کو دیکھنا، ہزار سال کے عذابِ دوزخ سے بھی بدتر ہے۔'' مَیں نے یہ ساری بات حضرت شیخؒ کو بتا دی۔ آپؒ نے فرمایا: ''یہ عزیز کئی دنوں سے ہم سے ناراض ہے۔ اس کی یہ بات بعض کے لیے باعثِ ہدایت ہے اور بعض کو گمراہ کرے گی۔''

اس کے بعد صورتِ حال یہ ہو گئی کہ شیطان کبھی تو مشائخ کے بہروپ میں اُسے

ملتا اور کبھی اُس علاقے کے علماء کی شکل میں اور اُس سے کہتا تھا کہ: ''یہاں سے چلے جاؤ۔ جس پیر کے پاس بھی رہنا چاہتے ہو، جا کے رہو، کامل بن جاؤ گے''۔ مختصر یہ کہ وہ بنور سے نکل کر کہیں اور چلا گیا اور راگ رنگ اور بدعتوں میں مبتلا ہو گیا۔ مَیں نے حضرتؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ: ''فلاں صاحبِ حال ساتھی ضائع ہو گیا ہے''۔ آپؒ نے فرمایا: ''کیا کروں، کیفیت کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ مجھے پہلے ہی دن اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ شخص کفر اور بدعت کی طرف مائل ہے۔ ہر چند مَیں نے بہت توجہ کی لیکن بات نہ بنی۔ اُس کی قسمت میں ازل ہی سے یہ لکھا ہوا تھا۔''

ہمیں یوں معلوم ہوا ہے کہ شیطان کے دو چیلے ہیں۔ ایک کا نام ''رڈ اللورد'' ہے اور وہ پورے عجم کا مؤکل ہے۔ دوسرے کا نام ''رڈ الوارد'' ہے۔ یہ عرب کا مؤکل ہے۔ جو شخص اِن دونوں کے قبضے میں آ جاتا ہے، اُس کی خلاصی مشکل ہوتی ہے۔ ہم ہر طرح کے شیطانوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

فائدہ:

صُحبتِ شیخؒ کے ابتدائی دِنوں میں مجھ پر کچھ بے چینی اور اضطراب طاری ہو گیا، حالاں کہ مَیں ذکرِ رُوحی بھی کیا کرتا تھا۔ مَیں نے حضرتؒ کے ایک خادم سے کہا کہ: ''شیخؒ سے عرض کیجیے کہ مجھے ایسی باطنی تربیت سے نوازیں جس سے ذوق وشوق میں اضافہ اور ظاہری و باطنی مسائل سے قطعِ تعلق نصیب ہو''۔ ایک دن حضرت شیخؒ نے مجھ سے فرمایا: ''اللہ نے مجھے دو راستے عطا فرمائے ہیں۔ ان میں سے جو راستہ زیادہ اچھا اور زیادہ قریب ہے، مَیں اُس کی راہنمائی کرتا ہوں۔ مثلاً کسی بڑے شہر میں، بادشاہ کے دربار تک جانے

کے لیے ایک راستہ ایسا ہے جو بازار سے ہٹ کر ہے۔ اس راستے پر نہ کوئی بھیڑ ہوتی ہے، نہ کوئی کھیل تماشا۔ دوسرا راستہ بازار سے ہو کر جاتا ہے اور اس میں بہت سی رکاوٹیں ہیں۔ اس راستے پر چلنے میں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ سالک کہیں کھیل تماشے ہی میں نہ پھنس جائے۔ یا اُسی کو منزلِ مقصود نہ سمجھنے لگے اور دربارِ شاہی تک پہنچ ہی نہ پائے یا پہنچنے میں دیر ہی نہ لگا دے۔ لہذا سالک کو پہلے راستے سے لے جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔ جب وہ دربارِ شاہی میں پہنچ جاتا ہے تو بازار اور کھیل تماشے سب اُس کے قدموں کی دُھول بن جاتے ہیں۔ ہر حال میں خالی اور صاف سُتھرا راستہ ہی اچھا ہوتا ہے"۔ مَیں نے عرض کیا: "مجھے امید ہے کہ مَیں آپؒ کی توجہ سے کسی تماشے میں مشغول نہیں ہوں گا اور میرے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں آئے گی۔ شاید دوسرے راستے سے مجھے ایسا ذوق وشوق مل جائے جو ترکِ علائق کا سبب بن سکتا ہو"۔ حضرت شیخؒ نے ارشاد فرمایا: "آپ نے مجھے باغی سمجھ رکھا ہے کہ جو چیز مجھے بہتر اور زیادہ مناسب معلوم ہو رہی ہو اور جس کا مجھے حکم دیا گیا ہو مَیں اُس کے برعکس راہنمائی کروں گا؟ مَیں تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی پر ہی چلوں گا کیونکہ اُس میں بھلائی ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے دوسرے ساتھی نے دوسرا راستہ اپنایا تو ذوق اور لہو ولعب میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو گیا۔ دوسرا راستہ بہت خطرناک ہے۔ اسے سلامتی سے کم ہی لوگ طے کرتے ہیں"۔ مَیں تسلیمات بجا لایا اور تائب ہوا۔ بعد میں حضرتؒ کی توجہ سے، یہ خیال خود بخود ہی میرے دل سے نکل گیا۔

اس کے بعد مَیں جذب وکیف میں ترقی کرتا گیا۔ کیفیات تو کم ہی طاری ہوئیں لیکن حضوری، مشاہدے اور حیرت میں روز بہ روز اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ صوفیانہ مراتب اور علمِ لَدُنی مجھ پر ظاہر ہونے لگے۔ ایک دن حضرت شیخؒ نے فرمایا: "

معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے لیے کچھ دن ریاضت اور خلوت ضروری ہے''۔ انھی دنوں مَیں اپنے وطن گیا ہوا تھا۔ برادری کے کچھ لوگ میری دشمنی پر اُتر آئے تھے۔ ادھر حضرت شیخؒ نے ساتھیوں سے فرمایا: ''نور محمد کو بعض عزیزوں اور رشتہ داروں کی طرف سے تکلیف پہنچ رہی ہے اور حضرت خضرؑ اُن کی مدد کو گئے ہیں''۔ انھی دنوں مَیں اُس تنازعے سے نجات پا گیا۔

مکاشفہ:

شیخ نور محمدؒ سے روایت ہے کہ جن دنوں حضرت شیخؒ اپنے والدِ گرامیؒ کی زیارت کے لیے اکبر آباد جا رہے تھے، اُن دنوں مَیں بھی آپؒ کے ساتھ تھا۔ جب ہم پانی پت میں پہنچے تو آپؒ نے مجھے اور چند قریبی ساتھیوں کو فرمایا کہ: ''حضرت بوعلی قلندرؒ اور شیخ جمالؒ کے مزارات پر جا کر اُن کی روحانیت کی طرف توجہ کرو تا کہ تمھیں دونوں کا فرق معلوم ہو جائے''۔ ہم نے حکم کی تعمیل کی۔ ہم سب نے اپنے اپنے مشاہدے حضرتؒ کی خدمت میں عرض کیے۔ سبھی نے حضرت بوعلی قلندرؒ کا مرتبہ کچھ کم پایا کیونکہ احکامِ شرعی کی پابندی میں اُن سے کوتاہی ہو جایا کرتی تھی۔ حضرت شیخؒ کی خدمت میں جانے سے پہلے مجھے خیال آیا کہ: ''حضرت شیخؒ اور اِن حضراتؒ کے مرتبے میں کیا فرق ہے؟'' جب مَیں نے توجہ کی تو دیکھا کہ حضرت شیخؒ کا معاملہ سورج کی طرح ہے اور باقی سب لوگ آپؒ کے سامنے ستاروں کی طرح ہیں۔

جب مَیں آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کچھ دیر بعد آپؒ نے فرمایا: ''میں حضرت شیخ شرف الدین کے مزار کے پاس، آپؒ کے روحانی کمالات کی طرف متوجہ ہو کر

ذکرِ الٰہی میں مشغول تھا اور مجھے عجیب وغریب مشاہدے ہو رہے تھے۔ اسی محویت کی حالت میں مَیں نے دیکھا کہ فرشتے کاغذوں پر اولیائے کرام کے نام لکھ رہے ہیں۔ انھوں نے مجھ ناچیز کا نام "افضل الاولیاء" لکھا"۔ یہ ارشاد سُن کر مجھے یقین ہو گیا کہ حضرتؒ نے یہ بات میرے مکاشفے کی وجہ سے بیان فرمائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر مَیں زندگی بھر حق وصداقت کے سمندر میں غوطہ زن رہتا تو اس سے بہتر کوئی موتی میرے ہاتھ نہ لگتا اور اگر مَیں مُدّتوں دلیلوں کے جنگلوں میں بھٹکتا رہتا تو اس سے بہتر راہنمانہ پا سکتا۔

جب آپؒ دہلی پہنچے تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مزار کی زیارت کے لیے گئے اور فرمایا: "خواجہؒ کی رُوح استقبال کے لیے آئی تھی"۔ پھر جب حضرت امیر خسروؒ کے مزار پر حاضری ہوئی تو مَیں نے دیکھا کہ امیر خسروؒ ہندی میں حضرت شیخؒ کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں کہ: "آدمیت کا حق انھی کی طرح ادا کرنا چاہیے"۔ جب شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے مزار پر گئے تو فرمایا: "ان کے پاس جو امانت تھی، وہ انھوں نے ہمیں عطا فرمائی"۔ خود مَیں نے بھی بہت عمدہ مشاہدہ کیا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر حاضری ہوئی تو آپؒ کافی دیر بعد ظاہر ہوئے اور بہت شفقت فرمائی۔

مکاشفہ:

شیخ نور محمدؒ ہی کا بیان ہے کہ حج پر جاتے ہوئے مَیں خطرناک راستوں میں پھنس گیا لیکن مَیں نے دیکھا کہ مصیبت اور پریشانی سے میری روحانی ترقی ہو رہی ہے۔ جہاں بھی کوئی سختی آتی، حضرت غوثِ اعظمؒ، حضرت خواجہ نقشبندؒ، حضرت شیخؒ اور میرے والد اور دادا حاضر ہو کر اس مصیبت سے نجات دلاتے تھے۔ ایک دن جہاز طوفان میں گھر گیا اور

مخالف ہوائیں اسے ایک پہاڑ تک دھکیل لائیں۔ لوگ رونے دھونے لگے کہ ہلاکت قریب ہے۔ مَیں بھی پریشان ہوگیا۔ اِسی اثنا میں مَیں نے خواجگانؒ کی طرف توجہ کی تو سب حضراتؒ کو حاضر پایا اور اولیائے کرامؒ بھی ان حضراتؒ کے ساتھ تھے۔ سب نے انتہائی لطف وکرم سے فرمایا: ''یہ ہمارے اپنے لوگ ہیں اور مصیبتوں سے محفوظ ہیں''۔ اِس سے مجھے بہت تسلی ہوئی۔ میرے ایک مُرید عبدالمؤمن نے بھی مراقبے میں دیکھا کہ حضرت شیخ آدم بنوریؒ ظاہر ہوئے ہیں اور آپؒ نے جہاز کو ایک طرف سے پکڑا اور بڑے آرام سے، پہاڑ سے بچا کر دوسری طرف ڈال دیا۔ یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ جہاز اب ٹھیک راستے پر جا رہا ہے۔

اولیاء را ہست قُدرت از الٰہ
تیرِ جَستہ باز گردانند زِ راہ

(ترجمہ) اولیائے کرامؒ کو اللہ کی طرف سے یہ طاقت دی گئی ہوتی ہے کہ وہ کمان سے نکل جانے والے تیر کو بھی لوٹا سکتے ہیں۔

کرامت:

شیخ نور محمدؒ بیان فرماتے ہیں کہ ایک سال مَیں اپنے قبیلے کے ساتھ تقریباً چالیس ہزار جنگجو مجاہد لے کر کافروں سے جہاد کے لیے نکلا۔ کافروں کا پہاڑی قلعہ بہت مضبوط تھا۔ لوگ کچھ پریشان ہوئے۔ اکثر لوگوں نے ایسا اچھا خواب دیکھا کہ سب کے سب خوش ہو گئے۔ ایک مُرید نے حضرت شیخؒ کو گھوڑے پر سوار ہوکر، قلعے میں جا کر کافروں کو شکست دیتے ہوئے دیکھا۔ اُسی روز لشکرِ اسلام نے قلعہ فتح کرلیا۔ اکثر کفار قتل ہوگئے اور باقیوں کو

قید کرلیا گیا۔ جب کافروں سے اس شکست کی وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے بتایا کہ ہمیں یوں لگا تھا جیسے یہ پہاڑ اور یہ قلعہ ہم پر اُلٹایا جا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر ہم حوصلہ ہار گئے اور خود بخود ہی شکست کھا بیٹھے۔

اِسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی ہے جس میں آپؒ نے شاہجہان بادشاہ، بہادر خان، شمس خان اور عالم خان کی مدد فرمائی تھی۔ اس کی تفصیل دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی۔ ہم یہاں اِسی اشارے پر اکتفا کرتے ہیں۔

کرامت:

شیخ نور محمدؒ راوی ہیں کہ ایک دن حضرت شیخؒ نے ایک درویش کو سلسلے کی خلافت واجازت عطا فرمائی۔ مَیں اُس شخص کے حالات سے آگاہ تھا اور جانتا تھا کہ وہ ابھی اس قابل نہیں ہے۔ مجھے خیال آیا کہ مشائخؒ نے اِس سلسلے میں بہت کڑی شرائط مقرر فرمائی ہیں اور خود حضرتؒ بھی اس بارے میں بہت احتیاط کرتے ہیں پھر نجانے اس معاملے میں کیا حکمت ہے؟ اسی لمحے حضرتؒ نے ارشاد فرمایا: ''جی ہاں! یہ شخص ابھی خلافت کا مستحق نہیں ہے لیکن میری فراست کہتی ہے کہ اس میں یہ اہلیت پیدا ہو جائے گی۔ اس وقت اس کا خیال ہے کہ وطن واپس جا کر لوگوں کو سلسلۂ نقشبندیہ کی طرف راغب کرے گا۔ مَیں نے اِسے اجازت دے کر کسی حد تک پابند کرلیا ہے تا کہ کہیں یہ شیطان کے فریب میں نہ آ جائے۔ اِسی لیے مَیں نے اس پر سخت شرائط بھی عائد کردی ہیں۔ اب اگر اِس سے کسی کو فیض پہنچے گا تو وہ خواجگانؒ کا فیضان ہوگا۔ جو کام مشائخ کی اجازت سے کیا جاتا ہے، اُس کا انجام اچھا ہوتا ہے''۔

شیخ نور محمدؒ کی بیان کردہ روایات ختم ہوگئیں۔ ان کی باقی روایات، کرامات کے باب میں درج کی گئی ہیں اور ناچیز نے ہر روایت کے ساتھ، وضاحت اور فائدے کے لیے کچھ تشریحسیں بھی کر دی ہیں۔

ایک بار مَیں نے خواجہ نور محمدؒ سے کہا: ''حضرت شیخؒ کے بعد اکثر ساتھیوں کی توجہ آپ ہی کی طرف جاتی ہے اور آپ میں پیرومرشد بننے کی تمام صلاحیتیں بھی موجود ہیں۔ مزید یہ کہ آپ پیرزادہ بھی ہیں، قبیلے والے بھی ہیں اور علم، عرفان، احوال اور سخاوت جیسی صفات سے بھی آراستہ ہیں اور یہ صفات، شیخ بننے کے لیے ضروری ہیں''۔ فرمانے لگے: ''آپ میں زیادہ صلاحیت ہے''۔ مَیں نے کہا: ''نہیں، آپ کے لیے شیخ بننا زیادہ ضروری ہے''۔ کہنے لگے: ''حضرت پیرومرشدؒ نے مجھے ایک خط میں لکھا تھا کہ برادرم نور محمد جان لیں کہ اُن کے لیے کچھ عرصہ ریاضت اور خلوت میں رہنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ وہ اُس کمال تک پہنچ جائیں جس کی توقع رکھتے ہیں''۔ مَیں نے کہا: ''حضرت شیخؒ کے لکھے ہوئے کو تو کئی سال گزر چکے ہیں''۔ فرمایا: ''جانے دیجیے ہمارے لیے گوشہ نشینی اور خاموشی ہی میں سلامتی ہے۔ پیری مُریدی کی دکانداری میں کئی مسائل اور مصیبتیں ہوتی ہیں اور ان سے بچ نکلنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی''۔ شاید شیخ نور محمدؒ کی یہ بات الہامی تھی جس نے مجھ پر بھی اثر ڈالا اور مَیں نے بھی غریب الوطنی اور خاموشی کو ترجیح دی۔

جیسا کہ شیخ نور محمدؒ کی بات سے واضح ہے، آج کل کے زمانے میں پیری مُریدی کا کاروبار ریاکاری، تکلف، تجسس، میل جول، دلداری اور تصرف کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ مال و دولت، فضول خرچی، کرامت نمائی اور لوگوں پر زیادہ توجہ دیے بغیر یہ کام نہیں چلتا۔ علم، عمل، زُہد، تقویٰ اور شریعت کی پابندی کو تو بزرگی سمجھا ہی نہیں جاتا۔ یہ لوگ معرفت، قلبی حضوری

اور باطنی تصرف کو تو ولایت ہی نہیں سمجھتے۔ ایسے جاہلوں کی صحبت سے تو گوشہ نشینی ہی بھلی۔ ہاں اگر کسی شہر میں اور کوئی ایسا آدمی نہ ہو اور لوگ اُس کی راہنمائی کے صحیح معنوں میں محتاج ہوں تو ایسی حالت میں یہ کام بھی مجاہدے اور ریاضت میں شمار ہوگا۔ ان حالات میں تو اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

میرے نزدیک شیخ بننے کے لیے چھ چیزیں ضروری ہوتی ہیں: بات چیت کا فن، کیفیت، دولت، تقویٰ، مرتبہ اور سخاوت۔ اِن چھ ارکان کے بغیر دنیا یا آخرت میں مرتبۂ ارشاد کا حصول ممکن نہیں ہے، الا ماشاء اللہ۔

شیخ محمد پاک پتنیؒ:

حضرت سید آدم بنوریؒ کے پُرانے اور بزرگ خُلفاء میں سے تھے۔ مشہور ہے کہ آپؒ بڑے عجیب وغریب حالات سے گزرے تھے۔ سادگی، والہانہ پن، استغناء اور انکساری میں بے مثال تھے۔ شیخؒ نے مکتوبات میں آپؒ کی انھی صفات کی تعریف کی ہے۔ آپؒ مشائخ کی اولاد تھے اور پاک پتن شریف کے رہنے والے تھے۔ شروع میں سلسلۂ سہروردیہ سے وابستہ تھے، بعد میں قادری سلسلے میں حضرت شیخ موسیٰؒ سے فیض پایا اور ذکرِ جہر میں کمال حاصل کیا۔ آپؒ کے رُوحانی مرتبے میں بڑی ترقی ہوئی۔ آپؒ بہت سے مشائخ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ بعد ازاں حاجی شاہ محمد سامانیؒ کی صحبت میں رہے۔ حضرت سامانیؒ بھی حضرت شیخ آدمؒ کے خلیفے تھے۔

کچھ عرصہ حضرت شاہ محمد سامانیؒ کی خدمت میں رہ کر رخصت ہوئے۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ ہاتفِ غیبی نے تین بار آواز دی: ''کہاں جاتے ہو؟ اللہ کے طالب ہو

تو شاہ محمدؒ سے بہتر کوئی راہنما نہیں پاؤ گے"۔ آپؒ بیان فرماتے تھے کہ یہ سُن کر مجھ سے ایک قدم بھی نہ چلا گیا۔ آخر مَیں واپس حضرت شاہ محمدؒ کی خدمت میں چلا گیا۔ انھوں نے بہت نوازشات کیں۔ مجھے چین ہی نہیں پڑتا تھا۔ طلب اور عشق بڑھتا جا رہا تھا۔ ایک دن مجھے کسی دریچے میں کوئی چہرہ دِکھائی دیا۔ مَیں اُس کے عشق میں مُبتلا ہوگیا۔ محبت تھی کہ روز بہ روز بڑھتی ہی جاتی تھی۔ بیس دن کے بعد حضرت شاہ محمدؒ نے مجھے حضرت سید آدم بنوریؒ کی خدمت میں بھیج دیا۔

حضرت شیخؒ نے ازراہِ محبت مجھے گلے سے لگا لیا۔ کچھ دیر خاموش رہے اور پھر ساتھیوں سے ارشاد فرمایا: "اچھا طالبِ صادق آیا ہے"۔ پھر آپؒ نے روٹی اور حلوا منگوایا اور فرمایا: "دوستوں کے ساتھ حلوا کھائیں تاکہ قیامت کے دن ان کے ساتھ شیرینی عطا ہو"۔ حضرت شیخؒ کو دیکھتے ہی آپؒ کی محبت نے مجھ پر اتنا غلبہ کیا کہ مَیں اپنے آپ کو حضرتؒ کی ذات میں فنا دیکھتا تھا۔ مجھے یوں لگتا تھا جیسے ہم یک جان، دو قالب ہیں۔ اس کے بعد حضرتؒ نے میرا نام پوچھا۔ مَیں نے عرض کیا: "محمد" آپؒ نے فرمایا: "شیخ محمد!" پھر وطن دریافت کیا تو مَیں نے بتایا: "بابا فریدؒ کا پٹن" فرمانے لگے: "وہاں بھلا تمھارے جیسے لوگ کیسے پیدا نہ ہوں!"

پہلی حاضری ہی میں مجھے اپنے آپ میں ذکرِ قلبی کے آثار محسوس ہوئے لیکن مَیں پوری طرح اس کیفیت کو سمجھ نہ سکا۔ بعد میں حضرتؒ نے استخارہ کیا اور فرمایا: "بڑی عمدہ بشارت ملی ہے!" پھر آپؒ نے مجھے خلوت میں طلب کر کے کمال توجہ سے تلقین فرمائی۔ مَیں ذکرِ قلبی کی لذت سے آشنا ہوگیا اور مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا: "ساتھیوں کے لیے دعا کرو کیونکہ ایسی گھڑی میں دعا قبول ہوتی ہے"۔

مَیں نے عصر سے عشاء تک مراقبہ کیا۔ عجیب سرمستی چھائی ہوئی تھی۔ نماز کے لیے آگاہ کیا گیا اور پھر وہی کیفیت طاری ہوگئی۔ مجھے لگتا تھا کہ ذرہ ذرہ ذکر کر رہا ہے۔ ایک سال کے بعد ''سُلطانِ ذکر'' تک رسائی ہوگئی۔ اس کے بعد نُور کی تجلّی کا ظہور ہوا۔ چودھویں کا چاند سامنے ظاہر ہو جاتا تھا اور مجھے اُس میں اپنا عکس دِکھائی دیتا تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ یہ اللہ کا نُور ہے۔ پھر میں اُس نُور میں فنا ہوگیا اور عینِ نُور بن گیا۔ اس کیفیت کے دوران حضرت شیخؒ نے میرے متعلق ساتھیوں سے فرمایا: ''اسے کہیں چھپا دیجیے اور اس سے بات نہ کیجیے کیونکہ جو کچھ اس کے مُنہ سے نکل گیا، وہ ہو جائے گا''۔ پھر آپؒ نے ایک خادم کو کہا کہ: ''آک کی جڑیں لا کر اِسے کھلاؤ تاکہ یہ کیفیت زائل ہو جائے''۔ آک کی جڑیں کِھلائی گئیں لیکن مجھے کچھ بھی پتہ نہ چلا۔ آہستہ آہستہ اس حالت میں ترقی ہوتی گئی اور مجھے اپنے اجزا الگ الگ محسوس ہونے لگے۔ جیسے کچھوا پہلے گول مٹول سا ہوتا ہے اور جب چلتا ہے تو سر اور ٹانگیں نکل آتی ہیں۔

بعد ازاں حضرت شیخؒ کی توجہ سے مَیں عالَم ناسوت میں پہنچا۔ مَیں نے اپنے علم اور مشاہدے کو دونوں جہانوں سے وسیع تر پایا۔ مَیں نے جان لیا کہ یہی وُجود ہے جو موجد ہے۔ اس کے بعد ایک بار حافظ رخنہ کے باغ میں حضرت شیخؒ نماز تہجد میں سورۂ بقرہ کی تلاوت فرما رہے تھے، مَیں بھی پاس ہی بیٹھا تھا۔ اچانک برقی تجلّی ظاہر ہوئی اور حضرت شیخؒ کی جانب سے نُور سا چمکا۔ مَیں ڈر گیا۔ حضرتؒ نے فرمایا: ''خبردار رہنا، یہ تمہارے مراتبِ نوریہ کا ظہور ہے''۔ پھر مختلف تجلّیات کی صورت میں عرش، کرسی، لوح، قلم، جنت اور دوزخ کا الگ الگ مشاہدہ ہوا۔ حضرت نے فرمایا: ''انھیں اللہ کی ذات نہ سمجھنا کیونکہ اُس کی ذات اِن سب سے منزّہ ہے۔ یہ سب تمہارے مراتب نوریہ کا ظہور ہے''۔ اس کے

بعد تجلیِ رُوح کا مشاہدہ ہوا جو پوری کائنات کو محیط تھی اور چیزیں اُسی کی بدولت موجود تھیں۔ اِس کے بعد دہریہ مذہب کا ظہور ہوا۔ مَیں حضرت شیخ ؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؒ نے اس کیفیت پر اعتراض کیا۔ مجھ میں سرمستی کے ساتھ ساتھ تبدیلی پیدا ہوتی گئی۔ مجھ پر اللہ کی ہستی کا حقیقی ظہور ہوا اور اشیاء کی فنا پذیری واضح ہو گئی۔ حضرت شیخ ؒ نے اِس حالت کو بہت پسند فرمایا، تعریف کی اور کہا: ''ہم آپ کے معاملے میں سُرخرو ہو گئے ہیں کہ آپ نے بقائے الٰہی اور فنائے ماسوا دیکھ کر شرعی عقیدہ پختہ کر لیا ہے''۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ عرفانی منزلیں، علمِ لدُنی اور اشیاء کی حقیقتوں کا ظہور ہونے لگا اور بہت سی کیفیتیں، تجلّیات اور مشاہدے ہوئے، جن کی تفصیل بہت طویل ہے۔

قبض اور بسط کا سلسلہ بھی یکے بعد دیگرے جاری رہا۔ قبض کے بعد بسط کا بڑا خوشگوار ظہور ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ ساری کیفیتیں مستقل ہو گئیں۔ حضرت شیخ ؒ نے کرم فرمایا اور مجھے اپنے سامنے مریدوں کو تلقین و ارشاد کا حکم دیا۔ کچھ عرصے کے بعد آپؒ نے کُلاہ اور خرقہ عطا کر کے باقاعدہ خلافت و اجازت سے سرفراز کیا اور مجھے ''خادم محمد'' کا لقب دے کر اپنے وطن روانہ کر دیا۔

جب مَیں سُلطان پور پہنچا تو مُلّا نور محمد، مُلّا یار علی، مُلّا ابراہیم اور دیگر طالبعلموں کا ایک گروہ، جو مُلّا بدرالدّین کے پاس پڑھتے تھے، اسباق چھوڑ کر میرے پاس آئے اور مجھ سے حضرت شیخ ؒ کے بارے میں پوچھا۔ مَیں نے کچھ باتیں بیان کیں۔ سب نے راغب ہو کر میری صحبت اختیار کر لی۔ سب پر اکٹھے ہی کیفیات طاری ہو گئیں۔ یہ لذت چکھی تو سب نے علمِ ظاہری چھوڑ کر شغلِ باطنی اختیار کر لیا اور مراقبے اور خاموشی میں سرگرم ہو گئے۔ مُلّا بدرالدّین کو معلوم ہوا تو بہت پریشان ہوئے۔ اُنھوں نے اپنے شاگردوں کے نام خط

لکھا جس میں حصولِ علم کی ترغیب دی گئی تھی۔ اُن سب نے جواب میں لکھا: ''مولانا! آپ کی باتیں بجا ہیں لیکن ہم کیا کریں، سب بے اختیار ہو گئے ہیں۔ لکھے ہوئے سارے لفظ مٹے ہوئے لگتے ہیں''۔ آخرِ کار وہ سب بڑے ذوق وشوق سے بنور چلے گئے اور مَیں لاہور جا پہنچا۔ لاہور میں بھی بہت سے لوگوں نے روحانی فیض پایا۔ پھر مَیں ملتان گیا۔ وہاں بھی بہت سے لوگوں نے ارادت اختیار کی۔ مَیں جن لوگوں کو حضرت شیخؒ کی خدمت میں بھیجتا تھا، اُنھیں بہت فیوض و برکات حاصل ہوتی تھیں۔ جن شیخ نور محمدؒ کا ذکر کیا گیا ہے، اُن کی بدولت ہزاروں پٹھان نقشبندی ہوئے ہیں۔

پھر مَیں وطن پہنچ کر طالبانِ خدا کی خدمت کرنے لگا۔ بہت سے ساتھیوں نے مجھ سے استفادہ کیا۔ ان میں سے کچھ ساتھی خلافت پا کر سندھ کے علاقے میں رشد و ہدایت میں مشغول ہیں اور صاحبِ کمال ہیں۔ ان دوستوں کی بدولت سندھ کے علاقے میں حضرت شیخؒ کا فیضان بہت عام ہو گیا ہے۔ مَیں نے گیارہ سال خدمت میں گزارے اور کئی بار خوابوں میں حضرتؒ کی زیارت سے مشرف ہوا۔

کرامت:

جب آپؒ مجھے خلافت عطا کر کے رخصت کر رہے تھے تو مَیں نے عرض کیا: ''حضور! پھر کب زیارت ہو گی۔ یہ ناچیز انتہائے محبت میں خود کو آپؒ کے ساتھ یک جان، دو قالب پاتا ہے، ایسے میں حضرتؒ سے جُدا کیسے رہ سکتا ہے؟'' آپؒ نے ارشاد فرمایا: ''آپ ہم سے جُدا نہیں ہیں۔ اگر مَیں حجازِ مقدس گیا تو آپ کو بھی کھینچ لوں گا۔ اب اللہ کا حکم یہی ہے کہ آپ جائیں۔ آپ جائیں گے تو بہت سے لوگ آپ سے فیض پائیں گے''۔ آپؒ

کی اِسی بات سے کئی کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپؒ کی طرف سے رخصت ہو کر واقعی کئی ظاہری و باطنی اور دینی و دُنیوی فائدے حاصل ہوئے۔ دورانِ سفر ہزاروں لوگوں کو سلسلے کی طرف مائل کیا۔ پنجاب، لاہور، پشاور اور افغان قبائل کے تقریباً دس ہزار لوگ سلسلے میں داخل ہوئے۔ دوسری کرامت یہ ہے کہ آپؒ مکہ شریف پہنچے تو ناچیز کو بھی تیس برس کے بعد حرمین شریفین کی جانب کھینچ لیا۔ اس بیماری اور کمزوری میں کھینچے کھینچے لیے جاتے تھے۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو اِس بڑھاپے میں ایک منزل بھی طے نہ کرتا، لیکن آپؒ کی کشش کا کمال دیکھیے کہ مَیں ہزاروں میلوں کا سفر کر کے یہاں پہنچ گیا ہوں۔ ۱۰۷۶ھ میں یہ ناچیز صاحبزادہ محمد اولیاءؒ کے ساتھ بھی حج اور زیارت سے مشرف ہوا ہے۔ حرمین کی برکات اور زیارتوں کے مشاہدے بیان سے باہر ہیں۔ خاص طور پر حضرت شیخؒ نے اِتنی مہربانیاں اور عنایتیں کیں کہ ان سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی تفصیل علیحدگی میں بیان کروں گا۔

کرامت:

شیخ محمدؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت شیخؒ نے مجھے کسی کام کے لیے سفر پر روانہ کیا لیکن یہ نہ بتایا کہ مجھے کہاں اور کس کے پاس جانا ہے۔ مجھے بھی ایک منزل کا سفر کر لینے کے بعد خیال آیا کہ یہ تو معلوم ہی نہیں ہے کہ مَیں کس کام کے لیے اور کہاں چلا جاتا ہوں۔ اِسی فکر میں پریشان تھا کہ اچانک ایک شخص مل گیا۔ اُس نے ایک کاغذ پر لکھ دیا کہ فُلاں صاحب کے ہاں جا کر اُن سے حضرت شیخؒ کے صاحبزادے کے لیے رشتہ مانگو اور پھر فُلاں آدمی کے پاس جا کر آپؒ کے اخراجات کے لیے ایک سو روپیہ لے آؤ۔ مَیں وہ تحریر لے کر

چل پڑا۔لڑکی کے ماں باپ نے رشتہ دینے پر رضا مندی ظاہری کر دی۔اس کے بعد مَیں حاکم کے پاس گیا اور سو روپیہ لے کر جنگلوں میں سفر کرتا ہوا واپس روانہ ہوا۔شیروں اور چوروں سے بہت خطرہ تھا۔کچھ جگہوں پر ان سے واسطہ بھی پڑا لیکن اللہ کے فضل اور مرشد کی توجہ سے کوئی نقصان نہ پہنچا۔آٹھ دنوں کا سفر، تھوڑے دنوں میں طے کر کے مَیں حاضر خدمت ہو گیا۔آپؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ''مَیں آپ سے جُدا نہیں تھا۔جب آپ چوروں سے ڈر رہے تھے تو مَیں آپ کے ساتھ تھا۔جب دشمن نے آپ پر بندوق چلائی تو بھی مَیں آپ کے ہمراہ تھا۔میں پَل بھر بھی آپ سے الگ نہیں ہوا''مَیں نے عرض کیا: ''اگر آپؒ کو میرے ساتھ ہی رہنا تھا تو پھر آپؒ نے مجھے سفر کی صعوبت میں کیوں ڈالا؟ آپؒ خود ہی جا کر پیسے کیوں نہیں لے آئے؟'' آپؒ نے فرمایا: ''دیوانے نہ بنو۔اللہ کی سنّت اِسی طرح جاری ہے۔اسباب کی اِس دنیا میں ظاہری وسیلے کے بغیر کام نہیں ہوا کرتے۔اگر ہوں بھی تو بہت ہی شاذ و نادر ہوتے ہیں''۔

کرامت:

شیخ محمدؒ ہی بیان کرتے ہیں کہ مدینہ شریف میں حضرت شیخؒ کے وصال کے بعد، ہندوستان میں مجھے پیٹ کے شدید درد نے عاجز کر دیا۔مَیں نے بے بس ہو کر حضرتؒ کی بارگاہ میں التماس کی۔اچانک مجھ پر غشی سی طاری ہو گئی اور مَیں نے خواب میں دیکھا کہ آپؒ عرب ساتھیوں کے ہمراہ تشریف لائے ہیں اور میرے سر پر ہاتھ رکھا ہے۔تمام ساتھیوں نے عربی لباس پہنے ہوئے ہیں۔آپؒ نے مجھے حوصلہ دیا اور ایک پوٹلی طلب کی۔پوٹلی کُھلی تو مَیں نے دیکھا کہ اس میں حضرت شیخؒ کے کپڑوں کے ساتھ میرے کپڑے بھی

ہیں۔ مجھے بڑی کوفت ہوئی کہ حضرتؒ کے لباس کے ساتھ نجانے کس نے میرے کپڑے بھی باندھ دیے ہیں۔ حضرت شیخؒ کو فوراً اندازہ ہوگیا۔ آپؒ نے فرمایا: ''الجھنے کی کوئی بات نہیں۔ مَیں یہ پوٹلی آپ کے لیے لایا ہوں''۔ میں وہ پوٹلی پکڑتے ہی صحت یاب ہوگیا۔ اِس کے بعد آپؒ میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد میں گئے۔ نماز ادا کی اور فرمایا: ''اے شیخ محمد! فلاں شخص کو ہم جتنا بھی اپنانا چاہتے ہیں، وہ بیگانہ ہی رہتا ہے''۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ اس سے مراد وہ فتنہ تھا جو حضرت شیخؒ کے ساتھ تھا۔ اس نے بہت خرابی پھیلائی، یہاں تک کہ اللہ نے نیکی اور بھلائی اُس پر حرام کردی۔

شیخ محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد آپؒ نے مجھ سے مصافحہ کیا اور فرمایا: ''جس نے آپ سے مصافحہ کیا، اُس نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ مَیں نے پہلے بھی ایک بار ساتھیوں سے مصافحہ کیا ہے۔ اب دوسری بار کر رہا ہوں اور ایک بار اس کے بعد کروں گا۔ آپ میرے بیٹے محمد اولیاءؒ کے ساتھ بھی مصافحہ کریں گے''۔ اس بشارت کی خوشی میں مجھے افاقہ ہوگیا اور مَیں نے بہت سا کھانا پکوا کر تقسیم کیا۔ مَیں نے ساتھیوں کو یہ خواب سنایا تو سب خوش وخرم ہوگئے اور سبھی نے فقیر سے مصافحہ کیا اور کئی فوائد پائے۔

کرامت:

اِسی طرح مَیں ایک بار اور اتنا شدید بیمار ہوگیا کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ بے چارگی کی حالت میں، مَیں نے حضرت شیخؒ کی خدمت میں التجا کی۔ چنانچہ ایک رات مَیں نے خواب میں دیکھا کہ آپؒ تشریف لائے، مجھ سے بغلگیر ہوئے اور فرمایا: ''مَیں آپ کی خاطر مکہ سے آیا ہوں''۔ پھر آپؒ نے مجھے ایک مسواک عطا کرتے ہوئے کہا: ''مَیں نے یہ

مسواک آبِ زمزم سے تر کیا ہے''۔اس کے بعد آپؒ نے بہت سی باتیں کیں جن کی تفصیل بہت طویل ہے۔اِس مشاہدے سے مجھے آرام آ گیا۔

شیخ محمدؒ اِس طرح کی بہت سی کرامات بیان کرتے تھے، مَیں نے سب کو نقل کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

کرامت:

شیخ محمدؒ ہی سے روایت ہے کہ حضرت شیخؒ کا ایک درویش اللہ یار پوربی بہت قابلِ اعتبار اور سچا آدمی تھا۔وہ بیان کرتا تھا کہ مَیں ایک بار حضرتؒ کے ساتھ باہر جنگل کی طرف گیا۔آپؒ رفعِ حاجت کے لیے ذرا دُور جا کر ایک چھوٹے سے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔مجھے دُور سے آپؒ کی پگڑی دِکھائی دیتی رہی۔اچانک مَیں نے دیکھا کہ آپؒ غائب ہو گئے ہیں۔مَیں خوفزدہ ہو کر اِدھر اُدھر بہت دوڑا۔آپؒ کو درخت کے آس پاس تلاش کیا مگر بے سُود۔پریشانی کے عالم میں آپؒ کو ڈھونڈنے کے لیے آگے جانا چاہتا تھا کہ اِسی اثنا میں آپؒ اُسی درخت کے نیچے ظاہر ہو گئے۔مَیں نے ساری داستان سُنائی اور اپنی حیرانی کا ذکر بھی کیا۔آپؒ مُسکرا دیے۔مَیں نے عرض کیا:''یا حضرت! یوں غائب ہو جانے کی وجہ بیان فرمایئے ورنہ حیرت پر حیرت بڑھتی رہے گی''؟ آپؒ نے فرمایا:''کسی سے ذکر نہیں کرو گے تو بتاتا ہوں''۔مَیں نے کہا''کسی کو نہیں بتاؤں گا''۔آپؒ نے فرمایا:''میرے ذمے کئی کام ہوتے ہیں۔ابھی ایک شخص شاہ جہان بادشاہ کو زہر کھلانا چاہتا تھا۔مَیں وہ زہر کا پیالہ توڑنے گیا تھا اور اسے توڑ کر واپس آیا ہوں۔یہ میری ڈیوٹی تھی''۔

مصنف کہتا ہے کہ شیخ محمد پاک پتنیؒ گاہے بگاہے مسجد الحرام میں فقیر کے پاس

آتے، کئی بشارتیں دیتے، حوصلہ افزائی فرماتے اور معرفت کے بھید بیان کرتے۔ اُن کے پاس حضرت شیخؒ کے مناقب کا اِتنا ذخیرہ تھا کہ اگر ہم اسے لکھ لیتے تو کئی دفتر بن جاتے۔ مَیں نے اُن کی موجودگی میں جو کچھ لکھ لیا تھا، صرف اُسی تحریر کو کتاب میں شامل کر رہا ہوں۔ اس سلسلے میں مَیں نے عبارت آرائی نہیں کی کہ فضول سا کام ہے۔ جو کچھ مَیں نے شیخ محمدؒ کی عدم موجودگی میں لکھا، اُسے کتاب میں شامل نہیں کیا۔ بعد میں ایک بار اتفاقاً میں حضرت شیخؒ کے مکتوبات پڑھ رہا تھا۔ اُن میں سے دو خط شیخ محمدؒ کے باطنی کمال کی نشاندہی کرتے تھے۔ چنانچہ مَیں نے اختصار سے انہیں نقل کر لیا:

حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں: ''جو شخص بھی ہم سے ارادت و محبت رکھتا ہے اُس کے لیے مناسب ہے کہ وہ میرے رُوحانی بھائی شیخ محمدؒ سے شغلِ قلبی، سلوکِ باطنی اور ذکرِ الٰہی کے سلسلے میں استفادہ کرے۔ حال اور مستقبل سے غافل نہ ہو کیونکہ وقت تو گزرتا جاتا ہے۔ امید ہے کہ ان سے استفادہ کر کے طالب کو قُربِ الٰہی حاصل ہو جائے گا کیونکہ اولیائے کرامؒ کے ارشاد کے مطابق، طریقت سے وابستہ ہو کر صفائے قلب اور تزکیہء نفس کے لیے جو کوشش بھی کی جائے گی، وہ نتیجہ خیز ہو گی۔ اسے مقربین کے اعمال میں شامل سمجھا جائے گا۔ وابستگی کے بغیر ایسے تمام کام اعمالِ ابرار میں شامل ہوں گے۔ مشہور ہے کہ نیک لوگوں کی نیکیاں، مقربین کے لیے گناہ ہوتی ہیں''۔

دوسرے خط میں لکھا ہے: ''آپ نے صاحب توفیق بھائی شیخ یار محمدؒ کو بُلا بھیجا ہے۔ وہ ابھی رخصت نہیں ہونا چاہتے۔ معرفت کے بعض حقائق میں مزید استفادہ چاہتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ استفادے کی تکمیل کر لیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ دوبارہ کب ملاقات ہو گی۔ آپؒ نے اُن کے والہانہ پن، بے نیازی اور عاجزی و انکساری کے بارے

میں سُنا ہوگا کہ انھوں نے نفسانی عزت اور شیطانی غرور سے پیدا ہونے والا ظاہری پُر تکلف انداز کس طرح ترک کر دیا ہے اور کتنے عزم سے اس باطنی راستے پر گامزن ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب مُریدوں کو ایسی سچی لگن عطا فرمائے بلکہ اس سے بھی زیادہ جذبہ بخشے۔ افسوس کہ آپ جیسے نیک آدمی نے اِتنے عرصے میں ان کی صحبت سے استفادہ نہیں کیا۔ ان سے احوالِ باطن اور تصفیۂ قلبی سیکھے۔ اس سے سعادتِ عُظمیٰ کا حصول ہوگا اس سلسلے میں سستی نہ کیجئے گا جو وقت شغلِ باطنی اور اللہ کے مقربین کی شناخت میں گزر جائے، وہی غنیمت ہے۔ ان سے جو کچھ بھی حاصل ہوگا، اُسے ہماری ہی طرف سے جانیے گا"۔

شیخ محمد شریف شاہ آبادیؒ:

آپؒ حضرت سید آدم بنوریؒ کے بڑے خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ تصوف کے اسرار و رموز کے بیان، درویشی کی سرمستی اور ظاہری و باطنی ترک میں آپؒ اپنے پیر و مرشد سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض ساتھیوں کا خیال تھا کہ حضرت شیخؒ کے بعد حضرت شاہ آبادیؒ جیسا کامل انسان کم ہی ہوگا۔ بلکہ اکثر احباب کی رائے یہ تھی کہ حضرت شیخؒ کے مخصوص حقائق و معارف کو سب سے بہتر جاننے والے آپؒ ہی تھے۔ ہزاروں لوگ آپؒ کے دامنِ طریقت سے وابستہ ہوئے۔ آپؒ نے حضرت شیخؒ کی تصانیف سے شایانِ شان استفادہ کیا۔ اُن کے قلمی نسخوں کا تقابلی مطالعہ کر کے، صحیح طور پر انھیں تحریر کیا۔ حضرت شیخؒ بھی اکثر و بیشتر آپؒ ہی کو حاضر یا غائب مُریدوں کی تربیت کے لیے بھیجتے تھے۔ اکثر اپنے صاحبزادوں کو بھی اُن کے پاس لے جاتے تھے اور آپؒ کے علم و فضل اور عاجزی و انکساری کی بہت تعریف فرماتے تھے۔

حضرت شیخؒ نے شمس خان مرحوم کے نام اپنے خط میں تحریر فرمایا ہے: ''اور اپنے رُوحانی بھائیوں شیخ محمد شریفؒ اور شیخ حامدؒ کو آپ کی تربیت کے لیے بھیجا ہے۔ یہ دونوں حضرات میرے پُرانے ساتھیوں میں سے ہیں۔ یہ دونوں اپنے مقام کو چُھپا کر رکھنے کے عادی ہیں اور کوئی عالی فطرت شخص ہی ان کے مرتبے سے آگاہ ہوسکتا ہے۔ یہ آپ کے پاس پہنچ جائیں تو محض ان کی زیارت کرنا بھی غنیمت ہے۔ آپ خلوص وعقیدت سے ان حضرات سے تلقین لیجیے گا۔ عقیدت واخلاص رکھنے والا کوئی طالبِ صادق مجھ سے بیعت کرنے کا خواہشمند ہو تو اُسے مذکورہ حضرات کی خدمت میں پہنچا دیجیے گا کیونکہ ان سے بیعت کرنا درحقیقت مجھی سے بیعت کرنا ہے''۔ شیخؒ کا مکتوب مکمل ہوا۔

شیخ محمد شریفؒ دوبار حرمین حاضر ہوئے۔ کئی بار حج، زیارت اور مشاہدہ وبرکات سے سرفراز ہوئے۔ اس کی تفصیل لکھنے لگوں تو کئی دفتر بن جائیں گے۔ آپؒ دو سال میرے ساتھ ایک ہی گھر میں مقیم رہے اور پانچ سال میرے پڑوسی رہے۔ مَیں نے ان میں کوئی خلافِ ادب یا ناپسندیدہ بات نہیں دیکھی۔ آپؒ عالمِ باعمل، معرفت میں کامل، ارادت میں سچے، محبت میں پکے اور صحبتوں میں استقامت کی تلقین کرنے والے تھے۔ آپؒ عُمدہ صفتوں اور نیک عادات کا مجموعہ تھے۔ آپؒ نے اِن کتابوں اور رسالوں کی تصنیف اور اِن مناقب وفضائل کی تصحیح ونقل میں میری بہت مدد فرمائی۔ آپؒ شریعت و طریقت کے باریک مسائل اتنی عُمدگی سے بیان کرنے پر قادر تھے کہ علمائے زمانہ حیران رہ جایا کرتے تھے۔ اگر آپؒ پیری مریدی کا باقاعدہ سلسلہ شروع کرتے تو زمانے بھر کو مُرید بنا لیتے، لیکن آپؒ اپنے آپ کو چھپا کر رکھتے تھے اور زیادہ تر گوشہ نشین رہتے تھے۔

مَیں نے ان سے بہت کہا کہ کئی ساتھیوں نے اپنے حالات لکھ کر دیے ہیں،

آپؒ بھی اپنے کچھ حالات تحریر فرمایئے لیکن آپؒ انکار کرتے رہے۔ آخر دس برس کے بعد آپؒ نے حضرت شیخؒ کے کچھ مناقب لکھ کر ارسال کیے۔ ان میں بھی اپنے حالات و واقعات کم ہی لکھے ہیں۔

اگر مَیں باتیں بناتا اور لاف زنی کرتا تو آپؒ کی تعریف میں کئی کتابیں لکھ دیتا لیکن بخدا مَیں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں بڑھایا۔ عادل اور معتبر ساتھیوں نے جو کچھ لکھ بھیجا، مَیں نے اسی کو مختصراً لکھ دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جو شخص بھی فضول بولتا یا لکھتا ہے، وہی اس کا ذمہ دار بھی ہوتا ہے۔ اس لیے مَیں نے صرف ضروری باتیں لکھنا ہی مناسب سمجھا ہے۔ مَیں نے رسمی عبارت آرائی اور انشا پردازی سے بچنے کی کوشش کی ہے کیونکہ یہ چیزیں لغویات میں سے ہیں۔ اگرچہ طالبانِ طریقت کی ترغیب کے لیے سالکوں کے احوال کا ذکر جائز سمجھا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات، انبیائے کرامؑ کے معجزات کی طرح ہیں اور تحدیثِ نعمت، طالبوں کی ترغیب اور محبت بڑھانے کی نیّت سے ان کا بیان عبادت ہے۔

شیخ محمد شریف شاہ آبادیؒ ایسے مقبولانِ بارگاہ میں سے تھے جن کی اچھائیاں مرتے دَم تک ظاہر ہوتی رہیں۔ جب تک ہمت رہی، ہر سال حج و زیارت کرتے رہے۔ کمزوری غالب آ گئی تو مدینہ منورہ میں رہائش اختیار کر کے طالبانِ حقیقت کی تربیت کرتے رہے اور بہت قبولیت اور بشارتیں پائیں۔ ایک سال پہلے آپؒ کثرتِ عشق و ریاضت کی وجہ سے مجذوب ہو گئے تھے۔ جو کچھ بھی پاس تھا، سب لُٹا دیا۔ ایک پائی بھی بچا کر نہ رکھی۔ عاشقوں کی طرح بے اختیار ہو کر رات دن روضۂ رسول ﷺ کے سامنے مراقبہ و محویّت میں پڑے رہتے تھے۔ سجدوں پر سجدے کرتے رہتے یا زمین چُومتے رہا کرتے تھے۔ عقیدت

مندزبردستی گھر لے جاتے تو تھوڑی دیر بعد پھر واپس آجاتے۔

یہ حالت طاری ہونے سے پہلے فرمایا کرتے تھے: ''ساتھیو! میرا خیال رکھنا۔ مجھ پر جذب وجنون طاری ہو جائے گا۔ مَیں نے لوگوں سے بڑی بڑی تکلیفیں اُٹھائی ہیں''۔ جذب کی اس حالت میں بھی معرفت کی باتیں بیان فرمایا کرتے تھے۔ اُن کے حاضر باش خادم مکاشفے اور کرامات بیان کرتے ہیں۔ تصدیق ہو جانے پر نقل کروں گا۔ ایک سال اسی طرح گزارنے کے بعد منگل، ۱۵۔ ذی قعدہ ۱۰۷۹ھ کو وفات پا گئے۔ حضرت شیخؒ کے مزار کے قریب، شیخ جمال الدینؒ کی قبر سے ذرا مغرب کی طرف آپؒ کو دفن کیا گیا۔

اب میں آپؒ کی ارسال کردہ تحریر میں سے مختصراً کچھ روایات بعینہٖ نقل کرتا ہوں:

''جن دنوں مَیں حضرت سید آدم بنوریؒ کی خدمت میں زیرِ تربیت تھا، اُن دنوں مجھ پر زیادہ تر باطنی کُشائش کا غلبہ رہتا تھا۔ ایک دن باطنی انتشار اور بے کیفی محسوس ہوئی۔ مَیں نے بے چین ہو کر سفر کا ارادہ کر لیا تاکہ مجاہدہ وریاضت کا سلسلہ اَحسن طریقے سے چلتا رہے۔ چنانچہ مَیں نے حضرتؒ سے رخصت چاہی۔ آپؒ نے نوازش فرمائی اور مجھے علیحدگی میں بُلا کر، آغازِ کار میں تکمیل مدارج کے ظہور سے آگاہ فرمایا نیز اُن باتوں کا ذکر کیا جو ترقیِ درجات کا باعث بنتی ہیں۔ پھر آپؒ نے میرے حالات پُوچھ کر بہت حوصلہ افزائی کی اور فرمایا: ''جب آپ سفر سے واپس آئیں گے تو مزید بتایا جائے گا''۔

جب مَیں سفر پر نکلا تو بے چین ہو گیا۔ فیصلہ ہی نہیں ہو رہا تھا کہ سفر جاری رکھوں یا لوٹ جاؤں۔ اِسی پریشانی میں آنکھ لگ گئی۔ خواب میں ایک بزرگ کی زیارت ہوئی۔ اُنھوں نے فرمایا: ''واپس چلے جاؤ کہ اس سے بہتر صحبت اور کہیں نہیں ملے گی''۔ چنانچہ مَیں واپس چلا گیا اور پھر دو سال تک کہیں جانے کا خیال تک نہ آیا۔ مَیں صابر و شاکر اور راضی بہ

رضا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے منزلِ مقصود مل گئی اور اب دل میں اور کوئی خواہش ہی نہیں رہی۔

کرامت:

ایک بار مَیں سخت بیمار ہو کر زندگی سے مایوس ہو گیا۔ اِسی حالت میں حضرت شیخؒ تشریف لائے۔ آپؒ نے انتہائی لطف و کرم کیا اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر اپنا دایاں ہاتھ میرے سر، چہرے اور سینے پر مَلا۔ مَیں نے اپنے آپ میں تندرستی اور علم کا وفور محسوس کیا۔ یہ خصوصی علوم میرے حسبِ حال مجھ پر ظاہر ہوئے اور ان کی نوعیت ایسی تھی کہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ جنھیں اندازہ نہ ہو سکے وہ معاف فرما دیں اور جو اس لذت سے آشنا ہوں گے، وہ خود ہی جان لیں گے۔ اُسی رات مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ایک کمزور سے گھوڑے پر سوار ہو کر ایک خطرناک راستے پر چلا جا رہا ہوں۔ مارے خوف کے مجھ پر کپکپی طاری تھی کہ اِتنے میں دو گھڑ سوار ڈاکو آ گئے۔ اب تو میرے اوسان خطا ہو گئے۔ ساتھ ہی مَیں نے دیکھا کہ حضرت شیخؒ ایک مضبوط گھوڑے پر سوار ہو کر میرے ہمراہ چلے جا رہے ہیں۔ بظاہر کچھ لکھ کر مُریدوں کو ہدایت فرما رہے ہیں لیکن باطنی طور پر ظاہری و باطنی دشمنوں کا تدارک کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر خوف زائل ہو گیا اور میں مطمئن ہو گیا۔ اِسی طرح کئی بار میرا سانس رُک رُک گیا اور مَیں موت کے دہانے تک پہنچ گیا لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخؒ کی دُعا اور توجہ سے شفائے کاملہ عطا فرمائی۔

شیخ محمد شریفؒ لکھتے ہیں کہ ایک قابلِ اعتبار مُرید کا بیان ہے کہ جب میرے دل میں ارادت پیدا ہوئی تو مَیں نے چاہا کہ حضرت سید آدم بنوریؒ کے سلسلے میں بیعت کروں۔ چونکہ حضرتؒ کے خُلفاء کثیر تعداد میں تھے اِس لیے مَیں اِسی سوچ بچار میں تھا کہ

ان میں سے کس کا مُرید بنوں!

اِسی اُدھیڑ بُن میں تھا کہ ایک رات کو خواب میں حضرت شیخؒ کی زیارت ہوئی۔ آپؒ حضرت نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ چلے جاتے تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا: ''تم ہمارے سلسلے میں داخل ہونا چاہتے ہو؟'' مَیں نے کہا: ''جی حضور!'' آپؒ نے فرمایا: ''ہمارے ساتھیوں میں سے پیر محمدؒ اور محمد شریفؒ زیادہ مناسب ہیں لیکن محمد شریفؒ تو مدینہ شریف میں ہمارے پاس آ گیا ہے۔ تم پیر محمدؒ کے پاس چلے جاؤ۔ ہمارا سلام کہو اور تلقین پاؤ۔ نیز اُسے کہو کہ اپنے غلام پر ناراض نہ ہوا کرے، اُسے گالیاں نہ دیا کرے اور زرد چادر کا استعمال چھوڑ دے''۔ جب مَیں نے حضرت پیر محمدؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر تفصیل بیان کی تو آپؒ بہت خوش ہوئے اور مجھے بیعت کر لیا۔

کرامت:

لکھتے ہیں کہ ایک ساتھی نے اپنے حمام میں حضرت شیخؒ کو دعوت دی۔ وہ راوی ہے کہ آپؒ بہت سے مریدوں کو بھی ساتھ لے جانے لگے۔ مجھے خیال آیا کہ آپؒ کو اکیلا ہی لے جاؤں۔ درویشوں کی تو گنجائش ہی نہیں ہے۔ آپؒ فوراً اِس خیال سے آگاہ ہو گئے اور فرمایا: ''بھائی! بہت سے لوگ ہیں۔ آپ کو تکلیف ہو گی۔ پھر کبھی سہی''۔ مَیں تائب ہوا اور سبھی کو ساتھ لے جا کر خاطر تواضع کی اور بہت معافی مانگی۔

کرامت:

اُسی ساتھی کا بیان ہے کہ ایک رات کو مَیں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر ہمارا بیٹا پیدا ہوا تو مَیں حضرت شیخؒ کو کپڑے نذر کروں گا۔ بیٹا پیدا ہوا تو مَیں خوشی خوشی حضرتؒ کے

لیے کپڑے لے کر گیا۔ آپؒ نے بہت اعلیٰ نئے کپڑے پہن رکھے تھے۔ یہ دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ بھلا یہ غریبانہ کپڑے کہاں قبول ہوں گے۔ یہ خیال آتے ہی آپؒ نے مجھے فرمایا: ''ہمارا کپڑوں کا نذرانہ نکالو کہ ہم پہنیں۔ جب تم اپنی بیوی کے سامنے نذر مان رہے تھے تو اللہ نے تمھاری خواہش قبول کر کے مجھے آگاہ فرما دیا تھا''۔

کرامت:

شیخ محمد شریفؒ نے لکھا ہے کہ ایک درویش کا بیان ہے کہ مَیں مدینہ منورہ کے راستے میں، چاہِ مجنوں کے قریب قافلے سے بچھڑ گیا اور راستہ گم کر بیٹھا۔ مارے بھوک اور پیاس کے، مرنے کے قریب تھا۔ بے بسی کی حالت میں مَیں نے حضرت شیخؒ کی خدمت میں غائبانہ التجا کی۔ اچانک مَیں نے دیکھا کہ آپؒ ہی کی طرح کا ایک آدمی بہت دُور ایک ٹیلے پر کھڑا ہے۔ مَیں اُس طرف چل پڑا۔ ٹیلے پر پہنچا تو وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا۔ اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں تو قافلہ دِکھائی دیا۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ مَیں اس راہنمائی کو آپؒ ہی کی طفیل سمجھتا ہوں۔

شیخ محمد شریف مرحوم فرماتے تھے کہ سید عبدالرحمان کا بیان ہے کہ جن دنوں حضرت شیخؒ ہمارے ہاں قیام پذیر تھے، اُس زمانے میں ایک بار آپ محفل میں عرفانی باتیں بیان کر رہے تھے۔ مَیں آپؒ کی گفتگو کے دوران ہی محفل سے اُٹھ آیا۔ راستے میں مجھے ایک خوبصورت اجنبی عورت دکھائی دی۔ مَیں بے اختیار اُس کی طرف کھنچتا چلا گیا۔ اچانک مَیں نے دیکھا کہ میرے اور اُس عورت کے درمیان حضرت شیخؒ موجود ہیں۔ مَیں شرمندہ ہو کر جلدی جلدی واپس چلا گیا۔ دیکھا کہ آپؒ اُسی طرح بیٹھے ہوئے گفتگو کر

رہے تھے۔ آپؒ نے میری طرف توجہ نہ کی۔ ساری محفل پہلے ہی کی طرح تھی۔ اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

مصنف عرض کرتا ہے کہ اِسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی مشہور ہے کہ ایک طبیب، ایک خوبصورت مریضہ پر عاشق ہو گیا۔ ایک دن موقع پا کر وہ اپنی نفسانی خواہش پوری کر لینا چاہتا تھا کہ اِسی اثنا میں حضرت شیخؒ دِکھائی دینے لگے۔ آپؒ نے اسے سرزنش کی اور غائب ہو گئے۔ بعد میں آپؒ نے اُسے باقاعدہ توبہ کرائی۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ ابھی تک اپنی توبہ پر قائم ہے۔

شیخ محمد شریفؒ سے روایت ہے کہ دریا خان شاہ آبادی نے حضرت شیخؒ اور آپؒ کے تمام ساتھیوں کی دعوت کی اور انواع واقسام کے مشروبات اور کھانوں سے، انتہائی نیاز مندی سے تواضع کی۔ کھانے سے فارغ ہو کر دریا خان نے دست بستہ عرض کی کہ: ''یا حضرت! مدت سے بارش نہیں ہوئی۔ قحط سالی کی وجہ سے مخلوق جاں بہ لب ہے۔ آپؒ توجہ فرمائیں تو بارش کی سخت ضرورت ہے''۔ آپؒ نے کچھ دیر مراقبہ کر کے فرمایا: ''سامان وغیرہ جلد سمیٹ لو کہ بارش آیا ہی چاہتی ہے''۔ ابھی ساز وسامان اُٹھایا نہیں جا سکا تھا کہ خوب بارش ہوئی اور فصلیں اور جاندار سیراب ہو گئے۔ تمام حاضرین کی عقیدت میں یہ کرامت دیکھ کر اضافہ ہوا۔

ملفوظ:

ایک ہوشیار آدمی نے تحقیق اور امتحان کی غرض سے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک بار لوگ خشک سالی سے تنگ آ کر کسی فقیر کے پاس گئے اور بارش کی دُعا کی درخواست کی۔ اُس

درویش نے لوگوں کی تکلیف پر رحم کھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور کہا: ''یہ کنجوسی اور ظلم تم نے کس سے سیکھا ہے؟'' یہ کہتے ہی بارش ہونے لگی۔ یہ واقعہ سُن کر حاضرین کو تعجب ہوا۔ حضرت شیخؒ نے پوچھا کہ: '' اِس واقعے کا بھید جانتے ہو''؟ کہنے لگے: ''نہیں، آپؒ فرمایئے کیونکہ ہم تو حیرت میں کھو گئے ہیں''۔ آپؒ نے فرمایا: ''اللہ نے ہر خدمت کے لیے فرشتوں کو مؤکل بنا رکھا ہے۔ جب اُس درویش نے مخلوق پر رحم کھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو اُسے وہی فرشتہ نظر آیا جو بارش کا موکل ہے۔ چنانچہ اُس نے اُس فرشتے سے کہا کہ: ''یہ کنجوسی تم نے کس سے سیکھی ہے؟'' چون کہ وہ درویش اللہ کے ہاں مقبولوں میں سے تھا، اس لیے فرشتے نے بارش برسا دی''۔ اِس قول کا یہ حل سُن کر حاضرین حیرت اور تعجب کے بعد خوش ہو گئے اور بزرگوں کے کشف پر ایمان لے آئے۔

ملفوظ:

ایک دن حلال خوراک کی بات ہو رہی تھی۔ آپؒ نے اسی مناسبت سے بیان کیا کہ اللہ اپنی حفاظت میں نہ رکھے تو بندے کے لیے رزقِ حلال کا حصول بھی مشکل ہی ہے۔ ایک بار ایک شخص نے میری دعوت کی اور ایک طشت میں کھانا لا کر ہم دو آدمیوں کے سامنے لا رکھا۔ جب مَیں نے غور سے کھانے کو دیکھا تو اندازہ ہوا کہ جو کھانا میری طرف ہے، وہ حرام ہے، مجھے پریشانی ہوئی۔ اسے کھاؤں تو بُری بات ہے اور ساتھی کی طرف کر دوں تو اس سے بھی زیادہ بُری بات ہے۔ مَیں اِسی شش و پنج میں تھا کہ ایک شخص نے آ کر طشت کا رخ بدل دیا۔ یوں حلال کھانا میرے سامنے آ گیا۔ مَیں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اس کے حفظِ حقیقی کی دعا کی۔

شیخ محمد شریفؒ نے اپنے رسالے میں اِس طرح کی بہت سی روایات لکھی ہیں۔ سب کو لکھنا بہت طویل ہو جائے گا۔ اُن کا یہ عرفانی رسالہ خصوصی معارف کے بیان سے لبریز ہے۔

شیخ محمد جمال پشاوریؒ:

آپؒ، حضرت شیخؒ کے باکمال خلفاء میں سے ہیں۔ حرمین، لحساء اور نجد کے علاقے میں آپؒ کے بہت سے مریدین ہیں۔ آپؒ نے پیدل اور سواری پر کئی حج اور زیارات کی ہیں۔ آخر آپؒ مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے۔ وہاں بھی آپؒ نے خوب مقبولیت پائی۔ تلاوتِ قرآن کے دوران مرضِ موت میں مبتلا ہوئے۔ بقیہ قرآنِ کریم دوسروں سے پڑھوا کر سنا۔ ۲۵۔ جمادی الاوّل ۱۰۷۳ھ شبِ جمعہ کو وفات پائی۔ حضرت شیخؒ کے قدموں کی طرف دفن ہوئے۔

وفات سے پہلے آپؒ نے چہرے پر خوشبو لگائی۔ ساتھیوں سے الوداعی مصافحہ کیا۔ جو کچھ بھی موجود تھا، سب حاضرین میں تقسیم کر دیا اور بارگاہِ الٰہی میں حاضری کے لیے پوری طرح تیار ہو گئے۔ اپنی قبر کے لیے خود ہی جگہ منتخب کی اور اس انتخاب پر بہت خوش تھے۔ آپؒ کے مریدوں نے آپؒ کے بارے میں بہت سے مبارک خواب دیکھے۔ تفصیل مل گئی تو قلمبند کی جائے گی۔

مُلا محمد قاری نے اپنے رسالے میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت سید آدم بنوریؒ نے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ فارغ ہو کر آپؒ نے ساتھیوں سے فرمایا کہ اگر کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو تو بیان کرے۔ شیخ جمالؒ خاموش رہے۔ پھر حضرت

شیخ ؒ نے آپؒ سے دریافت کیا کہ: ''آپؒ نے کوئی خواب دیکھا ہے''؟ شیخ جمالؒ نے عرض کیا: ''اس کا ذکر بھی غیراللہ کے ذکر میں شمار ہوتا ہے!'' اس پر حضرت شیخؒ نے آپؒ کو خیر و برکت کی دعا دی اور فرمایا کہ طالب کو اِسی طرح ہونا چاہیے اور ماسوی اللہ کی طرف بالکل دھیان نہیں دینا چاہیے''۔ روایت مکمل ہوئی۔

فقیر کی رائے میں یہ بات شیخ محمد جمالؒ کے لیے مخصوص تھی کیونکہ اِس بات پر تو تمام اہلِ طریقت متفق ہیں کہ مُرید کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام حالات اور خواب اپنے پیر کو بیان کرے تاکہ پیرو مرشد اُن کی روشنی میں مُرید کی ترقی یا تنزل کا اندازہ لگائے اور اسے نفع و نقصان سے آگاہ کرے۔ مشائخ ؒ نے اِس کے بہت سے فائدے بیان کیے ہیں۔ یہ عمل سنتِ رسول ﷺ کے عین مطابق ہے۔ آنحضرت ﷺ بھی نماز کے بعد صحابہؓ سے فرماتے تھے کہ: ''مَنْ رآی مِنکُم رُؤیا فَلْیَقُصّھَا عَلَیَّ'' (تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے تو مجھے بتائے) اور صحابہ کرامؓ آنحضرت ﷺ کو بتایا کرتے۔ آپ ﷺ ان کی تعبیر میں عالمِ غیب کی باتیں بتاتے۔ جن میں کمزوری پائی جاتی تھی، اُن کا علاج کر کے اچھائی اور ترقی کے لیے تیار کیا کرتے تھے۔

خواب اور بشارتیں نبوت کی نشانیوں میں سے ہیں اور اس کا جزو ہیں لہٰذا یہی کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ بالا حکم شیخ محمد جمالؒ ہی کے لیے مخصوص تھا اور اُن کے علاوہ کسی اور شخص پر لاگو نہیں ہوتا۔

شیخ ؒ کی وفات والی رات کو کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ مسجد نبوی کا ایک ستون گر گیا ہے۔ اُسی رات کو اسے شیخؒ کی وفات کی خبر بھی مل گئی۔ شیخ محمد قاریؒ کا بیان ہے کہ ایک نیک آدمی نے مجھ سے کہا کہ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ بہت سے لوگ مسجد نبوی

میں جمع ہو کر مولود پڑھ رہے ہیں۔ مَیں نے پوچھا کہ: ''یہ مولود شریف کس کے لیے پڑھا جا رہا ہے؟'' جواب میں بتایا گیا: ''شیخ محمد جمالؒ کے لیے!''

مَیں خود شیخؒ کی تجہیز و تکفین میں شامل تھا اور تدفین کے لیے جنازے کے ساتھ بھی گیا تھا۔ جب ہم جنازہ لے کر جنت البقیع میں پہنچے تو ابھی قبر تیار نہیں ہوئی تھی۔ جنازہ کچھ دیر کے لیے حضرت عثمان غنیؓ کے مقبرے کے دروازے پر رکھ دیا گیا۔ تمام لوگ حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ مَیں نے غور سے دیکھا تو سب پر خاص کیفیات طاری تھیں۔ اسی اثناء میں بارانِ رحمت برسنے لگی جو دفن سے فارغ ہونے تک جاری رہی۔

شیخ محمد جمالؒ نے قرآنِ کریم اور نکاتُ الاسرار کا درس مجھ سے لیا تھا۔ شیخ محمد شریفؒ، شیخ نور محمدؒ اور شیخ یار محمدؒ کی صحبت میں بکثرت رہے۔ سید عبدالخالقؒ سے فقہ پڑھی۔ سید عبدالخالقؒ نے اُن سے طریقت میں اکتساب کیا۔ شیخ محمد جمالؒ بنور میں حضرت شیخؒ کے گھروں کی بہت زیادہ خدمت کیا کرتے۔ ایندھن اور پانی ڈھوتے اور فرماتے کہ ''مجھے جو کچھ بھی ملا ہے، خدمت ہی سے ملا ہے۔ ساتھیوں کو شیخؒ کی خصوصی مجلسوں میں فیوض و برکات ملتی تھیں اور مجھے مٹی اور چونا پکانے میں ہی نورانیت ملتی رہتی تھی''۔

افغانستان سے آ کر مرید ہونے والے پہلے شخص شیخ محمد جمالؒ ہی تھے۔ ان کے بعد شیخ نور محمدؒ اور یار علیؒ مرید ہوئے۔ اس کے بعد تو پٹھان لوگ فوج در فوج آ کر مرید ہونے لگے۔ اُن کے طفیل تقریباً دس ہزار پٹھانوں نے فیض پایا۔ اِس سے پہلے کوئی ایک پٹھان بھی نقشبندی نہ تھا۔ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ طریقت کے منکر تھے۔ خاص طور پر ان کے علماء اور فقہاء لوگوں کو صوفیائے کرامؒ سے بیعت ہونے سے سختی سے منع کرتے تھے۔ لیکن جب انوارِ ولایت چمکے اور آفتابِ ہدایت طلوع ہوا تو وہی لوگ عاشقوں کی طرح بے اختیار کھنچے

چلے آئے۔ چونکہ زیادہ تر سادہ اور صاف دل تھے، اس لیے انھیں خوب روحانی فائدے ہوئے۔

پٹھانوں کے بہت سے شیخ زادے بزرگی اور پیشوائی چھوڑ چھاڑ کر حضرت شیخ کی خدمت اور غلامی پر کمر بستہ ہو گئے۔ بعد میں یہی لوگ اپنے اپنے علاقے کے مخدوم و مرشد بن گئے۔ جیسا کہ شیخ فرید مرحوم اور شیخ عبداللہ کے حالات میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کے بعد پٹھانوں کے علماء داخلِ سلسلہ ہوئے مثلاً مُلا یوسف مرحوم اور مُلا عبدالکریم یوسف زئی۔ یہ لوگ پہلے پہل بحث مباحثہ کرتے رہے لیکن آخرِ کار بیعت ہو کر خلافت سے بہرہ یاب ہوئے۔ ان سب میں سے پہلے اور حقیقت میں ان سب کا وسیلہ شیخ جمالؒ ہی تھے۔

۱۰۶۰ھ میں فقیر کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہتے تھے۔ انھی دنوں لحسا اور بصرہ کے لوگوں نے بڑی منت سماجت کی کہ انھیں کسی شیخِ طریقت سے متعارف کرایا جائے جو ان کے ساتھ جا سکے۔ مَیں نے ان لوگوں کو برادرم شیخ جمالؒ سے ملوایا۔ وہ لوگ سواری اور اخراجات لے کر آئے اور انھیں ساتھ لے جانا چاہا۔ اِسی اثناء میں شیخ جمالؒ نے استخارہ کر کے مجھ سے کہا: ''ان دنوں میں جانا مشکل ہے!'' مَیں نے کہا: ''کیوں''؟ کہنے لگے: ''مَیں نے استخارے میں دیکھا ہے کہ کعبہ شریف نے میرے کپڑوں میں سے ایک دھاگا پکڑ رکھا ہے اور اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ مَیں جتنا بھی زور لگاتا ہوں، وہ باریک سا دھاگا ٹوٹنے میں ہی نہیں آتا''۔ مَیں بھی یہ سُن کر حیران اور خاموش ہو گیا۔

لحسا کے باشندے چونکہ مکمل تیاری کر چکے تھے، اِس لیے انھوں نے شیخؒ کو بادلِ ناخواستہ سوار کر لیا اور روانہ ہو گئے۔ ابھی ایک منزل کا سفر بھی نہیں کیا ہوگا کہ سواری کا اونٹ گر کر مَر گیا۔ ساز و سامان اور ساتھی بکھر گئے۔ شیخ جمالؒ نے موقع غنیمت جانا اور راتوں

رات مکہ شریف لوٹ آئے۔ اگلے سال لحسا کے حاجی دوبارہ آئے اور انھیں ساتھ لے گئے۔ اُس علاقے میں شیخ کا فیض بہت زیادہ پھیلا۔ لوگ چیونٹیوں کی طرح آ آ کر مرید ہوتے رہے۔ عقیدتمندوں نے طرح طرح کی جانی اور مالی خدمت کی اور فیوض و برکات سے سرفراز ہوئے۔

آپؒ لحسا، نجد اور حرمین میں قیام پذیر رہے۔ آپؒ کے مریدین ہر سال آ کر ساتھیوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ آخری حج کے بعد آپؒ حرمین کے علاوہ اور کہیں نہیں گئے۔ فرماتے تھے کہ راحت و سکون اِنھی مقامات پر ہے۔ باقی تمام جگہوں پر تو لوگوں کی بھیڑ بھاڑ بہت ہو جاتی ہے جیسا کہ شیخ تاج الدین نقشبندی مرحوم کہا کرتے تھے کہ: ''لذت اور اطمینان سب سے زیادہ مکہ میں ملا ہے۔ مَیں تیس برسوں سے مکہ میں ہوں اور لوگوں نے مجھ سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔ ایک بار مجھے یمن اور بصرہ جانے کا اتفاق ہوا۔ اتنے زیادہ لوگ آنے جانے لگے کہ مجھے بے کیفی محسوس ہونے لگی۔ آخر میں نے مکہ اور مدینہ ہی میں چین دیکھا اور وہاں سے نہ نکلا''۔

راقم الحروف کا کہنا ہے کہ یہ بات واقعی درست ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبے کو زیادہ برکت والا اور ہادی و مرشد فرمایا ہے اور: '' مُبَارَکاً وَھُدَیً لِّلعالَمین '' [۳/۹۶] (بابرکت اور تمام جہانوں کے لیے ہدایت) کہہ کر تعریف کی ہے۔ مناسب نہیں لگتا کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور کو ہادی و مرشد بنایا جائے۔ اگر مکہ شریف میں کعبے کے علاوہ کسی اور کو مرشد بنایا جائے تو وہ شخص رُشد و ہدایت میں کمال کو نہیں پہنچے گا۔ اُسے فائدہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ ایک دل کے لیے ایک ہی توجہ ضروری ہوتی ہے اور ہدایت پانے کے لیے توجہ کی یکسوئی شرط ہے۔ مکہ شریف میں کعبے کی زیارت اور اُسی کی طرف توجہ کی ضرورت ہوتی ہے

اور اُسی کے وسیلے سے رُوحانی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ کعبے کی ایک کرامت اور مکہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ طالب کی طلب ختم ہو جاتی ہے اور وہ غیر کی طلب سے منحرف ہو جاتا ہے۔ کعبہ اور مکہ، غیر کے طالبوں کو غیر ہی میں مبتلا کر دیتے ہیں اور دُنیا اور خرید و فروخت کی طرف راغب کر دیتے ہیں۔ لہٰذا حرمین میں کوئی طالب اور مرید نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا بھی ہے تو حرمین کے مالک کو کافی سمجھتا ہے اور غیر کی طرف دھیان نہیں دیتا۔ باقی لوگ یا تو دُنیا کے خریدار ہوتے ہیں، یا رزق کی طرف راغب ہوتے ہیں یا ہوس اور لغویات میں مشغول ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ تین بار حج کے لیے آئے لیکن آپؒ نے یہاں پیری مُریدی نہیں کی۔ حضرت غوثِ اعظمؒ اور شیخ ابنِ عربیؒ بھی برسوں یہاں رہے لیکن اُنھوں نے بھی لوگوں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کیا۔ مجددی حضرات نے اگرچہ لوگوں کو بیعت کیا لیکن درجۂ کمال تک نہیں پہنچایا۔ بلکہ شیخ محمد سعید فاروقیؒ نے تو اپنے مکاشفات میں لکھا ہے کہ طالبوں کی راہنمائی کے لیے کعبہ ہی کافی ہے۔ انھیں کسی اور کی راہنمائی کی ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال یہ دور ہی ایسا ہے کہ مریدوں میں بھی کمزوری آ گئی ہے اور مشائخ میں بھی ہدایت کے آثار کم سے کم تر ہوتے جاتے ہیں۔

اِس بات کی تائید ایک اور بات سے بھی ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ مکہ میں پیدا ہوئے لیکن اس شہر میں دفن نہ ہوئے؟ جواب یہی ہے کہ ایک دل، ایک ہی توجہ سے فیض پا سکتا ہے۔ اگر آنحضرت ﷺ کا روضۂ مبارک مکہ معظمہ میں ہوتا تو وہ پوری طرح ممتاز نہ ہوتا اور عقیدتمندوں کی توجہ کعبے اور مرقدِ نبوی ﷺ میں سے کسی ایک کی طرف پوری طرح مبذول نہ ہو پاتی۔ مدینے کے عاشقوں اور کعبے کے

عاشقوں میں امتیاز نہ کیا جا سکتا۔ حاجیوں اور زائروں کو الگ الگ ثواب نہ ملتا۔ دونوں جہانوں کا قبلہ بھی ایک ہے اور آقا و مولا ﷺ بھی ایک۔ سو بہ یک وقت دونوں طرف یکسوئی سے توجہ ممکن نہ ہوتی۔

فتوحاتِ مکیہ میں شیخ ابن عربیؒ کا ایک مکاشفہ بھی اِسی بات کی تائید کرتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ: ''کعبہ مجھ سے ناراض ہو گیا کہ تُم صوفیوں اور پیروں کو مجھ سے افضل قرار دیتے ہو، اللہ کی قسم مَیں تمھیں اپنا طواف نہیں کرنے دوں گا''۔ جیسا کہ مَیں نے اپنے رسالے ''المفاضلہ بین الانسان والکعبہ'' میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ میں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مکہ اور مدینہ میں قیام کے ابتدائی دور میں مَیں نے کئی لوگوں کو طریقت کی ترغیب دی۔ کافی لوگوں کو ذکرِ قلبی کی تلقین اور رُوحانی تعلیم و تربیت دی۔ لوگوں کو کافی فائدہ بھی ہوا لیکن بعضوں نے استقامت نہ دِکھائی، اِس نعمت کی بے قدری کی اور کہنے لگے کہ: ''قلب جاری ہونے کی وجہ سے ہم سو نہیں سکتے۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ہم پاگل ہی نہ ہو جائیں''۔ اور ایسی ہی بہت سی نامناسب باتیں کہتے تھے۔ ہر بات کا جواب مصنف کے حالات کے بیان میں دے دیا گیا ہے، جو عربی میں بھی ہے اور فارسی میں بھی۔ آج کل کے زمانے میں پیری مُریدی کا سلسلہ گفتگو، کیفیت اور جاہ و مرتبہ کے بغیر پوری طرح چل نہیں سکتا، اِس لیے یہ دُکانداری نہ ہی کی جائے تو اچھا ہے۔ خاص طور پر مکہ و مدینہ میں تو کسی کو یہ کام نہیں کرنا چاہیے، جب تک کہ اُسے خاص طور پر اِس کام کے لیے مقرر نہ کیا گیا ہو۔

نصیحت:

شیخ محمد جمالؒ کو نصیحت آموز ملفوظات بہت یاد تھے۔ آپؒ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت شیخ آدم بنوریؒ کبھی فرمایا کرتے تھے: ''ساتھیو! اپنے مسلمان بھائیوں کو غنیمت جانو۔ جہاں تک ممکن ہو انہیں فائدہ پہنچاؤ اور تکلیف دینے سے بچو کیونکہ دوسروں کو تکلیف دینا رُوحانیت کے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو کیونکہ بھائی چارے کا بہت زیادہ حق ہے۔ یقین رکھو کہ گزرا ہوا دن، آج نہیں ہے اور موجودہ دن آنے والے کل کو موجود نہیں ہوگا۔ دُنیا کی صورتِ حال دریا کی سی ہے جو رواں ہے۔ دیکھو کہ گڈریا گائیں اور بھیڑیں دریا میں ڈال دیتا ہے۔ تمام جانور اپنی اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق کوشش کر کے دریا عبور کرتے ہیں۔ بعض تیرتے ہوئے تیز تیز نکل جاتے ہیں اور بعض پیچھے رہ جاتے ہیں۔ بعض ڈوب کر مَر جاتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی مثال یہی ہے۔ آج اکٹھے ہو تو کل کو جدا ہو جاؤ گے۔ ایک دوسرے کی صحبت کو غنیمت جانو تا کہ بعد میں افسوس نہ کھاؤ''۔

مشو مغرورِ جمعیّت کہ شور انگیزی دوران
بہ ھرجا مجمعی بیند ، کُند آخر پریشانش

(ترجمہ) خوشحالی پر مغرور نہ ہو جاؤ کیونکہ زمانے کی شرانگیزی جہاں کہیں بھی کوئی محفل دیکھتی ہے، آخر اُسے درہم برہم کر کے چھوڑتی ہے۔

کرامت:

شیخ محمد جمالؒ ہی سے روایت ہے کہ جن مبارک دنوں میں حضرت شیخؒ کی صحبت میسر تھی اور مَیں آپؒ سے فیض پاتا تھا، اُنھی دنوں آپؒ اپنے والدِ ماجدؒ کے مزار کی زیارت کے لیے اکبر آباد گئے۔ وہاں پہنچے تو قبرستان کو ویران پایا۔ کچھ دیر حیرت زدہ رہے۔ پھر توجہ

کی اور پھر ایک کھیت میں ایک خاص جگہ بیٹھ کر فاتحہ اور دعائیں پڑھیں اور بشارتیں دیں۔ پھر ساتھیوں سے فرمایا: ''پتھر لایئے تاکہ قبر کی ظاہری صورت بنادی جائے''۔ ساتھی خدمت بجالانے لگے۔ ان میں سے ایک شخص کو خیال آیا کہ بھلا یہ کیا ہوا؟ جس قبر کا نشان کھیتی باڑی کی وجہ سے مِٹ گیا ہے، آپؒ اُسے خیالی کشف کی بنیاد پر تعمیر کرار ہے ہیں۔ کاشتکاروں کی فصل کا نقصان ہوگا۔ آپؒ فوراً اس خیال سے آگاہ ہو گئے، قبر کی تعمیر رُکوادی اور اُس ساتھی کو اشارۃً بھی تنبیہ کی اور واضح انداز میں بھی۔

شیخ محمد جمالؒ کے خلیفہ شیخ علی لحسائی آپؒ کی بہت سی کرامات بیان کرتے تھے۔ ایک یہ ہے کہ اُن کے قریبی علاقے میں کھاری پانی کا ایک کنواں تھا۔ شیخؒ نے اُس کا تھوڑا سا پانی منگوا کر دَم کیا اور کنوئیں میں ڈال دیا۔ اُس کنوئیں کا پانی میٹھا ہو گیا۔ دوسری کرامت یہ کہ آپؒ لحسا کے حاجیوں کے ساتھ حج کے لیے آرہے تھے۔ راستے میں ڈاکوؤں سے سامنا ہو گیا۔ آپؒ نے مٹھی بھر مٹی کچھ پڑھ کر اُن کی طرف پھینکی۔ ڈاکوؤں پر کوئی افتاد آن پڑی اور وہ آگے ہی نہ آئے۔ تیسری کرامت یہ ہے کہ ایک دو ماہ کی حاملہ اُونٹنی کا بچہ ضائع ہو گیا۔ عام طور پر ایسی اونٹنی دودھ نہیں دیتی۔ شیخ محمد جمالؒ کے حکم پر اس اونٹنی کو دوہا گیا تو اُس نے دودھ دینا شروع کر دیا اور اتنا دودھ دیا کہ تمام ساتھیوں نے سیر ہو کر پیا۔ چوتھی کرامت یہ ہے کہ آپؒ کے پاس ایک سادہ، عام سا لوٹا تھا۔ اُسی سے وضو کیا کرتے تھے۔ ایک بار خواب میں دیکھا کہ حضرت اویس قرنیؓ نے آپؒ سے وہ لوٹا مانگا اور آپؒ نے پیش کر دیا۔ بیدار ہوئے تو لوٹا موجود نہیں تھا۔

یہ درست ہے کہ نیک لوگوں کے خواب اکثر صحیح ہوتے ہیں۔ خود مجھے کئی بار اِس کا تجربہ ہوا ہے۔

شیخ عبداللہ کوہاٹیؒ:

حضرت شیخ آدم بنوریؒ کے اکابر خلفاء میں سے ہیں۔ صاحب عرفان بزرگ ہیں۔ حضرت شیخؒ کی خصوصی معرفت سے بخوبی آگاہ اور فصاحت و بلاغت میں ثانی نہیں رکھتے۔ آپؒ نے ابتدائی صوفیانہ تربیت شیخ پشاوری مرحوم سے حاصل کی تھی۔ بعد میں بنور حاضر ہو کر تکمیلِ طریقت کی شروع شروع میں علم معرفت پر کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ حضرت شیخؒ اور دوسرے بامعرفت ساتھیوں کی محفلوں میں عامی آدمی کی طرح بیٹھتے تھے۔ بعد میں تصوف کے اسرار و رموز بخوبی ان کی سمجھ میں آنے لگے۔ آپؒ نے علمِ لدُنی حاصل کرنے کے لیے بہت مجاہدہ کیا۔ ہمیشہ اِسی مذاکرے اور مراقبے میں مصروف رہتے تھے۔ اِسی ریاضت کے دوران مدینہ منورہ گئے۔ ۱۰۵۵ھ میں مدینہ شریف جانے سے پہلے مکہ معظّمہ میں مقیم تھے۔ دونوں مقامات سے آپؒ پر بہت لطف و کرم ہوا اور علم و معرفت اور حقیقت کے دروازے آپؒ پر کھول دیے گئے۔ آپؒ کا مرتبہ اِتنا بلند ہو گیا تھا کہ بہت سوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

مکہ شریف آئے تو ان کا علم دس گُنا بڑھ چکا تھا۔ ان دنوں جو بات بھی کرتے تھے، معرفت، عبرت اور نصیحت سے لبریز ہوا کرتی تھی۔ اکثر عُمر رسیدہ لوگ حیران ہوتے تھے کہ یہ پہاڑی پٹھان کم علمی کے باوجود حکمت و دانائی کے اُس مقام تک پہنچ گیا ہے کہ مرشدِ زمانہ بن گیا ہے اور علمائے کرام بھی اس کی شاگردی کرنے آتے ہیں۔ آپؒ کے ارادت مند کہتے تھے کہ: "ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءَ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْم۔" (یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے اُسے عطا کرتا ہے اور وہ بہت زیادہ فضل

وکرم والا ہے) (۲۱/۵۷) اور اللہ کا ارشاد ہے: ''وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا'' (جو لوگ ہمارے لیے مجاہدہ کرتے ہیں، ہم انھیں اپنے راستوں سے آگاہ کر دیتے ہیں) (۶۹/۲۹) جو شخص محنت اور کوشش کرتا ہے وہ مقصد حاصل کر لیتا ہے۔ اکثر سالک، مجاہدے کے بغیر منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ وہ غلطی پر ہیں۔ دُنیا عمل اور مجاہدے کی جگہ ہے، فضل واحسان کا مقام آخرت ہے۔ اس آیت مبارکہ کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ: ''يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ''۔ (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو، اُس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اور اس کے راستے میں مجاہدہ کرو تاکہ فلاح پا جاؤ) (۵/۳۵) یعنی ایمان، تقوی اور وسیلے کے بعد مجاہدے کا حکم ہے اور اس کے بعد فلاح کا امکان ہو سکتا ہے۔ ایمان، عمل، پرہیزگاری، وسیلے کی ہمراہی اور زہد وریاضت کے بغیر، بے نیازی اور کبریائی کی اُس بارگاہ تک پہنچنا مشکل ہے۔

الغرض اس مردِ کامل کی ترقی میں روز بہ روز اضافہ ہوتا گیا اور اس سے سالکوں کو عبرت اور طالبوں کو رشک ہوا۔ آپ ۱۰۶۷ھ میں دوبارہ حرمین شریفین آئے اور حج اور زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس عرصے میں آپؒ نے بہت سے لوگوں کو روحانیت کا راستہ دکھایا اور رشد وہدایت میں مصروف رہے۔ یہ معاملہ ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ہندوستان، کوہستان اور پشاور میں آپؒ کے ہزاروں مرید ہیں۔ بہت سے مُلّاؤں نے آپؒ کے ساتھ مناظرے کیے اور آخرکار مُرید ہو گئے۔ آپؒ نے اپنے علاقے میں بدعتوں اور خلافِ سُنّت رسموں کا خاتمہ کیا اور بدعتی صوفیوں کو کوہستان کے علاقے سے جلاوطن کر دیا۔ اِس وجہ سے آپؒ کے دشمن اور حاسد بہت سے ہیں۔ بہت سے لوگ آپؒ کی کئی ملامتی

مشرب کی باتوں پر اعتراض بھی کرتے ہیں۔

آپؒ دوبارہ حرمین آئے تو مَیں آپؒ کے ابتدائی حالات نہ پوچھ سکا وگرنہ ان کے بارے میں زیادہ لکھتا۔ آپؒ کے بارے میں لوگوں کی بیان کی ہوئی باتیں لکھنے لگوں تو بھی کئی دفتر درکار ہوں گے۔ مَیں نے یہ کوشش کی ہے کہ جب تک ساتھیوں کی زبان سے خود نہ سُن لوں یا اُن کے رسائل میں سے نہ پڑھوں یا معتبر راویوں سے نہ سُنوں، محض عام لوگوں سے سُنی سنائی باتیں تحریر نہ کروں۔ ہاں مبنی بر انصاف اور معروف روایت لکھ لیا کرتا ہوں۔

ایک بار حقیقتِ کعبہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے آپؒ نے کہا کہ: ''حضرت شیخ مجددؒ نے کعبے کو انبیاء سے افضل قرار دیا ہے''۔ مَیں نے کہا: ''ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آپؒ نے سنگ وخشت کے بنے ہوئے کعبے کو افضل کہا ہو۔ اگر کہا بھی ہوگا تو کعبۂ حقیقی کو افضل کہا ہوگا کیونکہ کعبۂ حقیقی اللہ کی شان کا مظہر اور معبود ومسجود ہونے کے قابل ہے۔ حضرت شیخؒ نے پتھروں کے بنے ہوئے اِس کعبے کو افضل نہیں کہا''۔ مَیں نے مزید برآں یہ کہا کہ: ''اِس بات کی تصدیق حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اُس پہلے قول سے ہوتی ہے جو مکتوباتِ ثلاثہ میں شامل نہیں ہے۔'' کہنے لگے کہ: ''حضرت مجددؒ نے ''مبدأ ومعاذ'' میں لکھا ہے کہ حقیقتِ کعبہ، حقیقتِ محمدی سے اُوپر ہے۔ لہذا فوقیت کے ساتھ افضل ہونا ضروری ہے''۔ مَیں نے کہا: ''فوقیت کے ساتھ افضلیت ہرگز ضروری نہیں ہے۔ دونوں میں عام اور خاص ہونے کا فرق ہے۔ ہر ''افضل'' ظاہری اور باطنی طور پر ''فوق'' ہوتا ہے لیکن ہر ''فوق''، افضل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ فرشتے انسانوں سے اُوپر (فوق) ہیں لیکن افضل انسان ہے۔ اِسی طرح عالمِ امر، عالمِ خلق سے اُوپر ہے لیکن افضل عالمِ خلق ہے۔ چنانچہ

حقیقتِ احمدی اور حقیقتِ کعبہ، حقیقتِ محمدی سے اُوپر ہیں لیکن حقیقتِ محمدی ان دونوں سے افضل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ فوقیت اور افضلیت لازم وملزوم نہیں ہیں۔ یہ حضرت مجددؒ کا پہلا قول ہے۔ آپؒ کے دوسرے قول کے مطابق حقیقتِ محمدی مطلق طور پر کعبہ وغیرہ سے افضل ہے۔ اس لیے کہ وہ حقیقت الحقائق ہے۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کی دو اصطلاحیں ہیں اور دونوں کی رُو سے حقیقتِ محمدی، کعبے سے افضل ہے۔ مکتوباتِ احمدی، مکتوباتِ معصومی اور رسائلِ امینیہ میں یہ مسئلہ دلیلوں کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ اعتراض کرنے والے لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔

اس کے بعد شیخ عبداللہؒ نے کہا: ''مَیں نے کابل اور پشاور میں حضرتؒ کے خلفاء سے یہ مسئلہ پوچھا تھا لیکن کسی نے بھی ایسا جواب نہیں دیا''۔ مَیں نے کہا: ''جواب یہی ہے کہ حضرت سید آدم بنوریؒ اور سرہندی مشائخ کعبے کے مقابلے میں انبیاء کی فضیلت کے قائل ہیں اور باقیوں کے معاملے میں خاموش رہنے کو بہتر فرماتے ہیں اور یہ طرزِ عمل بزرگوں کی پیروی اور تمام دلیلوں کی روشنی میں ہے۔

حرمین کے علماء اِس سلسلے میں کئی آرار کھتے ہیں۔ کعبے کے ظاہر کو سامنے رکھتے ہوئے مومن کو اس سے افضل قرار دیتے ہیں اور کعبے کی روحانیت اور حقیقت کے مقابلے میں انبیاء اور اولیاء کو افضل کہتے ہیں۔ اللہ کی معبودیت کا مظہر ہونے کی حیثیت میں کعبے کو افضل قرار دیتے ہیں۔ ہر رائے کی عقلی دلیلیں بھی ہیں جو رسالۂ امینیہ میں، عربی اور فارسی میں تفصیل سے لکھی گئی ہیں۔ جن لوگوں کے نزدیک کعبہ افضل ہے، وہ اس کی حقیقت اور مظہرِ مسجودیت ہونے کی وجہ سے یہ رائے رکھتے ہیں۔ مؤمن کو افضل کہنے والوں کے پیشِ نظر کعبے کی ظاہری عمارت ہوتی ہے۔ ہر کسی نے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق حکم لگایا ہے اور

وجوہات اور دلائل بیان کیے ہیں۔ مَیں نے ساری بحثیں اپنے رسالوں میں لکھی ہیں اور اس کی صوفیانہ حقیقت کا بھی کچھ بیان کیا ہے۔

برادرم شیخ اسد اللہ لاہوریؒ نے حاجی عبداللہ سلطان پوریؒ کے حالات کے بارے میں میرے نام ایک تحریر لکھی تھی۔ اس میں بعض دوسرے ساتھیوں کے کچھ حالات بھی بیان کیے تھے۔ انھوں نے شیخ عبداللہ کوہاٹیؒ کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ بہادرِ زمانہ ہیں اور ان کی باطنی کیفیات بڑی قوی ہیں۔ انھیں علم لدُنی اور معرفت کے رموز واسرار کا بڑا دعویٰ ہے۔ وہ مشائخ اور علماء کی تصانیف پر مُسکراتے ہیں اور اپنے آپ کو برتر سمجھتے ہیں۔ حرمین سے واپسی پر انھوں نے خوب ترقی کی ہے اور بہت سے لوگوں کو مرید کیا ہے۔ چونکہ کبھی کبھار ملامتی رنگ اُن پر غالب آجاتا ہے، اس لیے لوگ انھیں طعن وتنقید کا نشانہ بھی بناتے ہیں۔

برادرم مُلّا عثمان پشاوریؒ نے بھی میرے نام ایک خط میں شیخ عبداللہ کوہاٹیؒ کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ انھی دنوں شیخ عبداللہ سے ملاقات ہوئی۔ ان کی معرفت بہت باریک اور دعوے بہت بلند ہیں۔ وہ دوسروں کے معارف کو قاصر سمجھتے ہیں اور زورِ کلام دِکھا کر بات منوا لیتے ہیں۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ پہلے محض ایک عام پہاڑی آدمی تھے اور کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اب حضرت شیخؒ کی صحبت اور مکّہ ومدینہ کی زیارت کے طفیل بہت ترقی کر گئے ہیں اور کئی مشکل حقائق ومعارف حل کر لیتے ہیں۔ مُریدوں کو ان سے ذوق و شوق اور معرفت کا فیض ملتا ہے لیکن افسوس کہ وہ نقلی اور عقلی علوم سے بے بہرہ ہیں اور محض معرفت کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ اللہ اپنے علوم اور غیبی حالات کو خود ہی بہتر جانتا ہے۔

شیخ فتح محمدؒ ان کی بہت تعریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ شیخ عبداللہ فرماتے تھے

کہ: ''مَیں نے حضرت مہدیؒ سے علم حاصل کیا ہے''۔ شیخ فتح محمدؒ کا بیان ہے کہ مَیں اُن کی وفات کے وقت موجود تھا۔ انھوں نے ذکر کرتے ہوئے اور بشارتیں دیتے ہوئے انتقال فرمایا۔ سالِ وفات ۱۰۹۰ھ ہے۔ کوہاٹ میں دفن ہوئے۔ آپؒ کے بیٹے بڑے قابل اور خلیفے کامل ہیں۔ مریدوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ شیخ فتح محمدؒ نے شیخ عبداللہ کوہاٹیؒ کی کئی کرامات بھی بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بقولِ راوی وہ بھیرہ اور خوشاب کے نمک والے پہاڑی سلسلے میں راستے سے بھٹک گئے تھے۔ پریشانی میں شیخؒ کو یاد کیا تو وہ مہربانی فرماتے ہوئے حاضر ہوگئے اور انھیں ٹھیک راستے پر پہنچایا۔ اُس دن اگر انھیں راستہ نہ مل جاتا تو ہلاکت یقینی تھی۔

شیخ یار محمّد جلال آبادیؒ:

آپؒ حضرت شیخؒ کے باکمال، صاحبِ حال اور عالم و فاضل خلیفہ ہیں۔ آپؒ کے والد شیخ محمّد طاہرؒ بھی حضرت سیّد آدم بنوریؒ کے خلیفہ اور اپنے قبیلے کے سردار ہیں۔ آپؒ کے کئی فرزند ہیں۔ درویشوں کی خدمت اور مہمان نوازی انھیں ورثے میں ملی ہے۔ آپؒ شروع سے ہی پابندِ شریعت تھے۔ حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو چند ہی دنوں میں بلند مرتبے پر فائز ہوگئے۔ حضرت شیخؒ نے خلافت سے نوازا۔ اس کے بعد آپؒ اپنے وطن لوٹ گئے۔

شیخ محمد طاہرؒ کے بڑے صاحبزادے شیخ یار محمدؒ آغازِ جوانی میں طالبعلمی اختیار کیے ہوئے تھے۔ انھیں حصولِ علم اور مطالعے کا بہت شوق تھا۔ ذہانت میں سب سے ممتاز تھے۔ اپنے علاقے کے صوفیاء کے طریقے کے منکر تھے۔ انھی دنوں میں حضرت سیّد آدم

بنوری کے خلیفہ شیخ اسد اللہ ؒ پشاور میں شیخِ طریقت کے طور پر بہت مشہور ہو گئے تھے اور لوگوں کو مرید کیا کرتے تھے۔ کچھ طالبعلم بھی آپ ؒ سے بیعت کر کے باطنی احوال سے بہرہ ور ہو گئے تھے۔ اِسی دوران میں یار محمد نے بھی حیرت اور انکار کی حالت میں تلقین پائی اور ذوق اور لذّت سے بہرہ یاب ہوئے۔ اچانک ہی اُنھیں بارگاہِ الٰہی سے جذب عطا ہوا اور ان پر اس حد تک اثر انداز ہوا کہ اُنھوں نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خلوت اختیار کر لی۔ قولی علم، مذاکرہ اور زبانی مناظرہ ترک کر دیا۔ یہاں تک کہ اگر کبھی اپنے آپ پر جبر کر کے مطالعہ کرنے لگتے تو کتاب ہاتھ سے گر جاتی تھی۔ اُنھیں جذب کے اِس غلبے سے بہت پشیمانی ہوئی۔ انھوں نے بزرگوں کی کئی منّتیں مانیں کہ یہ استغراق زائل ہو جائے لیکن وہ محویّت کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہی چلی گئی۔

من نہ بہ اختیارِ خود می رَوَم ازقفایِ او
آن دو کمندِ عنبرین می بَرَدَم کشان کشان

(ترجمہ) مَیں اپنے اختیار سے اُس کے پیچھے پیچھے نہیں جاتا ہوں۔ اُس کی زلفوں کی دو مہکتی ہوئی کمندیں مجھے کھینچے لیے جاتی ہیں۔

وہ فرماتے تھے کہ مَیں جذب وعشق کے غلبے میں گُم صُم بیٹھا تھا کہ مجھے الہام ہوا کہ کم کھاؤ۔ مَیں نے کھانا کم کر دیا تو سرمستی بڑھ گئی۔ نیند اور چین ختم ہو گیا۔ والد، استاد اور ساتھیوں سے میل جول باقی نہ رہا۔ ایسے میں مَیں بنور آ گیا کہ شاید یہاں اس استغراق سے نکل سکوں۔ حضرت شیخ ؒ نے مجھے دیکھا تو بہت مہربانیاں فرمائیں اور ارشاد کیا کہ: ''آپ اعلیٰ صلاحیت کے حامل ہیں۔ کمال کو پہنچ جائیں گے۔ غم نہ کیجیے''۔ حضرت ؒ کے التفات سے میرا دل خوش ہو گیا اور مَیں نے اپنے آپ میں ہوش کے کچھ آثار پائے اور باطنی احوال پر

مطمئن ہوگیا۔ بعد میں آہستہ آہستہ مَیں حضرتؒ کی توجّہ کے طفیل مدہوشی کی کیفیت سے نکل کر زیادہ تر ہوش وحواس میں رہنے لگا۔

ایک دن حضرت شیخؒ نے مہربان ہوکر فرمایا: ''آپ بے مثال لوگوں میں سے ہوں گے۔ مَیں آپ سے عبادت وریاضت کا قطعاً تقاضا نہیں کرتا۔ صرف دو چیزوں کی تاکید کرتا ہوں۔ ایک خلوص اور دوسری ترکِ دنیا''۔

اس کے بعد وہ اکثر حضرت شیخؒ کے صاحبِ معرفت خلیفہ شیخ یار علی کی صحبت میں رہ کر، اُن سے حضرت شیخ کا علمِ خاص حاصل کرتے رہے۔ حضرت شیخؒ کی عام اور خاص محفلوں میں بھی حاضر ہوتے اور آہستہ آہستہ معرفت کی باتیں سمجھنے لگے۔ باطنی احوال اُن پر اتنے زیادہ وارد ہوتے تھے کہ اکثر لوگ ان پر رشک کیا کرتے تھے۔ معرفت کی خاص باتوں کی سمجھ بوجھ میں تو اُن کا عالَم یہ ہوگیا تھا کہ پُرانے ساتھیوں کے برابر آ گئے تھے۔ ان کے والد نے اُنھیں سلوکِ باطنی سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی تاکہ وہ ظاہری علم حاصل کرنے میں مصروف ہوں لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ اُنھیں جتنی بھی نصیحتیں کی گئیں، بے فائدہ رہیں:

ناصح! نصیحت تو بہ دل جای گیر نیست
ویرانہ ای ست دل کہ عمارت پذیر نیست

(ترجمہ) اے نصیحت کرنے والے! تیری نصیحت دل میں گھر نہیں کرتی۔ دل ایک ایسا ویرانہ ہے جس میں کوئی عمارت نہیں بنائی جاسکتی۔

آخر اُنھوں نے سب کچھ ترک کر کے فقیری اختیار کرلی اور خدمت گاری میں وقت گذارنے لگے۔ اُنھوں نے کئی سال حضرت شیخؒ کے پاس رہ کر صدق وخلوص سے

آپ کی خدمت کی۔ یہاں تک کہ حضرت شیخؒ نے آپ پر خصوصی نوازش فرماتے ہوئے، انھیں خلافت عطا کی۔ یوں وہ آغازِ جوانی ہی میں دوسروں سے ممتاز ہوگئے۔ حضرت شیخؒ کبھی کبھی بعض مریدوں کو تلقین وتربیت کے لیے آپ کے حوالے کردیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ شروع شروع میں مجھے اپنی باطنی توجّہ اور تصرف پر اتنا اعتماد تھا کہ اگر مَیں کسی خشک لکڑی پر بھی توجّہ ڈالتا تو اسے تروتازہ دیکھتا تھا!

ایک بار مَیں نے خواب میں حضرت شیخؒ کو بتّور میں دیکھا۔ آپؒ نے مسکراتے ہوئے مجھے اپنے پاس بلایا اور میرے سر کا ایک سفید بال کھینچ لیا اور فرمایا: ''یہ بال کس کام کا''؟ پھر آپ نے میرے ماتھے پر گولائی میں ایک آیت لکھی۔

اِسی طرح حضرت شیخؒ کی زندگی میں بھی مَیں نے خواب میں آپؒ کی زیارت کی۔ آپ نے فرمایا: ''یار محمد قطب، یار محمد غافل''! یعنی دنیوی معاملات سے غافل۔ ایک بار مَیں برہان پور میں معزّزین کی ایک محفل میں بیٹھا تھا کہ اچانک مجھ پر وحدت الوجود کا غلبہ ہوگیا۔ یہاں تک کہ مَیں عاجز آ گیا۔ اچانک حضرت شیخؒ میرے روبہ رو ظاہر ہوئے اور سختی سے فرمانے لگے: ''مَیں نے یہ کیفیت تم سے ہٹا نہیں دی تھی''؟۔ یہ بات سنتے ہی، اسی لمحے میں وہ حالت زائل ہوگئی۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات کو مَیں نے مکّہ معظّمہ میں خواب میں دیکھا کہ مَیں بہت ہی ادب اور انکساری سے، حضرت شیخؒ کے ساتھ ایک تخت پر بیٹھا ہوں۔ حضرت شیخؒ نے مجھے اپنے دائیں پہلو میں مُہر ولایت دِکھائی۔ مَیں نے عرض کیا کہ میرے پہلو میں بھی مُہر ولایت ہے لیکن آپؒ کے طفیل ہے!

اسی طرح مدینہ منوّرہ میں خواب میں حضرت شیخؒ کی زیارت ہوئی۔ آپؒ نے

ایک ہاتھ سے میرا کان پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے شیخ مجاہد کا کان پکڑا اور پھر آپؒ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔

رابغ کا مقام روم اور شام کے حاجیوں کی میقات ہے۔ وہاں مَیں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخؒ نے حضرت نبی کریم ﷺ اور حضرت فاطمہؓ کی طرف سے لکھا ہوا ایک کاغذ دکھایا جس پر یہ تحریر تھا کہ اگر درویشی چاہتے ہو تو ترکِ دنیا کرو۔

اِسی طرح مجھے حضرت رسولِ کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی موجود تھے اور بہت ادب و احترام سے پیش آ رہے تھے۔ اِسی اثنا میں شیخ نور محمد نے آ کر مجھے کہا کہ تم نفسِ ولایت خاص سے آگے بڑھ گئے ہو۔

ایک دن روضۂ رسول ﷺ کی جالیوں کے سامنے مجھ پر ایک نور ظاہر ہوا۔ مَیں بے قرار ہو گیا۔ حضرت شیخؒ کی خدمت میں عرض کیا تو آپؒ نے فرمایا: "سرورِ عالم ﷺ کا اصلی ظہور یہی ہے"۔ اِسی طرح ایک دن مَیں نے دیکھا کہ روضۂ رسولؐ کے اردگرد کھڑکیاں اور روشن دان پیدا ہو گئے ہیں اور ان میں سے نور جھلک رہا ہے۔

ایک روز حضرت شیخؒ مریدین کے ساتھ مسجدِ نبوی میں مراقبہ کر رہے تھے۔ مَیں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کے نور نے ساتھیوں کا احاطہ کر رکھا ہے۔ ایک بار مَیں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ ایک تخت پر جلوہ افروز ہیں۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: "یار محمد! ذرا میری ڈاڑھی پکڑنا"۔ مَیں ایک طرف سے ہو کر گیا اور آپ ﷺ کی ریش مبارک کو چھوا۔

ایک بار یمن میں حضرت رسالت مآب ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میں اتنا کمال ہے"؟ میں نے عرض کیا: "اگر ہو تو بہتر، وگرنہ مجھے کچھ بھی نہیں

چاہیے" آپ ﷺ کا ایک عام امّتی رہوں گا"۔ آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: "یہ چراغ جلاؤ"۔ مَیں نے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق اس میں تیل ڈال کر جلا دیا۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: "تمہارا کیا نام ہے"۔ مَیں نے عرض کیا: "محمّد"۔ پھر فرمایا: "تمھارا مسلک کیا ہے"؟ مَیں نے بتایا حنفی ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے تین بار دھرایا: "محمّد حنفی"۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے میرے بدن پر اپنا ہاتھ پھیرا۔ مجھے خیال آیا کیا ہی اچھا ہو کہ آنخضرت ﷺ میرے سارے بدن کو لمس سے نوازیں۔ اس پر القا ہوا کہ اگر ظاہری ہاتھ پورے جسم کو نہ بھی چُھو سکے تو باطنی ہاتھ کی برکت تو مکمل طور پر شاملِ حال رہے گی۔ پھر مَیں نے آپ ﷺ سے زیدی فرقے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے تین بار ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ گمراہ ہیں۔ پھر مَیں نے دریافت کیا سیدھا راستہ کون سا ہے؟ تو آنخضرت ﷺ نے فرمایا: "یہی راستہ جو تم نے اختیار کیا ہوا ہے"۔

یمن کے ایک گاؤں وجیہ میں مَیں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی تلاش میں ایک گنبد میں گیا ہوں۔ وہاں مَیں نے لوگوں سے پوچھا کہ رسولِ کریم ﷺ کہاں ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ اِن دو قبروں کے درمیان میں راستہ ہے، اس پر چلے جاؤ۔ وہاں سے گذر کر مَیں آنخضرت ﷺ کی لحد مبارک تک پہنچ گیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ رحم فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "مَیں نے بخش دیا"۔ مَیں نے پھر عرض کی کہ یا رسول اللہ! میری شفاعت فرمائیے۔ آنخضرت ﷺ نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ تم حساب کے بغیر جنت میں چلے جاؤ گے۔ پھر آپ ﷺ نے تبّرک کے طور پر مجھے کوئی چیز عطا فرمائی۔ مَیں نے پوچھا: "یہ میرے ہاتھ سے ضائع تو نہیں ہو جائے گی"؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں" جب مَیں نے وہ تبّرک لے لیا تو مجھے گنبد سے باہر لایا گیا۔ آنخضرت

ﷺ نے مجھے راستہ دکھا کر رخصت فرمایا۔ جب میری آنکھ کھلی تو مَیں نے دیکھا کہ میری مُٹھی بند ہے۔

اِسی طرح ایک بار یمن کے جنگلوں اور پہاڑوں میں مجھے خواب میں آنخضرت ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ الوداع ہوتے وقت مَیں رو پڑا۔ ایک خادم کے پاس روضۂ رسولؐ کی چابی تھی۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ آؤ مَیں روضۂ مبارک کا دروازہ کھول کر تمھیں حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا آتا ہوں۔ ہم جانے لگے تو دوسرے خادموں نے روک لیا۔ چابی والے خادم نے ان سے کہا کہ یہ درویش روک دیے جانے والے لوگوں میں سے نہیں ہے۔ جب مَیں اندر پہنچا تو غلاف ہٹا دیا۔ مَیں نے دیکھا کہ آنخضرت ﷺ صُفّہ پر استراحت کررہے ہیں اور آپ ﷺ نے ایک بہت سفید چادر اوڑھ رکھی ہے۔ میرے ساتھ آنے والے خادم نے چادر ذرا سی ہٹائی اور مَیں نے آنخضرت ﷺ کے پاؤں کا انگوٹھا چوم لیا۔ سرورِ عالم ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ بڑھا کر مجھے مصافحے سے نوازا اور ارشاد فرمایا کہ کھانا زیادہ کھایا کرنا۔ مَیں نے دیکھا کہ ایک طرف میرے والد اور شیخ نور محمد بھی موجود ہیں۔ آنخضرت ﷺ نے سب پر شفقت فرمائی۔ سب لوگ رخصت ہوگئے اور مَیں رہ گیا تو مَیں نے عرض کیا کہ کچھ عنایت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آپ بھی اللہ کو یاد کیا کریں، ہم بھی اللہ کو یاد کیا کرتے ہیں''۔ جب مَیں نے بہت زاری کی تو اہلِ بیتؓ نے فرمایا کہ کچھ تو ضرور عطا فرمایئے۔ آنخضرت ﷺ کی پگڑی میں تین پیچ تھے۔ آپ ﷺ آدھی پگڑی مجھے عنایت فرمانا چاہ رہے تھے کہ میری آنکھ کھل گئی۔ کافی عرصے تک مجھے اس کا کیف وسرور محسوس ہوتا رہا۔

حضرت سیّد آدم بنوریؒ جب مدینہ شریف حاضر ہوئے تو کبھی کبھی ساتھیوں کو جمع کر کے معرفت کی خاص باتیں بیان فرمایا کرتے تھے۔ایک دن آپؒ نے اپنی مجلس میں اپنی طریقت کے اہم اسرار و رموز بیان کیے۔اسی رات مجھے حضرت سرورِ کائنات ﷺ کے مصافحے کی سعادت نصیب ہوئی۔کچھ افاقہ ہوا اور پھر مستی چھا گئی۔اُسی رات مجھے دوبارہ خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی۔مَیں نے دیکھا کہ آپ ﷺ وضو کرنے تشریف لے گئے اور پھر واپس آ کر سفید سنگِ مرمر کے ایک تخت پوش پر نماز پڑھنے لگے۔مَیں آپ ﷺ کی شان میں کہتا رہا کہ یہ ہیں محمد رسول اللہ ﷺ، یہ ہیں محمد رسول اللہ ﷺ۔اچانک مجھے آپ ﷺ کے جوتے میں ایک کنکری دکھائی دی۔مَیں جان گیا کہ آپ ﷺ کو اِس کنکری کا پتہ چل گیا تھا لیکن آپ ﷺ نے اسے پھینکا نہیں۔نجانے اس میں کیا حکمت تھی۔آخر مَیں نے وہ کنکری اُٹھا کر پھینک دی۔اس کے بعد مَیں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے۔آپ ﷺ اُسے زمین پر رکھ کر خود نماز پڑھنے لگے ہیں۔اچانک ہوا نے اس کتاب کا صفحہ اُلٹا دیا۔مجھے اس پر ''محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا دکھائی دیا۔

اِس کتاب کا مصنّف بیان کرتا ہے کہ راوی کی بات کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضرت شیخ بنوریؒ مدینہ منوّرہ پہنچے تو حضرت نبی کریم ﷺ کے مصافحے سے سرفراز ہوئے۔آپؒ نے اللہ کی اِس نعمت کا اظہار کرنے کے لیے یہ واقعہ ساتھیوں کو سنایا اور سبھی سے خصوصی مصافحہ کیا۔وطن میں بھی آپؒ کو یہ سعادت نصیب ہوئی تھی اور آپؒ نے ساتھیوں سے اس کا ذکر بھی کیا تھا۔اپنی کتاب ''نکاتُ الاسرار'' میں بھی آپؒ نے یہ واقعہ تحریر فرمایا ہے۔مدینہ شریف میں آپؒ نے مصافحے والا واقعہ کئی بار بیان کیا اور فرمایا کہ رسولِ کریم

ﷺ نے ہمارے تمام ساتھیوں کو دعائیہ مصافحے سے نوازا ہے۔ یہ باتیں سُن کر بعض کم فہم لوگ آپس میں کہا کرتے تھے کہ ہمیں تو اِن باتوں کا یقین نہیں آتا۔ ایک مدت سے ہم مصافحے والا واقعہ سُن رہے ہیں لیکن ہمیں تو کچھ بھی دِکھائی نہیں دیا۔ خود حضرت شیخؒ نے بھی ایسی باتیں سُن کر فرمایا تھا کہ جس کسی میں صلاحیت ہوگی، وہ خود دیکھ لے گا۔ حضرت جبرئیلؑ اکثر وحی لے کر عام اور خاص لوگوں کی محفل میں رسولِ کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تھے اور اکابر صحابہؓ میں سے بھی کوئی اُنھیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ایک دن حضرت شیخؒ نے اِس خواہش کا اظہار کیا کہ خصوصی مصافحے کی سعادت اگر کچھ ساتھیوں کو بھی نصیب ہو جائے تو بہتر ہوگا۔ رمضان کے اعتکاف کے اُنھی دنوں میں حضرت شیخؒ نے مسجد نبوی میں چلّہ اختیار کیا تھا اور بیمار بھی ہو گئے تھے۔ اُن دنوں بھی آپؒ ساتھیوں کو جمع کر کے اپنے روحانی مسلک کا بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپؒ کا رُوئے سخن زیادہ تر مجھ ناچیز کی طرف ہوتا تھا۔ آپؒ میری بحث کو بڑی محبت سے سنتے، قبول فرماتے اور گاہے بہ گاہے میرے اعتراضات کا جواب دیا کرتے تھے۔ یوں سب ساتھی آپؒ کی باتوں سے فیض پاتے رہتے تھے۔

شیخ یار محمدؒ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت شیخؒ کئی بار مصافحہ نبویؐ سے سرفراز ہوئے تو مجھے خیال آیا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ سعادت بخشے تو کیا ہی کہنے! مَیں کافی عرصہ یہ آرزو کرتا رہا اور عاجزی و انکساری سے دعائیں مانگتا رہا۔ آخر ایک رات میری قسمت کا ستارہ چمک اٹھا اور مَیں خواب میں سرورِ کائنات ﷺ کی محفل میں حاضر ہو گیا۔ مَیں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ ایک بلند و بالا مسند پر جلوہ افروز ہیں۔ صحابہ کرامؓ اردگرد حلقہ باندھے بیٹھے ہیں اور خوب فیض یاب ہو رہے ہیں۔ حضرت شیخؒ بھی اپنے تمام عقیدتمندوں سمیت حاضر ہیں۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے آپؒ پر خصوصی کرم فرمایا اور آپ

کے مریدوں میں ہر ایک کو نام لے لے کر بلایا اور مصافحہ کیا۔ میری باری آئی تو سرورِ کائنات ﷺ نے مجھ پر بھرپور توجہ ڈالی۔ میرا ہاتھ زور سے پکڑ کر مصافحہ کیا۔ آنحضرت ﷺ کی اِتنی زیادہ شفقتوں کے باوجود بھی مجھ پر آپ ﷺ کا رعب اِتنا غالب تھا کہ مَیں سر بھی نہ اٹھا سکا۔ آپ ﷺ کی برکات کا کیا ذکر کروں۔ ان کا عشرِ عشیر بھی بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اُنھوں نے یہ بھی بتایا کہ مَیں نے بہت غور سے دیکھا کہ کئی ساتھی طلبِ دنیا میں مگن تھے اور مصافحے سے محروم رہے۔

اسی ۱۰۵۶ھ میں یمن میں مصافحہ نصیب ہوا۔ اسی سال حجِ اکبر بھی واقع ہوا۔ شیخ جمال مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ جب مَیں رمضان المبارک کے بعد تیسری بار مدینہ طیّبہ میں حاضر ہوا تو ایک دن فجر کی نماز پڑھ کر مراقبہ کر رہا تھا کہ اچانک حضرت شیخ بنّوریؒ کی زیارت ہوئی۔ آپؒ نے مجھ سے فرمایا: ''جس کسی نے تم سے مصافحہ کیا، اُس نے گویا مجھ سے مصافحہ کیا''۔ اِسی اثناء میں مَیں نے روضۂ رسول ﷺ کی طرف توجّہ کی تو اُدھر سے بھی اِسی طرح کا اشارہ ہوا۔ چوتھی بار زیارت کرتے ہوئے بھی مجھے ایسی کئی بشارتیں ملیں۔

خود مصنّف کو بھی خواب میں کئی بار حضرت شیخؒ کی زیارت ہوئی اور ہر بار آپؒ نے نئی بشارتوں سے نوازا۔ خاص طور پر ایک بار تو آپؒ نے بالکل وہی بات فرمائی، جس کا ذکر ابھی ہو رہا ہے۔ بلکہ آپؒ تو اپنی زندگی میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ جس نے میرے ساتھیوں سے وسیلے کے طور پر مصافحہ کیا، اُس نے مجھی سے مصافحہ کیا۔ بعض لوگ اِس بشارت کو حاضر باش ساتھیوں کے لیے مخصوص سمجھتے ہیں۔ کچھ لوگوں کے خیال میں یہ ارشاد اُن ساتھیوں کے بارے میں ہے جنھوں نے حضرت شیخؒ کے ساتھ ہجرت اختیار کی۔ بعض لوگ اس سے حضرت سیّد آدم بنوریؒ کے خُلفائے کرام مراد لیتے ہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ

اِس حکم کو عام ہی رکھا جائے۔ اگرچہ لفظ وسیلے سے خلفاء والی بات کی تائید ہوتی ہے اور اس سلسلے میں نکات الاسرار میں بھی اشارہ کیا گیا ہے جو مخفی نہیں ہے۔

جن دنوں شیخ بنوری مدینہ شریف میں معتکف تھے، اُن دنوں اکثر ساتھیوں کو بھی دس دس دن کا اعتکاف نصیب ہوا۔ ناچیز مصنف کو بیس دن اعتکاف کرنے کی سعادت ملی۔ اُن دنوں بعض ساتھی آپؒ کی خدمت میں اپنے باطنی احوال بیان کرنا چاہتے تھے اور آپؒ اُن کی تفصیل سننے کے لیے دوسرے حاضرین کو پردے سے باہر بھیج کر، خلوت میں اُن کی باتیں سُنا کرتے تھے۔ ایک دن مَیں پردے کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اور برادرم شیخ یار محمدؒ، حضرتؒ کی خدمت میں اپنے احوال بیان کر رہے تھے۔ حضرت شیخؒ نے ان کی باتیں سُن کر الحمدللہ کہا اور فرمایا کہ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کیونکہ ایسے حالات کم ہی لوگوں کو میسر آتے ہیں۔ جس دن شیخ یار محمدؒ نے تنہائی میں مصافحے والا واقعہ حضرتؒ کے گوش گذار کیا تو آپؒ نے ساتھیوں کو ترغیب دینے کے لیے، اُنھیں شیخ یار محمدؒ کا مشاہدہ سنایا۔ اُس محفل میں سب سے پہلے جس ساتھی نے ان سے مصافحہ کیا وہ میر منصور مرحوم تھے۔ بعد میں دوسرے ساتھیوں نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔

الحمدللہ کہ شیخ یار محمدؒ صاحبِ کمالات وعرفان شیخ طریقت بنے اور بہت مشہور ہوگئے۔ جب ہندوستان تشریف لے گئے تو بہت سے لوگوں نے اُن سے فیض پایا اور کئی طالبانِ طریقت نے ان کی طرف رجوع کیا۔ وہ درویشوں اور سالکوں کے لیے روزانہ مرغن کھانے پکواتے اور عمدہ غذاؤں سے ان کی ضیافت کیا کرتے تھے۔ شیخ اسد اللہؒ ان کے پہلے شیخ تھے۔ انھوں نے میرے نام اپنے ایک خط میں ساتھیوں کے حالات لکھے ہیں۔ اس خط میں اُنھوں نے شیخ یار محمدؒ کا ذکر بڑے اچھے لفظوں میں کیا ہے۔ اُنھوں نے

تحریر کیا ہے کہ شیخ یار محمدؒ اِن دنوں بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ معرفت کی بلند باتیں بیان کرتے ہیں۔ وحدت الوجود کے مسائل پر بھی اظہارِ خیال کرتے ہیں اور تصوّف کی بڑی بڑی کتابوں پر بھی ہنس دیتے ہیں۔ اس علاقے میں ان کے مرید بہت زیادہ ہوگئے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

وہ ۱۰۶۸ھ میں دوبارہ حرمَین کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے اور نبی کریم ﷺ کے بارے میں کئی خواب اور بشارتیں بیان کیں۔ اگر مَیں اُن سب کو نقل کروں تو بات بہت طویل ہو جائے گی۔ یہاں حضرت شیخ بنّوریؒ کے خلفاء کا مختصر احوال بیان کرنا مقصود ہے تاکہ یہ کتاب آپؒ کے خلفائے کرام کے احوال و مقامات سے خالی نہ رہے کیونکہ مرید اپنے شیخ کے کمالات کا مظہر ہوتے ہیں اور یہ معمول بھی رہا ہے کہ بزرگانِ دین کے حالات میں ضمناً ان کے بعض مریدوں کے حالات بھی لکھے جاتے ہیں۔

۱۰۷۰ھ میں شیخ یار محمدؒ مدینہ شریف سے مکّہ معظّمہ آئے تو مَیں نے یہ مسوّدہ اُنھیں دکھایا تاکہ اگر کہیں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اصلاح کر لی جائے۔ کہنے لگے آپ نے بہت مختصر لکھا ہے۔ ہر خواب اور مشاہدے کی تفصیلات بھی لکھنے کے قابل تھیں۔ مَیں نے عرض کیا کہ جو کچھ خود مجھے یاد تھا، مَیں نے اسے مختصر کر کے لکھا ہے کیونکہ اختصار مطلوب ہے۔ اُنھوں نے اپنی بہت سی کرامات بیان فرمائیں، جن میں سے اکثر مجھے یاد نہیں رہیں۔ اُن کے احوال کی شہادت کے طور پر اُن میں سے دو روایتیں لکھتا ہوں:

شیخ یار محمدؒ راوی ہیں کہ شروع شروع میں جب مَیں حج کر کے وطن واپس جا رہا تھا تو ابھی یمن ہی میں تھا کہ ایک دن سردی بہت بڑھ گئی۔ میرے پاس صرف ایک کُرتہ تھا اور مَیں ننگے پاؤں لمبا سفر طے کر رہا تھا۔ اچانک تیز ہوا اور بارش شروع ہوگئی۔ بجلی چمکنے

لگی۔ یہاں تک کہ مجھے یقین ہوگیا کہ اگر مَیں بھیگ گیا تو موت یقینی ہے۔ بے بسی کی حالت میں میرے ذہن میں ایک دعا اور التجا آئی جو میری زبان پر جاری ہوگئی۔ دعا یہ تھی: ''علمہ بحالی حسبی من سوالی''۔ یعنی وہ میری حالت سے واقف ہے اور سوال کرنے کی بجائے وہی میرے لیے کافی ہے۔ مَیں خوف وہراس کی کیفیت میں تھا۔ بارش میرے پیچھے برستی رہی اور مَیں نہ بھیگا۔ یہاں تک کہ ایک آبادی میں پہنچ گیا۔

اُنھوں نے بیان کیا کہ مَیں اپنے وطن میں تھا۔ کچھ لوگوں نے شنواری قبیلے کے فتنہ وفساد کا ذکر کیا اور مجھ سے ان کا کوئی سدِ باب کرنے کی التماس کی۔ اچانک مجھے باطنی طور پر حکم ملا کہ فسادی رہیں یا نہ رہیں، ان میں سے مجھے کوئی ایک بات اختیار کرنی چاہیے۔ چنانچہ مَیں نے کہہ دیا کہ نہ رہیں۔ تھوڑے ہی دن گذرے ہوں گے کہ اس شرارتی ٹولے نے بہت فتنے پھیلائے۔ حاکموں نے اُنھیں جلاوطن کر دیا۔ یوں وہ لوگ ہزیمت اُٹھا کر اپنے آباء واجداد کا وطن بھی چھوڑ گئے اور ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔

شیخ یار محمدؒ کو حضرت شیخ کی بھی کئی کرامات معلوم تھیں۔ مَیں طوالت کے ڈر سے انھیں قلمبند نہیں کرتا۔ شیخ یار محمدؒ نے پندرہ سال خوب پیری مریدی کی اور عمدہ باطنی احوال دیکھے۔ کابل میں اُن کے بہت مرید تھے اور اکثر کامل درویش تھے۔ شیخ یار محمدؒ پٹھانوں کی فتنہ انگیزی سے خوش نہیں تھے۔ اُنھوں نے بہت سے مردوں اور عورتوں کو خیبر کے پٹھانوں کی قید وبند سے رہائی دلائی اور انھیں پشاور لے گئے اور فریقین میں صلح صفائی کی بہت کوشش کرتے رہے۔ خیبر کے پٹھانوں کے ظلم وستم کی وجہ سے اُنھیں بہت غم وغصہ اُٹھانا پڑا اور اسی حالت میں ۲۵۔ رجب ۱۰۸۰ھ کو ان کا انتقال ہوگیا۔ اُنھوں نے بہت اعلیٰ بشارتیں پائیں اور لوگوں نے بھی ان کے بارے میں کئی اچھے خواب دیکھے۔ اللہ تعالیٰ اُن پر رحم

فرمائے اوران سے راضی ہو!

شیخ یار علی پشاوریؒ:

حضرت سیّد آدم بنوریؒ کے باکمال خلیفہ ہیں۔ طالب علمی کے زمانے میں بہت ذہین اور سمجھدار تھے۔ حقیقت میں سیّد ہیں لیکن کسی کو بتاتے نہیں تھے۔ یہاں تک کہ حضرت شیخؒ نے اُنھیں سیّد کہنا شروع کردیا۔ جب آپؒ حضرت شیخؒ کی خدمت میں پہنچے تو بہت منظورِ نظر بن گئے۔ اُنھوں نے علم حاصل کیا اور ظاہری و باطنی سلوک میں کمال پایا۔ وہ علومِ روحانی میں بے مثال تھے۔ زہدوتقویٰ، فقہ، ریاضت اور علمِ توحید میں کوئی اُن کا ثانی نہیں تھا۔ ایک دن حضرت شیخؒ نے شیخ نور محمد سے کہا کہ آپ یار علی کو اپنا شاگرد ہی نہ سمجھیے بلکہ ان سے علمِ روحانی کے باریک نکتے سمجھا کیجیے۔ صوفی حضرات حضرت شیخؒ کی زبان سے جو باتیں نہیں سمجھ سکتے تھے، وہ شیخ یار علیؒ سے پوچھ لیا کرتے تھے۔ اسی طرح شیخ یار علیؒ نے بھی شیخ یار محمد سے بہت سے فیوض حاصل کیے ہیں۔

جب وہ لاہور میں تھے تو چند دن اُن کی طبیعت پر گھٹن طاری رہی۔ آخر اچانک ہی کشادگی حاصل ہوگئی اور خصوصی علوم اور احوال منکشف ہوگئے یہاں تک کہ وہ مناظرے میں زمانے کے علماء اور صوفیاء پر غالب آجاتے تھے۔ اُنھیں کشفِ کونی اور کشفِ قلبی میں کمال حاصل ہوگیا اور اگر کسی ساتھی سے غائبانہ طور پر کوئی غلطی ہوجاتی تو آپؒ جلد ہی اُسے تنبیہ کرکے تائب کرادیتے۔ اگر نماز میں کسی شخص کے خیالات بھٹکنے لگتے تو آپؒ اُسی وقت آگاہ ہوکر اُس کی اصلاح کردیا کرتے تھے۔ مجھے شیخ یار محمد جلال آبادیؒ سے شیخ یار علی پشاوریؒ کے اتنے ہی حالات معلوم ہوئے ہیں۔ شروع شروع میں سرہند میں اُن سے

ملاقات ہوجایا کرتی تھی۔مَیں نے اُن کے حالات نہیں پوچھے ورنہ زیادہ لکھتا۔دیگ میں سے ایک چاول چکھ کر ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے!

جب حضرت شیخ بنوریؒ حج پر تشریف لے گئے تو شیخ یار علی بھی شیخ نور محمد اور بہت سے ساتھیوں کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوئے۔بندرگاہ دیب پہنچے تو وفات پا گئے۔وہاں کے باشندے آپ کے بہت معتقد ہیں اور آپ کے مزار کی زیارت کو جاتے ہیں۔خوب نذر نیاز پیش کرتے ہیں اور آپ کے نام پر مولود کی محفلوں کا اہتمام کرتے ہیں۔سیّد احمد دلواری اور کچھ دوسرے ساتھی بتاتے تھے کہ ان کی قبر کی زیارت سے ضرورتمندوں کی حاجتیں پوری ہوجاتی ہیں اور جو شخص بھی کوئی نیت لے کر خلوصِ دل سے سات دن متواتر ان کی قبر پر جائے اور انھیں وسیلہ بنائے تو اُس کی مراد مل جاتی ہے۔ان کی قبر رئیس بازید کے باغیچے میں ہے۔لوگ گروہ درگروہ زیارت کو جاتے ہیں اور کرامات دیکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور ان سے راضی ہو۔

شیخ حامد لاہوریؒ:

آپ بھی حضرت سیّد آدم بنوریؒ کے صاحبِ حال خلیفہ ہیں آپ عجیب وغریب باطنی احوال میں سے گذرے ہیں۔عاجزی اور بے نفسی میں بے مثال تھے۔حضرت شیخؒ کی موجودگی میں بھی مریدوں کو تلقین اور تربیت دیتے رہتے تھے۔جس پر بھی توجہ فرماتے تھے،اُسے باطنی برکات حاصل ہوجاتی تھیں۔حضرت شیخؒ کی وفات کے بعد اکثر ساتھی،مریدوں کو تربیّت کے لیے آپ کے حوالے کردیا کرتے تھے۔آپؒ ہمیشہ خاموش اور مراقبے میں رہا کرتے۔ضرورت کے بغیر بالکل نہیں بولتے تھے۔آپؒ نے حضرت شیخؒ

کے ساتھ ہی حج، زیارت اور ہجرت کی۔ ۲۲۔ جمادی الآخر ۱۰۵۴ھ، جمعرات کے روز بندر گاہِ مخا میں فوت ہوئے۔ پہلے جمعے کو فرمایا: "افسوس کہ جمعہ گذر گیا اور میری موت واقع نہ ہوئی"۔ اگلے جمعے کی رات قبر میں آسودہ ہوئے۔ جس طرح زندگی میں ازراہِ ادب ہاتھ باندھ کر اُٹھتے بیٹھتے تھے، اُسی طرح وفات کے وقت بھی دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ ان کا مزار حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی ؒ کے مزار کے پاس ہے۔ بعض صاحب حال صوفیائے کرام کا مشاہدہ ہے کہ آپ ؒ "غوث" کے مرتبے پر فائز تھے۔ حضرت شیخ ؒ نے بھی آپ کے بارے میں کئی عمدہ بشارتیں ارشاد فرمائی تھیں۔ آپ ؒ نے اپنے ایک خط میں بھی شیخ حامدؒ اور شیخ محمد شریف ؒ کے فضائل بیان کیے ہیں کہ یہ درجہ کمال پر فائز ہیں اور اپنے احوال مخفی رکھتے ہیں۔ نیز آپ ؒ نے ان دونوں کی صحبت کی طرف رغبت دلائی ہے۔ یہ خط شیخ محمد شریف ؒ کے حالات میں بعینہٖ نقل کیا گیا ہے۔

اُنھوں نے حضرت شیخ ؒ کی وفات کے بعد ایک دن بتایا تھا کہ مَیں نے خواب میں آپ ؒ کو کعبے میں دیکھا ہے اور آپ ؒ میزابِ رحمت کی طرف نماز پڑھ رہے تھے۔ مَیں آپ ؒ سے ملنا چاہتا تھا لیکن ہجوم کی وجہ سے آپ ؒ تک نہ پہنچ سکا۔

شیخ سلطان پوربی ؒ:

آپ ؒ حضرت شیخ بنّوری کے عالم اور عارف خلیفہ ہیں۔ آپ مغل اور صدیقی شیخ زادوں میں سے ہیں۔ اخلاص اور درویشی میں ان کا کمال دیکھ کر حضرت شیخ ؒ آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ؒ تھوڑی ہی مدت میں فیض پا کر خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ ؒ نے شیخ کے خصوصی علم، عمل اور عرفان سے بھی خاصا حصہ پایا۔ اکثر صوفیاء

تصوف کے موضوع پر آپؒ کے ساتھ بات چیت کر کے آپؒ پر رشک کیا کرتے تھے۔ بعض ازروئے حسد مباہلہ پر تُل جاتے تھے۔

میں سرھند اور بنور میں آپؒ سے آشنا رہ چکا تھا۔ ان کی درویشی، بے نیازی اور آزاد مَنشی دیکھ کر مجھے بھی رشک آتا تھا۔ چالیس برس سے آپؒ کے حالات اور کمالات کا وہی عالم ہے۔ اِس عرصے میں مَیں نے آپؒ کے حالات نہیں سُنے تھے۔ اس لیے تحریر نہیں کیے تھے۔ اب ۱۰۸۵ھ میں آپؒ کے ایک خلیفہ عبدالحکیم حج پر آئے اور انھوں نے بیت اللہ شریف کے سامنے آپؒ کے اور سیّد علیم اللہ کے کچھ مناقب لکھ کر مجھے دیے۔ ان کی مختصر تحریر یہ ہے:

''مجھ ناچیز نے شیخ سلطان کی صفات کو جتنا دیکھا اور سمجھا، وہ یہ ہے کہ آپؒ کا ظاہر مکمل طور پر شریعت سے آراستہ ہے۔ آپؒ شرعی رخصت سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ عزیمت اختیار کرتے ہیں اور مریدوں اور صاحبزادوں کو بھی عزیمت ہی کا حکم دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہمارے حضرتؒ کا یہی حکم ہے۔ کسی بدعتی سے ملنا جُلنا پسند نہیں کرتے اور بدعتیوں کو اپنی مجلس میں نہیں آنے دیتے اور فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے:

''مَنْ اَحْدَثَ فی دینِ الاسلامِ اَمرٍ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰه وَالملائِكَةِ وَالنّاس ۔''

(جس نے دینِ اسلام میں بدعت شروع کی، اس پر اللہ، فرشتوں اور مخلوق کی طرف سے لعنت ہے) اس حدیث شریف پر عمل کرتے ہوئے کہ لوگوں میں سے سب سے اچھا وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، آپؒ فرائض اور سنّتیں ادا کرنے کے بعد خلقِ خدا کی خدمت میں لگے رہتے ہیں اور کسی نوعیت کے کام سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ محتاجوں کو چارپائیاں اور جوتے بنا کر دیتے ہیں اور ان کے پھٹے پُرانے کپڑوں کو پیوند لگاتے

ہیں۔کوئی شخص بھی جو کچھ کہتا ہے، اس کا وہ کام کر دیتے ہیں۔مزاج میں عاجزی اور مسکینی بہت ہے۔فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ ہمیشہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: ''اَللّٰهُمَّ احینی مِسْکِیْناً وأمتنی مسکینا واحشرلی فی زُمرةِ المساکین'' (اے اللہ! مجھے مسکینی میں زندہ رکھ، اسی حال میں موت دے اور آخرت میں مسکینوں میں سے اُٹھا) آنحضرت ﷺ نے کبھی یہ خواہش نہیں کی کہ مجھے غوث، قطب یا غنی بنا کر زندہ رکھ۔پس شیخ سلطان بھی مسکینی ہی کے آرزومند رہتے ہیں اور امیروں کے مقابلے میں غریبوں کی زیادہ خاطر تواضع کرتے ہیں اور انھیں زیادہ پسند رکھتے ہیں۔حدیث ''دنیا میں مسافر یا راستے پر جاتے ہوئے شخص کی طرح رہو اور لوگوں میں عام آدمی بن کر رہو'' پر عمل کرتے ہوئے لباس، خوراک اور طرزِ زندگی میں، ساتھیوں کے درمیان بالکل انھی کی طرح رہتے ہیں۔نئے آنے والے لوگوں کو اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ شیخ کون سے ہیں۔

آپ کے اکثر صاحبزادگان حافظِ قرآن ہیں۔ہر رمضان المبارک میں تراویح کے دوران پانچ، چھے بلکہ اس سے بھی زیادہ ختمِ قرآن کیے جاتے ہیں۔آپ رمضان میں کھُلا خرچ کرتے ہیں۔بہت سے ساتھی اور درویش جمع ہو جاتے ہیں۔دور دراز سے بھی کئی لوگ آجاتے ہیں۔آپ کے لنگر میں تین وقت کھانا ملتا ہے۔قربانی کی عید پر، اسلام کے نشان کے طور پر کئی گائیں قربان کرتے ہیں۔اکثر امراء، منصب دار اور علماء آپ سے مل کر عقیدت مند بن جاتے ہیں۔بادشاہ کو بھی آپ کی طرزِ زندگی، بے نیازی اور آپ کے خادموں کے احوال کی اطلاع دی گئی۔بادشاہ نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے دور میں ایسے درویش بھی ہیں، جنھیں ہماری کوئی پروا نہیں۔

مجھ حقیر (عبدالکریم) نے آپ کی کئی کرامات دیکھی ہیں۔ان میں سے کچھ درج

ذیل ہیں:

ایک بار مَیں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے پوچھا کہ کہاں بیعت ہو؟ مَیں نے جواب دیا کہ شیخ سلطان پوربی سے۔ جب کہ اُس وقت تک مَیں نے آپ سے تلقین نہیں پائی تھی لیکن گہری عقیدت ضرور رکھتا تھا۔ بعد میں مجھے خیال آیا کہ مَیں نے تو جھوٹ بولا ہے۔ چنانچہ مَیں نے استغفار کیا۔ اُسی رات کو مجھے خواب میں آپ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے جھوٹ نہیں بولا۔ آخر ہمارے ہی ہو۔ کوئی فکر نہ کرو۔ اس کے بعد مَیں نے باقاعدہ طور پر آپ سے بیعت کی اور خلافت بھی پائی۔

آپ کے ایک مرید کسی اجنبی کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ مرید نے حضرت شیخ کے بہت فضائل بیان کیے۔ اُس اجنبی نے کہا کہ اگر وہ اِتنے ہی پہنچے ہوئے ہیں تو ابھی یہاں ظاہر ہو جائیں۔ اسی وقت آپ تھوڑے سے فاصلے پر ان حضرات کی طرف تیز تیز چل کر آتے ہوئے دکھائی دیے۔ مرید نے کہا کہ دیکھ لو بھائی! ہمارے شیخ چلے آتے ہیں۔ اجنبی یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا اور معتقد بن گیا۔ آپ کچھ دیر بعد غائب ہو گئے۔

آپ کی ایک کرامت یہ بھی ہے کہ جس بیمار کو بھی بسم اللہ پڑھ کر دَم فرماتے ہیں وہ صحت یاب ہو جاتا ہے۔ شروع شروع میں آپ کے ذکر کا یہ عالم تھا کہ حیوانات بھی ساتھ ساتھ ذکر کیا کرتے تھے۔ اوائل میں آپ دوسروں کے دلوں کے بھید بھی بکثرت بیان فرمایا کرتے تھے لیکن بعد میں بالکل خاموشی اختیار کر لی اور کسی کا راز فاش نہیں کیا۔ علم اور عرفان میں کمال کو پہنچے ہوئے ہیں۔ اہل وعیال اور مریدوں کی کثرت، دینوی کاروبار اور ظاہری تعلقات کی فراوانی کے باوجود آپ ان سب چیزوں سے بے نیاز ہیں اور ان میں دل نہیں لگایا۔ آپ اکثر اپنے پیر و مرشد کا یہ شعر پڑھتے رہتے ہیں:

غلام ہمّتِ آن بندہ ام کہ غیر از شاہ
زِجملہ صورت و معنیٰ بہ کُلّی آزاد است

(ترجمہ) مَیں اُس غلام کی عالی ھمّتی کا غلام ہوں جو اپنے بادشاہ کے علاوہ تمام ظاہری اور باطنی تعلّقات سے مکمل طور پر آزاد ہے۔

آپ کی ولایت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جو شخص ایک بار آپ سے مل لیتا ہے، پھر زندگی بھر آپ کی خواہش رکھتا ہے۔ آپ کے ارشاد ایسے ہوتے ہیں کہ سالک کے دل سے خودی اور تکبّر کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ آپ کی باتوں میں بہت کشش اور تاثیر ہوتی ہے۔ طریقت کا جو سفر دوسرے بزرگوں کی خدمت میں رہ کر برسوں میں طے ہوتا ہے، وہ آپ کی صحبت میں ایک دن یا ایک گھنٹے میں طے ہو جاتا ہے۔ آپ نے استعداد رکھنے والے بہت سے طالبانِ طریقت کو ایک ہی ملاقات میں کمال تک پہنچا دیا اور خلافت عطا فرمائی۔ آج کل کے مشائخ میں یہ صفت کم ملتی ہے۔

آپ نے مجھ ادنیٰ سالک کو اپنے دستِ مبارک سے یہ خلافت نامہ لکھ کر عطا فرمایا:

"امّا بعد۔ سلطان گدا نے شیخ عبدالحکیم کو خلافت و اجازت دی۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے جو فیوض مجھ تک پہنچے، مَیں نے ان تک پہنچائے۔ پس انھیں بھی اجازت ہے کہ وہ یہ برکات آگے منتقل کریں"۔

آپ کے روحانی کمال کا چرچا پورے ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے۔ اگرچہ مجھے آپ کی خدمت میں رہنے کا اتّفاق کم ہوا اور مَیں آپ کے فضائل کی حقیقت سے کماحقہٗ

آگاہ نہ ہو سکا لیکن اس کے باوجود میرے علم میں آپ کے اتنے مناقب ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتے۔ آپ کی بزرگی کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں استقامت رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل و کرم ہے اور وہ جسے چاہے، عطا فرماتا ہے۔

بہار، پٹنہ اور آس پاس کے علاقوں کے اکثر علماء اور مخدوم زادے آپ سے فیض یاب ہوئے ہیں۔ کوئی عالم بھی علمی مناظرے میں آپ پر غالب نہیں آتا۔ آپ عقلی اور نقلی دلیلوں سے سب کو مطمئن کر دیتے ہیں۔ آپ کے خلفاء بہت سے ہیں۔ خاص طور پر غازی پور میں آپ کے ایک خلیفہ شیخ مسعود بہت متقی، پرہیز گار، سنّت اور شریعت کو زندہ رکھنے والے، کفر اور بدعت کا خاتمہ کرنے والے اور بابرکت شخص ہیں۔ اس علاقے کے اکثر لوگ بتاتے ہیں کہ دین کو فروغ دینے والا ایسا کوئی شخص اِس علاقے میں کبھی پیدا نہیں ہوا۔ غازی پور اور اس کے گرد و نواح کے حُکّام اور عوام آپ کے معتقد اور فرماں بردار ہیں۔ آپ کی رشد و ہدایت اور ترویجِ شریعت کا شہرہ پورے ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ آپ شرعی امور اور بدعتوں کے خاتمے کے لیے بادشاہِ وقت اورنگ زیب عالمگیر کو بھی اکثر خط لکھتے رہتے ہیں۔ بادشاہ آپ کے حکم پر عمل کرتا ہے اور اسے پورے ملک میں نافذ کرتا ہے۔ حضرت شیخ سلطان کے علاوہ ان کے بزرگانِ سلسلہ نے بھی شیخ مسعود کی روحانی تربیت کی ہے۔ شیخ سلطان کے تمام خلفاء شیخ مسعود کو خلیفۂ کامل سمجھتے ہیں۔ غازی پور اور ظہور آباد میں حضرت شیخ بنوریؒ کے خلفاء شیخ محمد یار اور شیخ میر سکندر نے شیخ مسعود کی رشد و ہدایت کا سلسلہ دیکھ کر اپنی طرف سے بھی انھیں خلافت دے دی اور کہا ہم فارغ ہو گئے اب یہ علاقہ آپ کے حوالے ہے۔

شروع شروع میں بہت سے لوگ ان کے منکرین اور حاسدین میں شامل

تھے۔اب وہ سب لوگ آپ کی روحانی ترقّی دیکھ کر پشیمان ہوئے ہیں اور مُرید ہو گئے ہیں۔غازی پور اور اس کے قرب وجوار میں آپ کا ظاہری اور باطنی فیض بہت غالب ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کی برکات میں اضافہ فرمائے (آمین)۔

میر سیّد علیم اللہؒ:

آپ حضرت شیخ بنوریؒ کے باتقویٰ اور علم وعمل میں کامل خلیفہ ہیں۔آپ حَسنی اور حُسینی سیّد ہیں۔آپ کا ظاہر اور باطن پیروی سُنّت سے آراستہ ہے۔آپ بہت احتیاط سے زندگی بسر کرتے ہیں اور سنّتوں اور مستحبات کا بہت خیال رکھتے ہیں۔آپ،آپ کے اہل خانہ اور مریدین فقر وفاقہ میں مگن رہتے ہیں اور دُنیا کی خواہش کو اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیتے۔آپ کی پرہیزگاری کا چرچا ہندوستان اور عرب میں پھیلا ہوا ہے۔اکثر مشائخ آپ کا تقویٰ، ریاضت اور استقامت دیکھ کر رشک کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں پسندیدہ لوگوں کو ایسی ہی نعمتیں نصیب ہوتی ہیں۔آپ اپنے ساتھیوں اور اولاد کو عزیمت پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیتے ہیں اور اگر کوئی ساتھی یا صاحبزادہ مباح اور شرعی رخصت سے فائدہ اٹھاتا ہے تو آپ رنجیدہ ہو جاتے ہیں۔اور اگر نعوذ باللہ کسی سے کوئی بدعت سرزد ہو جاتی ہے تو اس سے اتنے بیزار ہو جاتے ہیں کہ اُس کی شکل تک دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ہاں اگر وہ ازسرِ نو توبہ کرلے اور تقویٰ اختیار کرے تو اسے قبول کر لیتے ہیں۔

آپ کے حرم کے اندر اور باہر اہلِ خانہ اور درویشوں کو ایک جیسا کھانا ملتا ہے۔کسی سنّت یا مستحب سے تجاوز نہیں کرتے۔آپ نے شرعی اور روحانی وعرفانی مسائل پر مشتمل ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے جو بہت مشکل ہے اور ہر شخص اسے پوری طرح نہیں

سمجھ سکتا۔ آپ اپنے باطنی احوال چھپاتے ہیں اور عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہیں۔ اکثر لوگ آپ کو دیکھ کر یہ کہتے ہیں کہ شاید صحابہء کرامؓ کا طرزِ عمل یہی ہوتا ہوگا۔ آپ باشرع ساتھیوں اور درویشوں کے ساتھ بہت حسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں اور بہت خاطر مدارات کرتے ہیں۔ کسی غیر متقی شخص سے تحفہ یا نذر بھی نہیں لیتے۔

روایت ہے کہ ایک بار اورنگ زیب عالمگیر کے ایک بڑے امیر دلیر خان آپ کی زیارت کے لیے آئے۔ آپ نے اُنھیں بہت نصیحتیں فرمائیں کہ کسی کو بھی شرعی جواز کے بغیر تکلیف نہ پہنچانا۔ ظلم نہ کرنا کیونکہ ظالموں پر لعنت کی گئی ہے۔ باتوں باتوں ہی میں آپ نے اُسے خلافِ شریعت کاموں سے تائب کروالیا۔ جب وہ توبہ کر چکا تو آپ نے اُس کی پیش کردہ نذر بھی قبول کرلی۔ وہ رخصت ہو کر تھوڑا ہی دور گیا ہوگا کہ اُس کے لشکر سے نقارے کی آواز آئی۔ آپ نے اُسی وقت اُس کی نذر اُس کے پیچھے روانہ کردی۔

آپ روز بہ روز زیادہ پرہیزگار اور عبادت گذار ہوتے جاتے ہیں جب کہ دوسرے مشائخ زیادہ تر شروع میں زیادہ ریاضت کرتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ کم کرتے جاتے ہیں لیکن آپ اب تک ویسی ہی تنگی اور سختی برداشت کرتے ہیں، جیسی شروع میں کیا کرتے تھے۔ آپ نے سنّتِ رسول ﷺ کی پیروی میں فقر و فاقہ اختیار کر رکھا ہے اور دُنیوی لذّتوں کو قریب بھی نہیں آنے دیتے۔ حجاز جاتے ہوئے آپ نے ننگے پاؤں سفر کیا تھا۔ اپنی ضرورت کی چیزیں مثلاً کپڑے، جانماز، قرآن پاک اور وضو کا لوٹا وغیرہ خود اُٹھائیں۔ یہ سامان کبھی کسی ساتھی کو نہ اُٹھانے دیا۔ بہت سے ساتھی کئی سواریاں لائے مگر آپ نے قبول نہ کیں۔ آپ کی درویشی اور فقیری کی تفصیلات کہاں تک لکھوں کہ اس کے لیے دفتر درکار ہیں۔ آپ کی سب سے بڑی بزرگی یہ کہ آپ بے حد متقی ہیں اور اللہ

کاارشاد ہے کہ: ''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ '' [۴۹/۱۳] (تم میں سے جو شخص زیادہ متقی ہوگا، وہ اللہ کے نزدیک زیادہ عزّت والا ہوگا)

مصنّف کہتا ہے کہ جب حضرت شیخ بنّوریؒ حجاز کے لیے روانہ ہوئے تو برسات کی بارشوں کی وجہ سے اڑھائی مہینے تک شہر گوالیار میں رُکے رہے۔ وہاں سیّد علیم اللہ اور خواجہ احمد نے آپ کی خدمت میں پہنچ کر فیض پایا۔ مَیں اور قاضیِ شہر، سیّد علیم اللہ کے ساتھ ہی خصوصی خلوت میں حضرت شیخ سے استفادہ کرتے تھے اور آپ کی کرامات دیکھا کرتے تھے۔ اس کے بعد ۱۰۷۵ھ میں، مکّہ شریف میں میری ان سے ملاقات ہوئی لیکن آپ نے اپنے حالات نہ بتائے۔ اب شیخ عبدالحکیم نے اُن کے بارے میں اپنے کچھ تاثرات لکھ کر دیے ہیں جنھیں مَیں نے بعینہٖ کتاب میں شامل کر دیا ہے۔

مکّہ شریف سے رخصت ہوتے وقت سیّد علیم اللہ نے مجھے ایک روپیہ دیا اور بہت معذرت کی۔ مَیں نہیں لینا چاہتا تھا لیکن پھر خیال آیا کہ یہ تو ایک متقی ہستی کا تبرک ہے۔ اگر مَیں اسے بٹوے میں رکھ لوں تو برکت ہوگی۔ چنانچہ مَیں نے ایسا ہی کیا اور اب میری جیب کبھی خالی نہیں رہی ہاں جب فضول خرچی کرنے لگتا تو پیسے کم پڑ جاتے۔

عجیب وغریب بات یہ ہے کہ مَیں چالیس سال مکہ شریف اور مدینہ منوّرہ میں قیام پذیر رہا۔ مَیں نے دیکھا کہ یہاں کے اکثر باشندے دُنیا کے طالب اور لالچی ہیں شاید اس لیے کہ غیر آباد پہاڑوں میں رہتے ہیں۔ مجھ فقیر کو دنیا اور دُنیوی معاملات کی خواہش نہیں تھی اور لالچ سے نفرت تھی۔ اس لیے مَیں اللہ کی مدد سے صابروشاکر رہا اور اپنا فقروفاقہ ظاہر نہ کیا۔ اس تمام عرصے میں مجھے خرچ کی تنگی کی شکایت نہیں ہوئی بلکہ کبھی کبھی ہاتھ اِتنا کُھلا ہوجاتا تھا کہ مَیں مجلس میں فضول خرچی بھی کر لیتا تھا۔ '' لَئِنْ شَکَرْتُمْ

لَاَزِیْدَنَّکُمْ‘‘ [۷/۱۴] (بے شک اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمھیں زیادہ عطا کروں گا)
میرا یقینی تجربہ ہے کہ ناشکری کر کے آدمی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ایک طرح کی ناشکری ہے کہ آدمی کے پاس ایک دن کی ضروریات موجود ہوں اور وہ کہے کہ نہیں ہیں۔ اکثر لوگ اِسی ناشکری میں مبتلا ہیں۔

حدیث شریف میں کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق میں سے سب سے زیادہ وہ شخص ناپسند ہے کہ جسے اللہ نے کوئی نعمت عطا کر رکھی ہو اور وہ کہے کہ اللہ نے مجھے کچھ نہیں دیا اور اپنی غربت کا اظہار اور اللہ سے شکایت کرتا رہے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی غلام اپنے آقا کی جھوٹی شکایت کرے گا تو چوبدار اُسے مار بھگائے گا اور مالک ناخوش ہوگا۔ آج کل شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جس کے پاس ایک دن کے اخراجات کی رقم بھی نہ ہو۔ اب اگر کوئی درویش ایک دن کا سامانِ ضرورت رکھتے ہوئے بھی گداگری کرے گا تو اللہ ناراض ہوگا۔ اسے اللہ کی برکتوں میں سے مکمل حصہ نہیں ملے گا بلکہ یہ خطرہ بھی ہے کہ اُسے راندۂ درگاہ کر دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے نفس کی شرارتوں اور بداعمالیوں سے محفوظ رکھے۔

شیخ عبدالخالق قصوری لاہوریؒ:

آپ حضرت شیخ کے پرانے خلیفے اور مشہور پیرِ طریقت ہیں۔ پچاس برسوں سے طالبانِ طریقت کی راہنمائی کر رہے ہیں اور ہزاروں لوگ آپ کے وسیلے سے کامل واکمل ہوئے ہیں۔ آپ شریعت، طریقت، عزیمت اور سخاوت میں بے مثال ہیں۔ قصور شہر آپ کی موجودگی کی برکت سے باکمال ہو گیا ہے اور سالکوں اور کاملوں کا شہر بن گیا ہے۔ لیکن

بعض نادان اپنے قصور کی وجہ سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکے۔شاید یہ لوگ آپ کو الہام ہونے والی بشارتوں کی آڑ میں بے عمل رہ گئے ہیں۔اکثر لوگوں نے آپ کی ایسی بشارتیں اور ملفوظات نقل کیے ہیں کہ آپ کے متعلقین جنّتی ہیں۔اگر مجھے ان باتوں کی تصدیق ہوگئی تو تحریر کروں گا۔مَیں نے کسی سے آپ کے حالات نہیں پوچھے اور نہ ہی کسی نے مجھے بتائے ہیں کہ مَیں زیادہ لکھوں۔شریعت اور طریقت میں استقامت ہی بہترین حال ہوتا ہے۔مُریدین کے احوال میں جو برکت اور استقامت پیدا ہوتی ہے، وہ شیخ کے کمال ہی سے ہوتی ہے۔

مصنّف کہتا ہے کہ مَیں نے مختصراً آپ کے اتنے ہی مناقب لکھے تھے کہ ۱۰۸۷ھ میں آپ کے کچھ خلفاء اور نمایاں مُرید حَرمین آئے۔ایک رات کو مَیں نے بیت اللہ شریف کے سامنے اُن حضرات سے آپ کے حالات پوچھے۔انھوں نے بہت کچھ بتایا۔مَیں نے کہا کہ مجھے اچھّی طرح یاد نہیں رہتا، آپ مختصر کر کے کچھ لکھ دیں۔آخر آپ کے ایک پُرانے اور قابل اعتماد خلیفہ شیخ محمد فاضل نے دس اوراق پر مشتمل آپ کے تحریری مناقب مجھے دیے اور بیت اللہ کے سامنے سنائے۔جب مَیں نے اچھّی طرح اس تحریر کا مطالعہ کیا تو اس میں کئی عجیب وغریب باتیں دیکھیں۔اس پر مَیں نے آپ کے صاحبزادوں اور بعض مریدوں سے شیخ محمد فاضل کے بارے میں پوچھا تو اُن سب نے کہا کہ شیخ محمد فاضل آپ کے ثقہ خادموں میں سے ہیں بلکہ انھوں نے دس گُنا کم لکھا ہوگا۔چنانچہ اب مجھے بھی یقین ہے کہ اُنھوں نے ہم مسافر درویشوں سے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی حضوری میں جھوٹ نہیں بولا۔مَیں نے آخر میں راوی کے کچھ حالات بھی نقل کر دیے ہیں تا کہ ان کی روایتیں مزید قابلِ اعتماد ہو جائیں۔لہٰذا مَیں نے استخارہ کر کے، ان کی تحریر کچھ مختصر کر کے

بعینہٖ شامل کرلی ہے۔ واللہ اعلم۔

راوی محمد فاضل اپنی تحریر کے شروع میں لکھتے ہیں کہ مَیں قلم اور زبان کے جھوٹ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ امّا بعد واضح ہو کہ ہمارے پیرومرشد حضرت شیخ عبدالخالق کے والدِ گرامی کا نام مصطفیٰ ولد حاجی رحیم داد تھا۔ آپ بہت نیک بزرگ تھے اور ان کے مناقب مشہور ہیں۔ آپ اپنے بیٹے کو بچپن ہی سے قرآن، فقہ اور نیکی کی تعلیم میں مصروف رکھتے تھے۔ اور اُنھیں یہ دعا سکھائی تھی کہ اے اللہ! مَیں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ مَیں تمھارے سوا کسی سے سوال نہ کروں۔ حضرت شیخ اپنے والد ماجد کے حکم پر سجدے کی حالت میں بڑی زاری سے بکثرت یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ سات سال کے ہوئے تو اللہ کے فضل سے عربی میں خاصے رواں ہو گئے۔ تھوڑی ہی مدت میں صرف ونحو پڑھ لی اور ''مختصر المعانی'' شروع کردی۔ فرمایا کرتے تھے کہ طالبعلمی کے زمانے میں والدِ محترم خرچ کے لیے جو رقم بھی بھیجتے، مَیں اُسے غریبوں محتاجوں اور عالموں پر خرچ کر دیتا۔ خود فاقہ کرتا اور کسی سے کچھ نہیں لیا کرتا تھا۔

ایک دن آپ کے گھر میں خاندان کی کچھ عورتیں جمع تھیں اور آپس میں فضول باتیں کررہی تھیں۔ چونکہ آپ میں بہت فہم وفراست اور صلاحیت تھی، اس لیے آپ نے سوچا کہ عقلمند تو وہ ہوتا ہے جو اللہ کی عبادت میں مصروف رہے ورنہ اسے عذاب دیا جائے گا۔ اور عقلمند کو اللہ سے محبت کرنی چاہیے۔ اللہ سے محبت کرنے والا اِن عورتوں جیسے کام اور باتیں نہیں کرتا۔ عورتیں تو کم عقل تھیں ہی، آپ نے اُن کے مَردوں کو بھی بیہودہ کاموں میں مصروف دیکھا۔ چنانچہ آپ کو یقین ہو گیا کہ سب بے عقل ہیں۔ اگر مَیں اِن میں رہا تو انھی جیسا بن جاؤں گا۔ بہتر ہے کہ مَیں یہاں سے نکل جاؤں اور کسی صاحبِ عقل کی خدمت

میں رہوں یا کسی جنگل میں بسیرا کرلوں۔ اُس دن سے آپ لوگوں سے گریزاں رہنے لگے۔ اُسی زمانے میں آپ نے امام محمد غزالیؒ کی کتاب ''مشتبہات'' حفظ کرلی اور اسے پڑھا کرتے۔ جو بھی سُنتا، کہتا کہ یہ لڑکا ولیِ کامل بنے گا۔

ساتھ ہی آپ ہمیشہ عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے۔ اپنا کھانا مسکینوں کو دے دیتے اور عشق و محبت کی باتیں دل سے سنتے۔ گیارہ سال کے ہوئے تو ایک دن آپ کے استاد نے کہا کہ آدمی بہت زیادہ مجاہدہ کرے تو اللہ کو پالیتا ہے اور مرشدِ کامل بن جاتا ہے۔ آپ نے کہا کہ مولانا جب معاملہ ایسا ہے تو آپ مجاہدہ کیوں نہیں کرلیتے؟ انھوں نے کہا کہ ہم تو نفسانی اور جسمانی مسائل میں گرفتار ہیں۔ ہم سے مجاہدہ نہیں ہوسکتا۔ آپ نے کہا کہ افسوس ہے کہ ہم اپنی عمر ضائع کریں۔ اسی وقت ترکِ ماسویٰ کر کے مرشد کی طلب میں نکل کھڑے ہوئے:

چون آگہی زِ یارِ پسندیدہ داد باد
من نیز دل بہ باد دھم ھرچہ باد، باد

(ترجمہ) جب ہوا نے محبوب کے حال سے آگاہ کیا تو اب مَیں بھی دل کو داؤ پر لگا دوں گا، جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔

یہی طلب لیے لیے لاہور کے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کا بچپنا دیکھ کر کوئی اُنھیں تلقین نہیں کرتا تھا۔ آخر آپ روزانہ اجرت پر ایک طالبعلم کو ساتھ لے جانے لگے کہ یہ طالبِ طریقت بنے گا۔ اسے پڑھنے کے لیے جو کہیں گے، مَیں وہ سُن لوں گا اور وہی پڑھنے لگوں گا۔ آپ اس طالبعلم کو ساتھ لیے ایک صاحبِ دل درویش کے پاس گئے اور مرید ہونا چاہا۔ انھوں نے انکار کردیا۔ رخصت کرتے وقت آپ کو علیحدگی میں

فرمایا کہ تم اِس شخص کو کرائے پر ساتھ ساتھ لیے پھرتے ہو۔کل اس کے بغیر اکیلے آنا۔آپ فرماتے تھے کہ جب مَیں اکیلا حاضر ہوا تو اُنھوں نے مجھے ذکرِ جہر کی تلقین کی۔چنانچہ مَیں ذکر اور ریاضت میں مشغول رہنے لگا۔یہاں تک کہ مجھ میں کشفِ قلوب کی صلاحیت پیدا ہوگئی۔مسجد وزیر خان میں لوگوں کا ہجوم ہوتا تھا اور مجھے اُن سب کے دلوں کے حال کا علم ہوتا تھا۔

بعد میں مَیں ایک مجذوب کی خدمت میں رہا جو لاہور میں اینٹوں کے بھٹّے پر رہا کرتے تھے۔وہ بڑے کشف وکرامت والے تھے۔سردیوں میں پتّھروں کے ٹکڑے جمع کر کے اُنھیں دَم کیا کرتے اور وہ انگاروں کی طرح صبح تک سُلگتے رہتے تھے۔ہر رات کو ان کا یہی معمول ہوتا تھا۔مَیں نے اِس کے علاوہ بھی اُن کی بہت سی کرامتیں دیکھیں۔ایک سال کے بعد اُنھوں نے مجھے کابل کے قریب رہنے والے ایک اور مجذوب کی طرف روانہ کیا۔یہ پہلے مجذوب سے زیادہ باکمال تھے۔رات بھر دریا کے کنارے ایک دیوار پر قدموں کے بل بیٹھے رہتے اور دن کے وقت کسی شیر کی طرح جنگل کا راستہ لیتے۔اُن کی خدمت میں ایک سال ہوگیا تو اُنھوں نے بھی بہت سی بشارتیں دے کر ایک اور مجذوب کی طرف رخصت کیا۔یہ اُن سے بھی بڑھ کر تھے۔مَیں نے چھ ماہ اُن کے پاس رہ کر خوب فیض پایا۔ایک دن اُنھوں نے کہا کہ تمھارے والد اِس علاقے میں آئے ہوئے ہیں اور بہت پریشان ہیں۔جلد اُن سے ملو کہ اِسی میں تمھارا فائدہ اور ترقّی ہے۔جب مَیں اپنے والد سے ملا تو وہ مجھے اپنے ساتھ قصور لے گئے اور مجھے ایک الگ تھلگ حجرہ بنا کر دے دیا۔مَیں تنہائی میں اسی حجرے میں عبادت وریاضت کرتا رہتا۔مَیں نے کم سونا، کم کھانا اور رونا دھونا معمول بنالیا۔اتنا روتا تھا کہ زمین گیلی ہوجایا کرتی تھی:

عُرفی! اگر بہ گریہ میّسر شدی وصال
صد سال می توان بہ تمنا گریستن

(ترجمہ) اے عرفی! اگر یہ وزاری سے وصال میّسر آسکتا تو اس آرزو میں سو سال رویا جاسکتا ہے۔

آپ خود بیان فرماتے تھے کہ اگر چالیس دن روزے رکھتا تو اس عرصے میں پانی یا خوراک استعمال نہیں کرتا تھا۔ بس کبھی کبھی ایک لقمے سے افطار کرلیا کرتا تھا۔ اس سے ہٹ کر کبھی کبھی مَیں سیروں کے حساب سے کھانا کھالیتا تھا!

آپ بتاتے تھے کہ ایک بار مَیں ایک درویش کے ساتھ سیر و سفر کرتا ہوا، رات کو ایک مسجد میں پہنچا۔ مسجد کے خادم نے امیروں کے محلّے میں جا کر بتایا کہ دو بزرگ فقیر مسجد میں مہمان آئے ہیں۔ ہر گھر سے طرح طرح کے کھانے آگئے۔ پندرہ تھالوں سے بھی زیادہ اور بہت سی روٹیاں۔ سب نے بہت اصرار کیا مگر مَیں نے کچھ نہ کھایا۔ آخر انھوں نے اللہ کا واسطہ دیا۔ اس پر مَیں نے کھانا شروع کیا تو سب کچھ کھا گیا اور مٹکا بھر پانی بھی پی گیا۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی روایات ہیں جو ذرا آگے چل کر لکھی جائیں گی۔ اس عرصے میں آپ میں بے حد تصرف کی قوّت پیدا ہوگئی تھی۔ جو چاہتے، فوراً ہو جاتا۔

آپ ہی سے روایت ہے کہ ایک کہ رات کو مَیں حُجرے میں رو رو کر دعائیں کر رہا تھا کہ آدھی رات کو اچانک ایک شخص ظاہر ہوا۔ اس نے کہا اے عبدالخالق! گھر میں بیٹھے رہنے سے کام نہیں بنے گا۔ اگر محبت رکھتے ہو تو میرے پاس آؤ۔ مَیں اس کے پاس گیا تو اُس نے کہا کھانے کی ایک دیگ پکا کر کل میرے پاس لاؤ۔ بازار کے راستے سے آؤ گے تو

مَیں جنگل میں، دریا کے کنارے موجود ہوں گا۔ اگلے دن مَیں نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ شیخ مجھے وہیں مل گئے۔ بڑے ہی باکمال، مضبوط اور نورانی بزرگ تھے۔ ہمیشہ خوشبو میں مہکتے رہتے اور لوگوں سے چُھپ کر رہا کرتے تھے۔ اُن کا نام نصر اللہ تھا۔ دن کے وقت وہ ایک غار میں چُھپے رہتے۔ رات کو باہر نکلتے تو اُن کے اردگرد ایک غیبی لشکر جمع ہو جاتا اور ایک بازار لگ جاتا۔ ہر رات کو ایسا ہی ہوا کرتا تھا۔ جب وہ معرفت کی باتیں بیان کرتے ''سُبحان الملک القدّوس'' کہتے ہوئے اُڑنے لگتے اور فضا میں آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے اور پھر کچھ عرصے کے بعد لوٹ آتے۔ مَیں اُن کے بتائے ہوئے وظیفے پڑھتا رہا اور مجھے بہت فائدے ہوئے۔ خاص طور پر یہ کہ مَیں جب بھی چاہتا تھا، رسولِ خدا ﷺ کی محفل میں حاضر ہو جاتا تھا۔ طے زمانی و مکانی، ہواؤں میں اُڑنا اور چُھپی ہوئی باتیں سن لینا بھی ممکن ہو گیا۔ مَیں ایک سال ان کی خدمت میں رہا۔ مجھے بہت ذوق و شوق اور عجیب کرامتیں حاصل ہو گئیں لیکن اصلی مقصد کی طرف سے اطمینان نہیں تھا۔

جب اُنھوں نے مجھے رخصت کیا تو مَیں شاہ مقیم کی خدمت میں چلا گیا۔ اُنھیں نبی کریم ﷺ کا ایک کُرتا عطا ہوا تھا۔ اُنھوں نے آہستہ سے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ آج ہماری مجلس میں ایک قطب آیا ہے۔ اگر یہاں رُک جائے تو اچھا ہے! مَیں نے دُور سے یہ سرگوشی سُن لی۔ آدھی رات کو تنہائی میسّر آئی تو اُنھوں نے میرے حالات پوچھے۔ مَیں نے اپنے کچھ احوال بیان کیے۔ شاہ مقیم نے کہا کہ مَیں نے سنا تھا کہ ملتان کے علاقے میں ایک بزرگ ہیں جو اس قدر اُڑ سکتے ہیں، جتنا مور اُڑ لیتا ہے۔ مَیں نے اُن کے پاس جا کر کہا کہ مجھے بھی اُڑنا سکھائیے۔ اُنھوں نے بتایا کہ ایک جوگی آیا تھا۔ اُس نے ایک ایسا سانپ پکڑا، جس کے سر پر تاج تھا۔ پھر اُس نے سانپ کو ذبح کر کے پکا لیا اور مجھ سے کہا کہ کھاؤ۔ مَیں

نے نہ کھایا۔ اُس نے بے حد اصرار کیا کہ اور کہا کہ کھالو ورنہ پچھتاؤ گے۔ آخر اُس جوگی نے خود ہی سارا سانپ کھالیا اور اُڑ گیا۔ مَیں بہت پشیمان ہوا۔ غم و افسوس کی حالت میں بچی کھچی ہڈیاں چاٹنے لگا۔ اس کے اثر سے اِتنا ہوگیا ہے کہ مور کے برابر اُڑ لیتا ہوں۔ میری پرواز بزرگی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ وہ سانپ کھانے کی وجہ سے ہے۔ آپ کو تو اللہ نے اتنی بزرگی اور کرامات عطا فرمائی ہیں، انھیں غنیمت جانیے اور شکر کرتے رہیے۔ اگر ان میں اضافہ مطلوب ہے تو مدینہ شریف جا کر نبی کریم ﷺ سے سوال کیجیے۔ وہاں سے جو حکم ہو، اس پر عمل کیجیے۔ جو کچھ آپ کے نصیب میں ہوگا، مل جائے گا۔

آخر مَیں وہاں سے رخصت ہو کر مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوا۔ مَیں نے جنگلوں کے ویران راستے اختیار کیے اور دل ہی دل میں کہا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ مَیں اِس طلب میں مَر جاؤں۔ چند منزلوں کا سفر کیا ہوگا کہ خواب میں حضرت رسالت مآب ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے بہت لطف و کرم کیا اور فرمایا کہ تمھارا حصہ شیخ آدم بنوریؒ کے پاس ہے۔ خوشی کے مارے میری آنکھ کُھل گئی۔ اب خیال آیا کہ یہ شیخ آدم بنوریؒ کون ہیں اور کہاں ہوں گے؟ دل مطمئن نہ ہوا اور مَیں پھر حجاز کی طرف روانہ ہوگیا۔ دوسری بار پھر خواب میں حضرت سرورِ کائنات ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے بہت تاکید سے فرمایا کہ تمھارے ہادی و مرشد شیخ آدم بنوری نقشبندیؒ ہیں اور ان کی خبر تمھیں لاہور سے مل جائے گی۔ ان کے پاس جاؤ گے تو مراد پالو گے۔ پھر مجھے حضرت شیخ کی شکل و صورت بھی دکھا دی گئی کہ یہ تمھارے پیر و مرشد ہیں۔

چنانچہ مَیں وہاں سے لاہور لوٹ آیا اور حضرت شیخ کے خلیفہ شیخ یار محمد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان سے پکّی خبر مل گئی۔ مَیں نے اُنھیں اپنے واقعات سنائے تو اُنھوں نے

یہ شعر پڑھا:

دست ازطلب ندارم تا کام من برآید

یا تن رسد بہ جانان یاجان زِ تن برآید

(ترجمہ) جب تک آرزو پوری نہیں ہوگی، مَیں چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ یا میرا جسم محبوب تک پہنچ جائے گا یا جسم سے جان نکل جائے گی۔

یہ شعر سُن کر میرے آنسو نکل آئے اور مَیں روتے روتے بنّور کی طرف روانہ ہوگیا۔ مَیں جنگلوں کے ویران راستے سے جارہا تھا کہ اچانک میرے پاؤں مفلوج ہوگئے۔ مَیں نے سفر جاری رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن چل نہ سکا۔ اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو ایک مجذوب دکھائی دیے۔ اُنھوں نے مجھے بلا کر کہا کہ اے عبدالخالق! آگے جارہے ہو، کچھ دیر ہم فقیروں کے پاس بھی آجاؤ۔ مَیں نے اُن کے پاس جاکر عرض کیا کہ مَیں رسولِ کریم ﷺ کے حکم کے مطابق جارہا ہوں، اِس لیے مجھے جانے دیجیے۔ اُنھوں نے کہا کہ کچھ دیر تو بیٹھ جاؤ۔ مَیں بیٹھ گیا تو انھوں نے بہت شفقت ومحبّت سے فرمایا کہ میرے پاس رہ جاؤ۔ مَیں نے سوچا چلو چند دن رہ لیتا ہوں۔ رات کو خواب میں حضرت شیخ بنّوریؒ کی زیارت ہوئی۔ آپؒ نے فرمایا تم اشارت اور بشارت لے کر آرہے ہو تو جلدی آؤ، راستے میں نہ رکو۔ صبح ہوئی تو مَیں نے یہ کہہ کر اجازت مانگی کہ مجھے روانہ ہونے کا حکم ہوا ہے۔ اُنھوں نے بہت منّت سماجت کے بعد اجازت دی۔ رخصت کرتے ہوئے انھوں نے مجھے ایک درہم دیا۔ مَیں نے کہا کہ جب سے فقیری اختیار کی ہے، مَیں نے روپے پیسے کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ کہنے لگے مَیں جانتا ہوں لیکن اِس میں حکمت ہے۔ اِسے جتنا چاہے خرچ کرلینا، یہ کم نہیں ہوگا۔ مَیں نے قبول نہ کیا اور چل نکلا۔

کچھ دن بعد ایک اور مجذوب نے راستہ روک لیا۔ اُن سے بھی بہت اصرار کر کے اجازت لی اور بنّور پہنچ گیا۔ دوپہر کا وقت تھا اور مَیں ہاتھ باندھے دھوپ میں کھڑا تھا۔ حضرت شیخ آدمؒ خلافِ معمول ظہر سے پہلے باہر تشریف لائے۔ اُس وقت آپؒ نے ایسا لباس پہن رکھا تھا، جسے پہن کر کبھی باہر نہیں آئے تھے۔ مَیں نے خواب میں آپؒ کو یہی لباس پہنے ہوئے دیکھا تھا۔ مَیں نے آپؒ کو دُور ہی سے پہچان لیا۔ دوسرے درویش بہت حیران ہوئے کیونکہ اُنھوں نے ایسے وقت میں ایسے لباس میں آپؒ کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ حضرت سے ملاقات کے وقت مٹھائی پیش کی جاتی تو بہتر ہوتا۔ اُسی وقت غیب سے بتاشوں اور حلوے سے بھرا ہوا ایک رومال آ گیا۔ مَیں اُسے پکڑ کر حضرت شیخؒ کی طرف بڑھا۔ آپؒ مجھے دیکھ کر مسکرا دیے اور فرمایا خوش آمدید۔ مَیں نے قدم بوسی کی۔ آپؒ نے بہت نوازش فرمائی۔ ظہر کے بعد فرمایا اے عبدالخالق! چالیس روز آپ پر بہت سختی ہوگی۔ تمام سابقہ کمالات اور حالات ختم ہو جائیں گے۔ اگر آپ نے صبر و تحمل کیا تو اچّھا نتیجہ پائیں گے۔ اِس کے علاوہ بھی آپؒ نے کئی بشارتیں دیں۔ وہ چالیس دن مجھ پر اتنے سخت گذرے کہ اس سے پہلے ایسی تکلیفیں کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ درد و غم کی شدت سے رات دن روتا رہتا۔

بنگر کہ بی تو می گذرانم چگونہ شب
دل خون وسینہ چاک وجگر ریش وجان بہ لب
شب ھم تگون فتادہ بہ ھرسُو کہ بنگری
برحالِ زارم این ھمہ بگریستہ است شب

(ترجمہ) ا۔ دیکھو تمھارے بغیر میری رات کیسے کٹتی ہے۔ دل خون ہوتا ہے، سینہ

چاک، جگر زخمی اور جان لبوں پر آئی ہوتی ہے۔

۲۔خود رات میری حالتِ زار پر اتنا روئی ہے کہ اب تم جدھر بھی دیکھو گے، تمھیں ہر طرف رات اوندھی پڑی ہوئی دکھائی دے گی۔

مَیں اِس عرصے میں کئی بار اجازت لینے کے لیے حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوا مگر آپؒ نے رخصت نہ دی۔ چالیس دن گذر گئے تو مَیں روتے روتے حاضر ہوا۔ آپؒ نے فرمایا: ''جب تک کریم کرم نہ فرمائے، رونے سے کیا ہوتا ہے''؟ میرا دردو غم بڑھ گیا:

گر بہ قدرِ سوزشِ دل چشمِ تر بگریستی
مرغ و ماھی بر دلِ من زارتر بگریستی

(ترجمہ) اگر میری بھیگی ہوئی آنکھیں میرے دل کی جلن کے برابر روتیں تو میرے دل کی حالتِ زار پر پرندے اور مچھلیاں بھی رو پڑتیں۔

مَیں اِسی فکر میں تھا کہ اچانک دریائے الٰہی جوش میں آ گیا اور کریم کے لطف و کرم کے آثار ظاہر ہونے لگے:

تا نگرید کودکِ حلوہ فروش
دیگِ بخشایش کجا آید بہ جوش؟

(ترجمہ) جب تک حلوائی کا لڑکا نہ روئے، بخشش کی دیگ کہاں جوش میں آتی ہے؟

مجھے الہام ہو کہ دُکھی مت ہو۔ مَیں تم میں سے ہوں اور تم مجھ میں سے ہو۔ اس سے میرا دل کچھ تر و تازہ ہوا اور اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھ گئی:

دلا ! زِمحنتِ دوران مباش پژمُردہ

کہ آبِ چشمہء حیوان درونِ تاریکی ست

(ترجمہ) اے دل! زمانے کے دکھ درد سے افسردہ نہ ہو کیونکہ آبِ حیات کا چشمہ اندھیروں میں ہی ہے۔

مَیں نے اپنی یہ خوشی حضرت شیخؒ کی خدمت میں بیان کی۔ آپؒ نے مسکرا کر فرمایا کہ آپ سے بہت سے کام لینے ہیں۔ اس کے بعد آپؒ نے بہت سخت خدمتوں پر میری ڈیوٹی لگا دی۔ روٹی پکانا، شیخ کی خدمت میں ساتھیوں کے حالات اور ان کے استخارے بیان کرنا اور روزانہ تقریباً دو تین سو آدمیوں کی خاطر تواضع میرے ذمّے تھی۔ رات کو بھی مجھے دروازے پر کھڑے کھڑے صبح ہو جاتی تھی۔ رات کو تہجّد کے لیے بیدار ہوتے تو مَیں خدمت کے لیے حاضر رہتا۔ سفر میں بھی خدمت کے لیے ساتھ رہتا۔ درویشوں اور بیماروں کے لیے وضو کا پانی گرم کرتا۔ سفر حضر میں ساتھیوں کی روٹی پکاتا۔ بیماروں اور بوڑھوں کی خبر گیری کرتا۔ اس کے نتیجے میں مجھے بہت روحانی ترقّی نصیب ہوئی۔ مَیں نے حضرت شیخؒ کی خدمت میں نو سال اِسی طرح گذارے۔

شیخ عبدالخالق فرماتے تھے کہ ایک بار مَیں قصور سے بنّور کے لیے روانہ ہوا۔ بہت سے ساتھی میرے ساتھ تھے۔ مَیں نے عہد کر رکھا تھا کہ سفر کے اِن آٹھ دنوں میں کچھ نہیں کھاؤں گا۔ ایک رات، ایک منزل پر مَیں حجرے میں اکیلا تھا کہ ایک خوبصورت نورانی چہرے والے بزرگ دروازہ کھولے بغیر اندر آ گئے۔ اُنھوں نے مجھے دودھ سے بھرا ایک کوزہ دیا۔ مَیں جتنا پی سکتا تھا، پی چکا تو خیال آیا کہ اکیلے پینا اچھا نہیں ہے۔ دوسرے

ساتھیوں کو بھی دینا چاہیے۔ اُنھوں نے کہا نہیں، یہ سارا تمھارا حصّہ ہے، اس میں کوئی اور شریک نہیں ہے۔ چنانچہ مَیں نے سارا دودھ پی لیا۔ وہ بزرگ سلام دے کر غائب ہوگئے۔ دروازہ اسی طرح بند رہا۔ میری کیفیت یہ ہوگئی کہ:

سرّی است دراین بادہ کہ مستان دانند

(ترجمہ) اِس شراب میں کوئی راز ہے جسے مست لوگ ہی سمجھتے ہیں۔

اس سلسلے میں اور بھی بہت سی عجیب وغریب روایات اور کرامات ہیں۔ اگر لکھی جائیں تو کتاب بہت ضخیم ہو جائے گی۔

فرماتے تھے کہ حضرت شیخ بنوریؒ سے جدا ہونے کا میرا ہرگز کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لیکن تقدیر کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے؟ دس سال بعد شیخ بنوریؒ حرمین کو روانہ ہوئے۔ مَیں بھی ساتھ تھا۔ آپ نے مجھے اور اکثر ساتھیوں کو واپس وطن روانہ کر دیا۔ مَیں نے بہت زاری کی مَیں خود ایک مدت سے حجازِ مقدس کی زیارت کا شوق رکھتا ہوں لیکن اب تک جا نہیں سکا۔ حضرت شیخؒ نے بہت اصرار کے ساتھ لوٹا دیا اور فرمایا کہ تم قصور ہی میں رہو، اِسی میں بہتری ہے۔ مَیں تمھیں اپنی جگہ چھوڑے جاتا ہوں تاکہ تم سالکوں کی رہنمائی کرتے رہو۔ اِس دلاسے سے میرے دل کی تسلّی نہ ہوئی۔ آخر آپ نے بہت زور دے کر فرمایا کہ مَیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر تمھیں واپس بھیج رہا ہوں۔ اس میں ہرگز کوتاہی نہ کرنا۔ اگر بالفرض شوق حد سے بڑھ جائے اور تمھاری برداشت سے باہر ہو جائے تو بھی استخارہ کیے بغیر نہ آنا۔ اگر اجازت مل جائے تو چلے آنا ورنہ نہیں۔

جب آپؒ حرمین شریفین چلے گئے اور وہیں وفات پا گئے تو مَیں حرمین کے عشق میں بے اختیار ہو گیا۔ حضرت شیخؒ کے حکم کے مطابق مَیں نے کئی استخارے کیے، کئی بشارتیں

پائیں لیکن روانگی کی اجازت نہ ملی۔ مَیں اسی تذبذب میں تھا کہ شمس الدین خان مرحوم احمد آباد کے صوبہ دار بن گئے۔ اُنھوں نے مجھے بلا کر کہا کہ حرَمین جانے کے لیے بندرگاہیں اور جہاز میرے ماتحت ہیں۔ جو شخص حج کو جانا چاہے، آ جائے۔ مَیں شدتِ شوق سے چل کھڑا ہوا۔ بندرگاہ دیب پر مجھے ایک جہاز میں سوار کرایا گیا۔ بہت سا ساز و سامان بھی درویشوں کے حوالے کر دیا گیا۔ ایک منزل طے کی ہوگی کہ جہاز ٹوٹ گیا۔ ہم کچھ لوگوں کی جان بڑی مشکل سے بچی۔ مجھے حضرت شیخ کی بات یاد آئی کہ جب تک حکم نہ ہو، نہ آنا! اس حادثے کو حضرتؒ کی کرامت جان کر مَیں وطن لوٹ آیا اور پوری دل جمعی سے سالکوں کی خدمت کرنے لگا۔ حرَمین سے، حضرت شیخؒ کی طرف سے اور حضرت سرورِ کونین ﷺ کی طرف سے بہت سی بشارتیں اور عنایتیں پائیں۔

اِس سے پہلے مَیں جب بھی چاہتا تھا، چالیس ابدال اور اقطاب کی صحبت میں حاضر ہو جاتا تھا۔ دنیوی نظام کے اکثر کام مجھ فقیر کے مشورے سے انجام پاتے تھے۔ اِنھی دنوں نظر بہادر کا منصب چھن گیا تو وہ پریشان ہو کر آیا اور بڑے خلوص اور نیاز مندی سے دعا کی درخواست کی۔ مختصر یہ کہ اُس کی عاجزی دیکھ کر مَیں نے ابدال اور اقطاب سے مشورہ کیا اور اُسے پہلے سے بڑے منصب پر فائز کر دیا گیا۔ اِس طرح کی اور بہت سی باتیں بھی ہیں۔ کہاں تک لکھی جائیں!

بعد ازاں مجھ پر سرمستی کا غلبہ رہنے لگا۔ مجھے نہ اپنی خبر ہوتی تھی، نہ دُنیا کی۔ نماز کے وقت میرے کان میں اذان یا تکبیر کہہ دیا کرتے تھے اور مَیں نماز پڑھ لیا کرتا تھا۔ نماز پڑھتے ہی پھر وہی حالت ہو جاتی۔ رات دن اِسی طرح گذرتے رہے۔ کوئی بھی مرید ہونے یا تلقین لینے آتا تو مَیں اس ڈر سے پرہیز کرتا کہ کہیں طالب بے ہوش ہی نہ

ہو جائے۔ جب دس پندرہ لوگ جمع ہو جاتے تو مَیں سب پر اکٹھی توجّہ ڈالتا۔ سب مغلوب ہو کر ذکر کرنے لگتے اور اُنھیں تن من کی ہوش نہ رہتی۔ اس کے باوجود مجھے یہ سرمستی کی کیفیت اچھی نہیں لگتی تھی کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کا طرزِ عمل نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی سنّت تو یہ ہے کہ ہوش و حواس بحال رہیں۔ پیروی رسول ﷺ میں کامل ہونے کی وجہ سے اکابر اولیاء اِسی مرتبے پر فائز رہے ہیں۔

مَیں اِس افسردگی میں بہت کم مُراقبہ کرتا اور اپنے آپ کو تلاوتِ قرآن اور اوراد ونوافل میں مشغول رکھتا تاکہ مدہوشی سے نکل آؤں۔ کبھی کبھی تو مَیں تمام شرائط اور آداب کے مطابق، جلالی و جمالی پرہیز اور قلیل لقمۂ حلال کے ساتھ پچیس بار ''دعائے سیفی'' پڑھا کرتا۔ اسّی بار سورۂ یٰسین، دیگر سورتیں اور رات دن کی اور بہت سی مسنون دعائیں بھی ہمیشہ پڑھتا رہا۔ آہستہ آہستہ مدہوشی کا غلبہ کچھ کم ہوا لیکن عشقِ الٰہی کے غلبے سے رونا اور جلتے رہنا بدستور باقی رہا۔ لگتا تھا کہ ابھی منزلِ مقصود نہیں ملی۔ یہ سوچ کر مَیں نے اور سخت ریاضتیں شروع کر دیں۔ شب و روز جاگ کر گذارتا۔ ایک رسّی لٹکا رکھی تھی۔ جب نیند کا غلبہ ہوتا تو وہ رسّی پکڑ کر کھڑا رہتا۔ کئی برس گھر کے تہ خانے کی تاریکی میں رات دن مراقبے میں گذارے۔ پندرہ سال کی مشقت اور ریاضت سے خود کو جلا کر کباب بنا لیا۔

ایک رات مَیں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے نبی کریم ﷺ کی زیارت کے لیے مدینہ شریف گیا ہوں۔ وہاں مَیں نے ایک عالی شان مکان میں حضرت شیخ آدمؒ کو دیکھا کہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپؒ نے مجھ پر بہت نوازش فرمائی اور پوچھا: ''کیا حال ہے؟ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو؟'' مَیں نے عرض کیا کہ اللہ کا شکر ہے کہ زبان پر اُس کا نام آجاتا ہے، یہی غنیمت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر مدینہ منورہ کی خصوصی نسبت چاہتے ہو تو سرورِ دوعالم

ﷺ کی خدمت میں جاؤ آپ ﷺ اُس حجرے میں آرام فرما رہے ہیں۔ جا کر آنحضرت ﷺ کے دائیں ابرو کو چوم لو۔ جب مَیں خاص حجرے میں گیا تو سرورِ کائنات ﷺ کو لیٹے ہوئے پایا۔ آپ ﷺ بیدار تھے اور خلفائے راشدینؓ درجہ بہ درجہ کھڑے تھے۔ مَیں نے آگے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کے ابرو مبارک کو بوسہ دیا۔ آنحضرت ﷺ نے بہت کرم فرمایا اور اپنی زبان مبارک باہر نکال کر اشارہ کیا کہ اپنے منہ میں لے لو۔ ادب کی وجہ سے مَیں یہ جرات نہ کر سکا۔ آخر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے ہاتھوں سے میرا سر پکڑ کر جھکا دیا۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کی زبان میرے حلق تک آ گئی اور مجھ پر پوری کائنات منکشف ہو گئی۔ میرے گلے میں ابھی تک اس کی لذت باقی ہے۔ مَیں اس کیفیّت پر حیران تھا کہ الہام ہوا کہ ہم نے تمھیں اپنے علم سے لبریز کر دیا۔ جب مَیں بیدار ہوا تو ایک اور کیفیّت پیدا ہو گئی۔ علم، عرفان، ذوق اور شوق میں روز بہ روز اضافہ ہوتا گیا۔ کوئی حجاب باقی نہ رہا۔ لگتا تھا منزلِ مقصود مل گئی ہے۔ بہت سے ایسے مرحلے بھی آئے جو بیان نہیں ہو سکے:

اگر پادشہ بر درِ پیرہ زن
بیاید، تو ای خواجہ سُبلت مکن

(ترجمہ) اگر بادشاہ بڑھیا کے گھر آئے تو اے آقا تم (رنج و حسد سے) اپنی مونچھیں نہ اکھاڑو۔

گرچہ بس دکّان مُزیّن گشت در بازارِ دھر
آن کہ دروی بیع یوسفؑ شد، دکانی دیگر است
زاہد خود بین اگر لافِ محبّت زد، چہ شد؟
ناظرِ رخسارِ جانان را نشانی دیگر است

(ترجمہ) ۱۔ زمانے کے بازار میں اگرچہ بہت سی دکانیں سجائی گئیں لیکن جس میں یوسفؑ کا سودا ہوا، وہ اور ہی دکان ہے۔

۲۔ مغرور زاہد نے اگر محبّت کی ڈینگیں ماریں تو کیا ہوا؟ محبوب کے رخساروں کا نظارہ کرنے والے کی اور ہی نشانی ہوتی ہے۔

ایک اور خواب میں دیکھا کہ مکّہ شریف گیا ہوں اور حج وزیارت کی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی زیارت بھی ہوئی۔ آپ ﷺ مجھ سے بغل گیر ہوئے اور مصافحہ کیا۔ مَیں نے آپ ﷺ کا انگوٹھا اپنی آنکھوں پر مَلا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے مجھے دیکھا، اُس نے حق کو دیکھا۔ پھر فرمایا کہ مَیں نے تم سے مصافحہ کیا ہے۔ اب جو شخص بھی تم سے مصافحہ کرے گا، وہ گویا مجھ سے مصافحہ کرے گا۔ اُس وقت مَیں نے اُن تمام ساتھیوں کو جمع دیکھا جو داخلِ سلسلہ ہو چکے تھے یا ہونے والے تھے۔ سب نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ جب لوگ مصافحے کے لیے آتے تو میرے ہاتھ میں نبی کریم ﷺ کا ہاتھ ظاہر ہو جاتا۔ کافی عرصہ یہی کیفیّت رہی۔ پھر آپ ﷺ نے مجھ سے کہا کہ اُن ساتھیوں کی طرف سے بھی مصافحہ کرلو جو موجود نہیں ہیں۔ مَیں نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس وقت زیادہ مصافحے کرلے اور بعد میں اُن ساتھیوں کو بھی مصافحہ کر کے اس سعادت میں شامل کرلے جو موجود نہیں ہیں، تو وہ لوگ بھی اس نعمت میں شریک ہو جائیں گے۔

شیخ عبدالخالق نے بیان کیا کہ اسی حالت میں مَیں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! اِن دنوں پشاور اور کابل کے افغانوں پر بہت ظلم وستم ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مَیں نے اُن کی مدد کے لیے خالدؓ بن ولید کو روانہ کردیا ہے۔ اُنھی دنوں میں تواتر سے خبریں آئیں کہ افغان غالب آ گئے ہیں۔

نواب قطب خان افغان سے روایت ہے کہ ایک دن مَیں نے شیخ عبدالخالق کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ دعا فرمایئے کہ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ بن جائے۔ مَیں منّت مانتا ہوں کہ ایک گاؤں آپ کی نذر کروں گا۔ انھوں نے اقطاب اور ابدال کے ساتھ مل کر توجہ فرمائی تو دارا شکوہ کا لشکر پسپا ہو گیا۔ پھر انھوں نے اورنگ زیب کی بادشاہت کی دعا کی جو قبول کر لی گئی۔ قطب خان خوشی خوشی آ کر کہنے لگا کہ ہماری آرزو پوری ہو گئی ہے۔ ایک گاؤں آپ کی نذر کرتا ہوں۔ آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ہم نے اللہ کے لیے مدد کی ہے، دنیا کے لالچ کے پیشِ نظر نہیں۔

آپ بتاتے تھے کہ حضرت سیّد آدم بنوریؒ کی خدمت میں حاضری سے پہلے مجھے سماع کا بہت شوق تھا۔ یہاں تک کہ مَیں سماع سُن کر دو تین پہر بے خبر رہتا اور بے حس و حرکت ہو جاتا۔ لوگ مُردہ سمجھنے لگتے۔ ایک بار مَیں چھت پر تھا اور نیچے کچھ مست ملنگ آگ جلا کر گا بجا رہے تھے۔ مَیں گانا سُن کر بے اختیار رقص کرتا ہوا آگ میں جا گرا۔ دو تین گھنٹے کے بعد پتہ چلنے پر مجھے آگ سے نکالا گیا۔ میرا لباس اور جسم آگ سے محفوظ رہے تھے۔ لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ جب مَیں حضرت بنوریؒ کے ہاں باریاب ہو گیا تو سماع کی لگن زائل ہو گئی۔

ایک بار پٹھانوں کے ایک گاؤں کے ایک مالدار نمبر دار افغان نے حضرت شیخؒ اور آپ کے درویشوں کے لیے کھانا تیار کروایا۔ اتّفاق سے اُسی دن کسی اور نے بھی آپ کی دعوت کی تھی۔ تقریباً چار سو درویش تھے اور سب سیر ہو چکے تھے۔ افغان نے دعوت دی تو آپ نے معذرت کی۔ اس نے کہا کہ درویشوں کو بھیج دیجیے۔ حضرت شیخ آدمؒ نے فرمایا کہ تمام درویش پیٹ بھر کر کھانا کھا چکے ہیں۔ اس نے بہت اصرار کیا کہ مَیں نے دو سو آدمیوں

کے لیے طرح طرح کے کھانے بنوائے ہیں۔ آپ ہر حال میں تشریف لائیے تا کہ برکت سے محرومی نہ ہو۔ آپ نے بہت معذرت کر کے مجھے بھیجا۔ افغان نے کہا کہ دوسو آدمیوں کا کھانا تو ضائع ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا یہی درویش کافی ہے۔ کھانا ضایع نہیں ہوگا۔ اگر یہ سیر ہو گیا تو سمجھو کہ ہم سب نے پیٹ بھر کر کھالیا ہے۔ وہ مجبوراً مجھے ساتھ لے گیا۔ سب حیران تھے کہ دوسو آدمیوں کا کھانا ایک اکیلا شخص کیسے کھائے گا؟ وہ سارا کھانا نہ لائے۔ جو کچھ لایا گیا، وہ کھا کر مَیں نے اور طلب کیا آخر وہ سارا کھانا لائے اور مَیں سارے کا سارا کھا گیا۔ دعوت کے لیے جو پانی موجود تھا، وہ بھی سب پی لیا۔ اس کے بعد مَیں کنوئیں پر جا کر اس کا پانی پینے لگا۔ پانی بھرنے والے لوگ تھک ہار گئے۔ فارغ ہو کر جب مَیں بنّور پہنچا تو حضرت شیخ مجھے دیکھ کر مسکرائے۔ سب لوگ حیران تھے اتنا پانی اور کھانا ایک شخص کیسے کھا پی گیا۔ مجھے پتہ بھی نہ چلا کہ وہ کھانا کہاں گیا۔

آپ کے اہلِ خانہ اور کچھ خادموں سے روایت ہے کہ ایک دن گھر میں گھی موجود نہیں تھا اور بچّہ گھی کے لیے روئے جا رہا تھا۔ آپ کو بچّے پر رحم آیا اور گھی والا برتن منگوا کر اُس پر توجہ کی نظر ڈالی اور اُسے ڈھانپ دیا۔ آپ کی اہلیہ نے دیکھا تو برتن گھی سے بھرا ہوا تھا۔ وہ بہت حیران ہوئیں۔ آپ نے اُنھیں تاکید کی کہ یہ بات کسی سے نہ کہی جائے۔ کافی عرصہ وہی گھی استعمال ہوتا رہا اور ختم نہ ہوا۔ آخر ایک دن اہلیّہ محترمہ نے یوں ہی باتوں باتوں میں کسی سے کہہ دیا کہ یہ گھی حضرت کی کرامت سے موجود ہے۔ بس اُس دن سے گھی کم ہونا شروع ہوا اور آخر کار ختم ہو گیا۔

آپ کی عاقلہ، کاملہ بیٹی سے روایت ہے کہ مَیں اپنے شوہر کے ساتھ دکّن گئی ہوئی تھی۔ میرا شوہر کسی مہم پر دور گیا ہوا تھا کہ مَیں بیمار ہو گئی۔ ایک خادمہ تھی وہ مجھے اس

حالت میں چھوڑ کر بھاگ گئی۔ مَیں بے بس اور لاچار ہوگئی اور ماں باپ کو یاد کر کے بہت زیادہ رونے لگی۔

اچانک مَیں نے دیکھا کہ میرے والد آ گئے ہیں۔ اُنھوں نے مجھے تسلّی دی اور ساری خانہ داری اور تیمار داری کا کام سنبھال لیا۔ وہ رات دن میری دیکھ بھال کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میرا شوہر واپس آ گیا۔ والدِ محترم غائب ہوگئے۔ مَیں نے اپنی بیماری، بے بسی اور والد کی خدمت کا ذکر کیا تو میرے شوہر کو بہت تعجب ہوا۔ اُن کے احباب مجھے جھوٹا سمجھنے لگے جب کہ مجھے یقین تھا کہ اُنھوں نے ایک مہینہ میری خدمت کی ہے اور ہم رات دن اکٹھے رہے ہیں۔ اس میں مجھے کوئی شک وشبہ نہ تھا۔ لیکن اکثر منکرین مجھے جھٹلاتے رہے کہ قصور سے دکّن کا فاصلہ ایک ہزار کروہ ہے۔ شیخ عبدالخالق کا وہاں سے روزانہ تمھارے پاس آنا ممکن نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

آپ کے ایک نیک مرید بیان کرتے ہیں کہ مَیں کابل کی طرف جا رہا تھا۔ دریائے اٹک کے بھنور مشہور تھے۔ مَیں اُن میں پھنس گیا۔ بے بسی کی حالت میں مَیں نے شیخ کو یاد کیا۔ اُسی وقت مَیں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آپ ایک پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھے کشتی کی حفاظت کر رہے ہیں۔ اللہ کے کرم اور آپ کی توجّہ سے ہم صحیح سلامت پار اُتر گئے۔

راوی محمد فاضل کا بیان ہے کہ خود مَیں نے بھی آپ کی بہت سی کرامات دیکھی ہیں۔ اگر لکھوں تو کئی دفتر بھر جائیں گے۔ کئی بار مَیں شدید بیمار ہوا اور زندگی سے مایوس ہوگیا۔ مَیں نے دیکھا کہ آپ تشریف لائے ہیں اور میرے بدن پر ہاتھ پھیرا ہے۔ چنانچہ مَیں صحت یاب ہوگیا۔

جب مَیں حجازِ مقدس کی نیت سے نکلا تو اکبر آباد میں شیخ عبداللہ محدثؒ سے ملاقات ہوئی۔ اُنھوں نے بیان کیا کہ تمہارے پیرومرشد شیخ عبدالخالق قصوری کا ایک مرید میرے پاس آیا تھا۔ یوں ہی باتوں باتوں میں اُس نے بتایا کہ شیخ نے مجھے حکم دیا تھا کہ شروع میں ذکر میں مشغول رہو اور کچھ دنوں کے لیے قرآن کریم کی تلاوت نہ کرو۔ جب کہ مجھے تلاوت میں بہت لطف آتا تھا۔ مَیں تلاوت کے بغیر ایک دن بھی نہیں کاٹ سکتا تھا۔ ایک دن مَیں نے قرآن شریف کھول لیا۔ دیکھا تو اس کے حروف غائب تھے اور اوراق بالکل سفید تھے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ شیخ کا باطنی تصرف ہے تاکہ مَیں ذکر میں مصروف رہوں۔ اُس دن کے بعد مَیں نے ذکر اور مراقبے میں خوب ریاضت کی یہاں تک منزل تک پہنچ گیا۔

شیخ محمد فاضل نے اپنے پیرومرشد کے کافی اقوال وملفوظات لکھے تھے۔ ہم نے انھیں مختصر کر دیا ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ ایک بیماری کے دوران، رُوحانی طور پر حضرت امام اعظمؒ عیادت کے لیے تشریف لائے۔ مزاج پُرسی کی اور بہت دعائیں دیں۔ جلد ہی مَیں تندرست ہو گیا۔

آپ بتاتے تھے کہ مجھے حضرت خواجہ بہاء الدّین نقشبندیؒ کی روحانی تربیت نصیب ہوئی ہے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بھی بے حد شفقت فرماتے ہوئے اپنی خصوصی نسبت عطا کی۔

آپ کا ارشاد ہے کہ ہم میں اللہ کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ منصور نے ''انا الحق'' کہا تھا۔ اُن کے اندر انا چھپی رہ گئی تھی۔ مَیں ''حق حق'' کہتا ہوں۔

فرمایا: عارف وہ ہے جو وہ ہو۔ نیز یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

خوش گفت در بیابان رندی دھن دریدہ

عارف خداندارد ، او نیست آفریدہ

(ترجمہ) صحرا میں ایک منہ پھٹ رند نے کیا اچھی بات کہی کہ عارف کا کوئی خدا نہیں ہوتا۔ وہ مخلوق نہیں ہوتا۔

آپ کا قول ہے کہ عارف وہ ہوتا ہے جو نہ ہو اور اگر ہو تو وہی ہو۔

فرمایا: اللہ کے ساتھ ہمارا تعلق ''ہمہ اوست'' اور ''ہمہ از اوست'' سے بالاتر ہے۔

ارشاد ہے: مَیں اللہ کو دیکھتا ہوں۔ ظاہری آنکھوں سے نہیں اور نہ ہی دل کی آنکھوں سے۔ بلکہ اللہ ہی اللہ کو دیکھتا ہے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ میرے وجود کے ہر جزو کو الگ وجود عطا کیا گیا ہے۔ تمام اجزا کو الگ الگ بصیرت دی گئی ہے اور تمام اجزا پر الگ الگ تجلّیات کا ظہور ہوتا ہے۔ ان تجلیات کے سامنے تمام اجزا لحہ بہ لحہ فنا ہوتے رہتے ہیں اور ہر آن نئے اجزا وجود میں آتے رہتے ہیں۔

آپ کا فرمان ہے کہ اولیاء اللہ کو اتنے وجود عطا کیے گئے ہیں کہ جنّت میں اتنی گنجائش کہاں ہوگی۔ بلکہ ان کا ٹھکانا اپنے صاحبِ اقتدار پروردگار کے پاس ہوگا۔

فرماتے تھے: ہمارا اللہ کے ساتھ نہ وصال ہے، نہ فراق، نہ قرب ہے، نہ دوری بلکہ یہ عالم ہے کہ ہم کوئی قابلِ ذکر شے ہی نہیں ہیں۔

آپ کا ملفوظ ہے کہ طالب کو چاہیے کہ صرف اور صرف ذاتِ الٰہی کا طالب

ہو۔تجلیات کا طالب نہ ہو۔اس کے بغیر دیدارِ الٰہی نصیب نہیں ہوتا۔

آپ فرماتے تھے کہ ماضی کو چھوڑ دیجیے کہ گذر گیا ہے اور مستقبل کا فکر نہ کیجیے کہ وہ اللہ کے ہاں موجود ہے۔باقی رہ گیا حال،اس میں اللہ کو یاد کیا کیجیے۔

آپ نبی کریم ﷺ کی حدیث:''لی مَعَ اللہ وقت'' لا یسعنی فیہ مَلَک'' مقرّب'' ولا نبی'' مرسل'''' کے بارے میں فرماتے تھے کہ اکثر حضرات نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ کبھی کبھی اللہ کے ساتھ میری یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اس میں نہ کسی مقرّب فرشتے کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ کسی نبیِ مرسل کی۔لیکن میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ میرا معاملہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ اس میں کوئی فرشتہ یا رسول نہیں سما سکتا۔یعنی اُس حالت میں مَیں خود بھی نہیں ہوتا۔رسولِ کریم ﷺ کی پیروی میں اپنے اللہ کے ساتھ میرا معاملہ بھی کچھ ایسا ہے کہ اُس میں نہ میری کوئی گنجائش ہوتی ہے،نہ دوسرے اولیائے کرام کی۔

آپ کا ارشاد ہے کہ مجھ جیسا کوئی گناہگار نہ ہوا ہے اور نہ کوئی ہوگا۔تعجب کی بات ہے اگر کوئی ہو۔

حدیث''اھل الجنّۃ بلہ'' کی تشریح میں فرماتے تھے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ جنّت کے طالب ہوں گے،وہ سادہ دل اور کم فہم ہوں گے۔

آپ نے فرمایا کہ جو کوئی یہ غلیظ جسم بالکل چھوڑ دے اور اسے اللہ کے ہاتھ بیچ دے،اسے اللہ مل جائے گا اور اس سے بہتر اور کوئی کاروبار نہیں ہے۔

فرماتے تھے کہ نفس ایک گھٹیا چیز ہے اور اسے کسی گھٹیا چیز کے بغیر چین نہیں آتا۔

آپ کا فرمان ہے کہ عام طور پر جو وحدت الوجود مشہور ہے،وہ درمیانے درجے کا

ایک مقام ہے۔اس سے گذرے بغیر ولایت مکمّل نہیں ہوتی البتہ یہ مقلّد کے لیے سراسر مصیبت ہے۔

مصنّف محمد امین بدخشی کہتا ہے کہ راوی محمد فاضل نے دو اوراق پر اپنے حالات بھی لکھے تھے۔اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

وہ لکھتے ہیں کہ میرا حجاز کے سفر کا ارادہ تھا لیکن شرعی طور پر حج فرض نہیں ہوا تھا۔مَیں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت رسولِ کریم ﷺ مجھے طلب فرما رہے ہیں۔مدینہ شریف کے سفر کے دوران، ایک دن نمازکی حالت میں دوبارہ آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی۔آپ ﷺ نے میرے ہاتھ پر دستِ مبارک رکھ کر فرمایا کہ مَیں نے تمھیں ''بیعتِ رضوان'' میں داخل کر لیا ہے۔پھر آنحضرت ﷺ نے آیتِ بیعت بھی تلاوت فرمائی۔راستے میں مجھے جو مشکل بھی پیش آتی تھی، اللہ کی طرف سے کوئی نہ کوئی مدد مل جایا کرتی تھی۔سب سے پہلے مَیں مکّہ معظّمہ پہنچا۔مجھے کعبہ اور حرم سے بہت برکات حاصل ہوئیں۔حضرت خدیجہؓ کے مزار پر حاضری کے دوران اُنھوں نے بھی بہت شفقت فرمائی اور مَیں نے بہت فیض پایا۔اُنھوں نے اپنا دستِ مبارک میرے سر اور پشت پر پھیر کر فرمایا کہ تم میرے فرزند ہو۔

ایک بار حضرت نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میرے اہل بیت میں شامل ہو۔مَیں نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ایک دن طواف کے دوران حقیقتِ کعبہ کی تجلّی بڑی احسن صورت میں ظاہر ہوئی۔مَیں تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گیا۔اس کے بعد مَیں کعبے کو جہاں سے بھی بوسہ دیتا یا لپٹتا، وہی تجلّی ظاہر ہوتی۔مجھے دوبارہ اس نور کی زیارت نصیب ہوئی۔یوں فیوض و برکات سے بہرہ ور ہو کر حجِ اکبر ادا کیا

اور مدینہ منورہ کو روانہ ہوا۔ راستے میں بھی بہت لطف و کرم ہوا۔ وادیِ خیف کے قریب ایک پتّھر نے بتایا کہ مجھ پر نبی کریم ﷺ نے پاؤں رکھا ہے۔ مَیں نے اسے اٹھا کر بوسہ دیا۔ مدینہ شریف کے نزدیک مجھ پر گریہ غالب آ گیا۔ بئرِ علی یعنی ذوالحلیفہ کے مقام پر سرورِ کائنات ﷺ کے روضۂ مبارک کی طرف سے ایک نورانی شعلہ نمودار ہوا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آؤ، آؤ ہم اللہ کے طالبوں کے مشتاق ہیں۔ جب میں مزار مبارک کی زیارت سے مشرّف ہوا تو آپ ﷺ نے اتنی مہربانی فرمائی جو بیان نہیں ہو سکتی۔

ایک بار مَیں نے خواب میں دیکھا کہ سلام اور زیارت کے دوران تمام پردے اٹھا دیے گئے ہیں اور مَیں نے تینوں قبروں کی زیارت کی۔ جب مَیں حضرت سیّد آدم بنّوریؒ کی زیارت کو گیا تو آپؒ نے مجھ سے مصافحہ کیا اور فرمایا کہ تم نے اچھا کیا کہ آ گئے ہو۔ شیخ عبدالخالق کا کیا حال ہے؟ مَیں نے شیخ کی طرف سے سلام عرض کیا۔ آپؒ مسکرا دیے۔ مَیں ہر روز حاضری دیا کرتا اور آپؒ مجھ پر بہت شفقت فرماتے۔ آپؒ نے معرفت کی بہت سی باتیں بھی بیان کیں۔ ایک دن مَیں نے وحدت وجود کے بارے میں پوچھا تو آپؒ نے فرمایا کہ میرا عقیدہ تو وہی ہے جو مَیں بیان کر چکا ہوں اور لکھ چکا ہوں۔ بات وہی ہے جو حضرت علیؓ نے فرمائی تھی کہ اگر پردہ ہٹا بھی دیا جائے تو میرے ایمان و یقین میں اضافہ نہیں ہوگا۔ رخصت کرتے وقت آپؒ نے مجھے سورج مکھی کا ایک پھول دیا اور باطنی نعمتوں سے نوازا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے بھی مصافحہ اور معانقہ کر کے رخصت فرمایا۔ حضرت عباسؓ، امام حسنؓ، امام جعفر صادقؒ اور دیگر اہلِ بیتؓ کے روضے میں بھی کسی ہستی نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ مَیں اُنھیں پہچان نہ سکا۔ سرورِ دوعالم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کے روضۂ مبارک میں مجھے چھ صحابہ کرامؓ کے مصافحے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جنت البقیع میں

مجھے اتنے صحابہ اور تابعین کی زیارت ہوئی کہ جن کی گنتی نہیں ہو سکتی۔ ایسے بے شمار واقعات ہیں۔ ان سب کا لکھنا کاتب کے لیے کوفت کا باعث ہوگا۔

رات کے آخری حصے میں جب مَیں مکہ معظمہ میں داخل ہوا اور طواف کیا تو طرح طرح کی تجلّیات ظاہر ہوئیں۔ حجرِ اسود نے ہماری شہادت قبول کی۔ ایک دن مَیں طواف کے بعد ملتزم میں دعا کر رہا تھا کہ اچانک مجھ میں کعبہ کی حقیقتِ مسجودیّت کی تجلّی ظاہر ہوئی۔ مجھ پر مدہوشی طاری ہوگئی اور یہ دعا تلقین فرمائی گئی:

''الّٰھمّ انّک عفو تحبّ العفو فاعف عنّی ماتقدّم من ذنبی وما تاخّر وانت المقدّم وانت الموخّر''۔

(ترجمہ) ''اے اللہ! بے شک تُو معاف کرنے والا ہے۔ تجھے معاف کر دینا اچّھا لگتا ہے۔ پس میرے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما۔ تُو ہی اوّل ہے اور تو ہی آخر''۔

شیخ فرید پشاوریؒ:

حضرت شیخ بنوریؒ کے اکابر خلفاء میں سے ہیں۔ ان کی توجّہ میں بڑی طاقت تھی اور مریدوں پر آپؒ کی صحبت بہت جلد اثر کرتی تھی۔ ان کا وطن اکبر پور ہے جو پشاور کے نواح میں واقع ہے۔ ان کے والد وہاں چشتیہ سلسلے کے مشہور شیخِ طریقت تھے۔ بہت سے پٹھان ان کے مرید تھے۔ خاص طور پر ملک محبّ خان کا خاندان ان کا پرانا عقیدت مند ہے۔ شیخ عثمان، شیخ لقمان، شیخ عبدالسلام اور بہاء الدین ان کے بھائی ہیں اور سب بہت نیک ہیں۔ ان تمام حضرات نے شیخ بنوریؒ کی خدمت کی۔ آپؒ کی صحبتوں سے فیض پایا اور خلافت سے بھی مشرّف ہوئے۔ یہ تمام حضرات علم و عمل میں کامل ہیں۔ ان حضرات اور ان

کے مریدوں کے ذریعے سے بہت سے افغان نقشبندی سلسلے میں داخل ہوئے اور قلبی حضوری اور باطنی کمال حاصل کیا۔۱۰۵۴ھ میں حج کے لیے آئے۔ بہت سی بشارتیں اور برکتیں پائیں۔کئی عرب بھی آپؒ کے مرید ہوئے۔ مجھ سے بہت محبت رکھتے تھے اور اِس تصنیفی خدمت پر بہت خوشی کا اظہار کرتے تھے۔فرماتے تھے کہ آپ نے ان آخری ایاّم میں حضرت شیخ بنوریؒ کے کمالات سے خوب فیض پایا ہے۔ایسی سعادت کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی۔اس میں سے ہمیں بھی کچھ عنایت کیجیے۔مَیں ان کے حالات پوچھتا تھا تو بتاتے نہیں تھے۔جب مَیں نے بہت زور دیا تو یہ چند صفحے لکھ کر بھیجے:

برادرِ گرامی شیخ محمد امین بدخشی، اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہانوں کی بھلائیوں سے سرفراز کرے۔چونکہ آپ کی نیّت نیک ہے اور آپ طریقت کی خدمت اور سالکوں کی ترغیب کے لیے یہ سب کچھ کر رہے ہیں، اس لیے مَیں نے مجبور ہو کر آپ کی خاطر نہایت مختصر کر کے یہ تحریر لکھی ہے۔

معلوم ہو کہ مَیں شروع شروع میں اپنے والدِ مرحوم کی طرف سے چشتی سلسلے میں نسبت رکھتا تھا۔والدِ محترم بڑے صاحبِ نظر تھے۔اُن کی تلقین سے بہت سی کیفیتیں نصیب ہوئیں جن کا لکھنا ضروری نہیں ہے۔والدِ بزرگوار کی وفات کے بعد بڑی شدّت سے خیال آنے لگا کہ افسوس! ناقص رہ گیا ہوں۔اسی حیرانی و پریشانی میں تھا کہ ایک شخص نے آ کر بتایا کہ مَیں نے خواب میں تمھیں سرھند کے بازار میں مست پڑے ہوئے دیکھا ہے۔لوگوں کا ہجوم تمھاری طرف راغب ہے اور تم نے اپنی سُرخ آنکھوں سے مجھے دیکھ کر کہا ہے کہ ''میرا حصہ اِسی علاقے میں تھا''۔

مَیں ہمیشہ اپنے والد کی جُدائی میں اداس رہتا تھا۔ایک رات کو مجھے خواب میں

ان کی زیارت ہوئی۔انھوں نے پوچھا کہ افسردہ کیوں ہو؟ مَیں نے کہا کہ افسردہ کیوں نہ رہوں کہ ناقص رہ گیا ہوں، کوئی تربیت کرنے والا نہیں ہے۔ اُنھوں نے فرمایا: ''تسلّی رکھو، تمھارا حصّہ موجود ہے''۔ اِسی دوران میں مَیں نے حضرت شیخ بنّوری کی شہرت سُنی۔ آپؒ کے اکثر مریدین آتے اور آپ کے کمال اور استقامت کی باتیں سناتے۔ مسلسل یہ باتیں سُن سُن کر میرا شوق بڑھ گیا۔ چنانچہ مَیں نے استخارہ کیا۔ والدِ مرحوم کی زیارت ہوئی۔ اُنھوں نے پوچھا: ''کیا ارادے ہیں؟ مَیں نے کہا: ''حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کے خلیفہ شیخ آدم بنوریؒ کے فضل وکمال کی خبریں سُنی ہیں''۔ اُنھوں نے فرمایا: ''مبارک ہے!'' اگلے دن مَیں کسی کو بتائے بغیر، چپکے سے نکل کھڑا ہوا۔

جب مَیں رُہتاس پہنچا تو حضرت سیّد آدم بنوریؒ کی زیارت ہوئی۔ آپؒ نے بہت شفقت فرمائی اور مجھے ایک قیمتی خلعت پہنائی۔ اس اثناء میں مجھے کئی عجیب وغریب مشاہدے ہوئے، جن کا ذکر بہت طویل ہوجائے گا۔ سرھند پہنچا تو صاحبزادگان نے بہت کرم فرمایا۔ چوں کہ مجھے حضرت شیخؒ کی شکل وصورت کی زیارت ہوچکی تھی، اس لیے مَیں وہاں سے بنّور کے لیے روانہ ہوا۔ جُوں جُوں قریب پہنچتا جاتا تھا، اشتیاق بڑھتا جاتا تھا۔ آخر حضرتؒ کی قدم بوسی سے دل کوسکون مل گیا۔

کچھ دن آپؒ نے بالکل کچھ نہ کہا، البتہ یہ نصیحتیں فرماتے رہے کہ اولیائے کرام بہت سے ہیں۔ خاص طور پر آج کل تو سرھند میں صاحبزادگانِ والا شان ظاہری وباطنی کمالات کے حامل ہیں۔ لوگ ہمارے متعلق اچھا گمان رکھتے ہوئے ہماری طرف چلے آتے ہیں اور اپنے حُسنِ ظن ہی کی بدولت ذوق وشوق حاصل کرلیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جب آپؒ نے مجھ میں کوئی تذبذب نہ دیکھا تو اپنے محرم ومقرب خادم شیخ ابوالفتح سے کہا کہ

اسے استخارے کا کہو۔ جب مَیں نے آپ کے حکم سے استخارہ کیا تو دل کو بہت ذوق محسوس ہوا۔ آدھی رات کے بعد مَیں نے دیکھا کہ حضرت شیخؒ نے مجھے خلعت پہنائی ہے۔ اگلے دن صبح، اشراق کے بعد آپؒ نے کہا: "مبارک ہو، خوشخبری ہے"۔ چونکہ مَیں نے تازہ وضو کر رکھا تھا، اس لیے آپ نے اُسی وقت مجھے سلسلۂ نقشبندیہ کی تلقین کی۔ آپؒ کی توجّہ کے جو اثرات میں نے دیکھے، اُن کا اظہار ممنوع ہے۔ آپؒ کے طفیل چالیس ہی دنوں میں شہود، حضور اور سلطان ذکر جیسے احوال طاری ہوئے کہ مَیں حیران رہ گیا۔ مَیں نے آپؒ کی خدمت میں صورتِ حال بیان کی تو فرمایا: "ایسے احوال کہیں اور چالیس برسوں میں میسّر نہ آتے"۔ اس مدّت میں آپؒ نے نقشبندی سلوک طے کرادیا۔

ایک دن مَیں نے عرض کیا کہ اگر مَیں تدریجاً راہِ سلوک طے کروں تو کیسا رہے گا؟ آپ نے فرمایا: "آپ کا معاملہ تدریج سے آگے نکل گیا ہے۔ جس کی مُراد جلدی پوری ہو رہی ہو اُسے تدریج کی کیا ضرورت ہے"؟ ان دنوں کئی عجیب وغریب واقعات بھی ہوئے، جنھیں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس زمانے میں سونے اور کھانے پینے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ شام سے صبح تک، رات دن مراقبے میں گذرتے تھے۔ چالیس دن بعد آپؒ نے مجھے خلافت واجازت عطا فرمائی۔ مَیں نے عرض کیا کہ مجھ میں یہ قابلیّت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے آپ کو کیا غرض ہے؟ اس کے بعد آپؒ نے مجھ سے خصوصی خلوت منعقد کی اور بہت عنایات فرمائیں جن کے بیان سے مَیں عاجز ہوں۔ اس محفل کی ایک گھڑی بھی سوسال سے بڑھ کر ہے۔ اُس دن کے بعد سے معاملہ ہی کچھ اور ہوگیا۔ اس سے پہلے کی کیفیتیں بھی اگرچہ بہت پُر لطف تھیں لیکن عالمِ خَلق ہی سے تعلّق رکھتی تھیں۔ جب کبھی مجھے کوئی مشکل پیش آتی، مَیں تنہائی میں آپؒ سے پوچھ لیتا۔ آپؒ مجھے

خوب مطمئن فرماتے اور کہتے کہ ایسے احوال کم ہی میسّر آتے ہیں۔ آپ کو تو مفت میں ہی مل گئے ہیں۔

اِس کے بعد آپؒ نے مجھے رخصت کیا اور تبرّک بھی عنایت فرمایا نیز تاکید کی کہ جو کچھ حاصل کیا ہے، اسے سالکوں سے بچا کے نہ رکھیے گا۔ جب مَیں گھر پہنچا تو بھائی صاحبان اور والدِ مرحوم کے خلفاء مغموم ہوگئے کیونکہ وہ چشتی سلسلے سے منسلک تھے۔ اُنھوں نے ہم سے شفقت نہ کی لیکن بہت سے طالبانِ صادق نے مجھ سے رجوع کیا۔ مَیں جسے بھی مشغول کرتا، اس پر کیفیّات طاری ہوجاتیں اور اسے بہت لطف آتا۔ لوگوں کا رجوع دیکھ کر بھائیوں اور مخالفوں نے خوب ہنگامہ کھڑا کر دیا اور مجھے دیس نکالا دینے پر متّفق ہوگئے۔ اچانک حضرت سیّد آدم بنّوریؒ بہت غصّے کی حالت میں اُن پر ظاہر ہوئے۔ سب ڈر گئے۔ ان میں سے برادرم شیخ لقمان نے مجھ سے تلقین لی اور خوب تاثیر دیکھی۔ تمام مخالفین حیران رہ گئے۔ اس کے بعد تمام بھائی بہنیں اور ان کی اولاد میرے ہاتھ پر نقشبندی سلسلے میں بیعت ہوگئے۔

لوگوں کا رجوع میری طرف بہت بڑھ گیا۔ مَیں جس پر توجّہ ڈالتا، اگر اُس پر کوئی اثر ہوتا تو بھی مجھے معلوم ہوجاتا اور اگر کوئی اثر نہ ہوتا تو بھی مجھے پتا چل جاتا۔ پیری مریدی خوب چل نکلی۔ آخر حضرت شیخ کی زیارت کا شوق غالب آگیا اور مَیں بیس دن کا سفر بہت کم دنوں میں طے کر کے آپؒ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ آپؒ نے بے پناہ لطف وکرم فرمایا۔ ایک دن مَیں نے عرض کیا کہ یا حضرت! مَیں جس پر بھی توجّہ ڈالتا ہوں، مجھے اس کی تاثیر بھی معلوم ہوجاتی ہے۔ آپؒ نے فرمایا: ''قَلْبُ الْمُؤمِنِ مَرآۃُ الْمُؤمِنْ '' (مومن کا دل دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہوتا ہے)

ایک دن ایک عبادت گذار جوگی ملا۔ساتھیوں نے کہا کہ یہ جوگی صاحبِ کشف ہے۔حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ کشف کس کام کا؟ اصل چیز تو اسلام اور دین داری ہے اور یہ اس سے محروم ہے۔اس کے بعد آپؒ نے فرمایا کہ ساتھیوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنھیں بڑے بڑے کشف ہوتے ہیں لیکن وہ ان کا یقین نہیں کرتے۔

آخر کار میرے دل میں شوق پیدا ہوگیا کہ حضرت شیخؒ کے پاس کئی جبّے اور خرقے ہیں۔آپ اپنی وہ خاص گدڑی مجھے عطا فرمادیں جس پر حضرت رسالت مآب ﷺ نے ہاتھ پھیرا ہے۔آپؒ میرے دل کی خواہش سے آگاہ ہوگئے۔آپؒ نے مجھے جُبّہ دینے کے لیے طلب کیا۔جب مَیں حاضر ہوا تو آپؒ نے وہ خاص گدڑی مجھے عنایت فرمادی۔اُس وقت میرے پاس کچھ اشرفیاں تھیں جو کسی ضرورت سے بچ گئی تھیں اور ان کی تعداد میرے علاوہ کسی کے علم میں نہیں تھی۔حضرت شیخؒ نے باقاعدہ اُن کی تعداد بیان کر کے فرمایا کہ اِتنی اشرفیاں حجاز کے سفر میں خرچ کی جانی چاہئیں۔مَیں اِس کشفی کرامت پر حیران رہ گیا اور اپنے آپ سے کہا کہ کشف تو آسان سی بات ہے جب کہ حضرتؒ کا مرتبہ بہت بلند ہے! آخر جب میں مکہ و مدینہ حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ حضرت شیخؒ کی بشارت اب پوری ہوئی ہے۔

جب مَیں دوسری بار آپؒ سے رخصت ہو کر وطن لَوٹا تو میری زبان سے معرفت کی ایسی ایسی باتیں نکلتی تھیں کہ لوگ دنگ رہ جاتے تھے۔لوگ جو کچھ بھی پوچھتے، میرے پاس جواب تیار رہتا۔ایک دن مَیں نے حضرت شیخؒ سے پوچھا کہ الہام کیا ہوتا ہے؟ آپؒ نے فرمایا: ”قلبی الہام یہی ہوتا ہے کہ کئی سوالوں کے جواب بہ یک وقت دل میں اُتر آتے ہیں“۔

ایک بار حضرت شیخ بنوریؒ اپنے پیرومرشد کے عرس میں شرکت کے لیے سرھند شریف روانہ ہوئے تو آپؒ نے اکثر ساتھیوں کو ساتھ جانے سے روک دیا۔ مقصد یہ تھا کہ مُریدوں کے گروہ کے ساتھ پیرزادگان کی خدمت میں جانا بے ادبی ہے۔ لہذا اکثر درویش بنّور ہی میں رہ گئے۔ مَیں آپؒ کے ساتھ تھا۔ آپؒ سورۂ یٰسین کی تلاوت کرتے رہے۔ اچانک بیچ میں آپؒ نے معرفت کی باتیں شروع کر دیں۔ مجھے خیال آیا کہ تلاوتِ قرآن کے بیچ میں اور باتیں کرنا تو مناسب نہیں۔ آپؒ میرے اس خیال سے آگاہ ہو گئے اور فرمایا: ''اللہ کی قسم کہ مَیں اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کرتا۔ جو کہا جاتا ہے، وہی کرتا ہوں اور جو کہلوایا جاتا ہے، وہی کہتا ہوں''۔

در پسِ آینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آن چہ اُستادِ ازل گفت بگو ، می گویم

(ترجمہ) مجھے طوطے کی طرح آئینے کے پیچھے رکھا گیا ہے۔ اُستادِ ازل جو کچھ کہنے کا حکم دیتا ہے، مَیں وہی کہتا ہوں۔

جب سرھند پہنچے تو آپؒ نے فرمایا کہ ساتھی مجھ سے الگ ہو جائیں تاکہ مَیں اکیلا صاحبزادگان کی خدمت میں حاضری دوں۔ چنانچہ مَیں بھی الگ ہو گیا۔ احباب اِدھر اُدھر شہر میں گھومنے پھرنے لگے۔ مجھے خیال آیا کہ مَیں تو نیا آیا تھا۔ حضرت شیخؒ نے مجھے کیوں اکیلے چھوڑ دیا؟ یہ خیال آیا ہی تھا کہ آپؒ نے مجھے بلوا لیا اور کہا کہ آپ سے کس نے الگ ہونے کو کہا تھا؟ مَیں شرمندہ ہوا لیکن دلی تسلی ہو گئی۔

عرس کے بعد بنّور کی طرف روانہ ہونے لگے تو کچھ ساتھیوں نے سوچا تھا کہ سرھند میں صاحبزادگان کی خدمت میں رہنا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ یہاں علمِ ظاہری حاصل

کرنے کا بندوبست بھی ہے اور علم باطنی بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ حضرت شیخؒ نے ساتھیوں کو جمع کر کے اشارتاً فرمایا کہ ساتھیو! مَیں تو ایک عام بے علم آدمی ہوں اور ہمارے پیرزادہ صاحبان بڑے بزرگ اور ظاہری و باطنی کمالات سے آراستہ ہیں۔ آپ میں سے جو طالبِ حق بھی شریعت اور طریقت میں کمال حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ یہیں رہ جائے۔ کیونکہ ان حضرات کے پائے کا اور کوئی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں کوئی بھی ہم سے شرم نہ کرے۔ بخدا اس معاملے میں کوئی تکلّف نہیں ہے۔ جو صاحب بھی یہاں رہنا چاہیں گے، مَیں خود اُن کے ساتھ جا کر صاحبزادگان کی خدمت میں سفارش کروں گا۔ آپؒ نے اِس طرح کی بہت سی باتیں کیں۔ بہرحال جس کا جہاں نصیب تھا، وہ وہاں کسبِ کمال کرتا رہا۔

مصنّف کہتا ہے کہ یہ بات آپؒ کے انصاف کی دلیل ہے اور اس سے آپؒ کی عاجزی اور خلوص کا پتہ چلتا ہے۔ آج کے دور میں اپنے مریدوں سے ایسی بات کم ہی کوئی کرتا ہوگا۔ واقعی بزرگ اِسی طرح حق شناسی کرتے ہیں اور جھوٹے دعوے دار دکان چمکاتے ہیں۔ مَیں کئی سال سرہند میں رہ کر علم حاصل کرتا رہا۔ اِس عرصے میں مَیں نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں سُنی جس سے کسی کی تحقیر ہوتی ہو۔ بلکہ سب حضرات ایک دوسرے کی بے حد تعظیم کرتے تھے۔ خاص طور پر مَیں نے رمضان ۱۰۵۱ھ میں حضرت مخدوم و مرشد خواجہ محمد معصومؒ کے ساتھ خلوت میں اعتکاف کیا۔ اس میں مجھے بہت لطف آیا۔ اس کے باوجود کبھی کبھی دل میں بنّور کا اشتیاق بڑھ جاتا تھا۔ ایک بار حضرت خواجہ محمد معصومؒ اچانک میری دلی کیفیت سے آگاہ ہوگئے۔ آپؒ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: ''میاں شیخ آدمؒ بہت بزرگ ہیں۔ اُن کی صحبتیں بڑی بھرپور ہوتی ہیں۔ سُنا ہے کہ اب تو وہ یہ بھی کہتے ہیں

کہ ہمارا مرتبہ حضرت میراں محی الدین گیلانیؒ سے بھی بڑھ گیا ہے۔ اگر واقعی ایسا ہے تو پھر تو کیا ہی کہنے! اگر آپ اُن کے ہاں جانے کی خواہش رکھتے ہیں تو کوئی رکاوٹ نہیں ہے"۔ پھر آپؒ نے کئی بار یہ ترغیب دُہرائی۔ اس سے حضرت خواجہ محمد معصومؒ کا انصاف اور نیک نفسی جھلکتی ہے۔ آخر انھی کی اجازت سے مَیں حضرت بنّوریؒ کی خدمت میں مشرف ہوا۔ مصنّف کی بات ختم ہوئی۔

بنّور واپس جاتے ہوئے، شیخ زینؒ کے گاؤں میں بارش نے آلیا۔ وہاں کے باشندوں نے اپنے گھروں میں آنے کی دعوت دی، جسے آپؒ نے قبول نہ کیا۔ کیونکہ فضا میں گوبر کی بُو پھیلی ہوئی تھی۔ آخر آپؒ نے شیخ زینؒ کے روضے کے دروازے کے پاس رات گذاری۔ آدھی رات کے قریب فرمایا کہ روشنی لائیے۔ روشنی لائی گئی تو فرمایا کہ ذرا دیکھیے گا، چھت میں کوئی سانپ ہے۔ ہم نے اُسے ڈھونڈ کر مار دیا۔ آپؒ نے فرمایا کہ اِس سانپ کے بیوی بچّے بھی ہیں۔ ہم نے ڈر کے مارے تمام سوراخ بند کر دیے۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور سانپ نکل آیا۔ لوگوں نے بہت کوشش کی کہ آپ چارپائی پر بیٹھ جائیں۔ لیکن آپؒ نہ مانے اور زمین پر بچھے ہوئے مصلّے پر ہی رات گذار دی۔ ہم بہت حیران ہوئے کہ ایسا سانپ تو دن میں بھی دکھائی نہیں دیتا، آپؒ نے رات کے اندھیرے میں کیسے دیکھ لیا؟

بنّور پہنچے تو مَیں نے عرض کی کہ مُلّا عبدالکریم ایک نیک عالمِ دین ہیں اور میرے وطن سے آپؒ کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ آپؒ نے کوئی خاص توجّہ نہ دی۔ جب ملاقات ہوئی تو آپؒ نے اُن پر بہت شفقت فرمائی۔ اگلے دن مَیں نے مُلّا صاحب کے احوال بیان کیے۔ آپؒ نے مراقبہ کر کے توجّہ کی اور پھر سر اٹھا کر چل پڑے۔ مَیں نے دوبارہ اُن کے حالات بیان کیے تو آپؒ نے فرمایا کہ ان کا ذہن بہت پراگندہ ہے۔ اثر

ہونے میں دیر لگے گی۔ مَیں نے یہ بات مولانا عبدالکریم کو بتائی تو اُنھوں نے تائید کی کہ بالکل صحیح ہے۔ اُس دن واقعی میرے دل و دماغ میں بہت وسوسے تھی۔ آخر حضرتؒ کی توجہ کی برکت سے وسوسے آہستہ آہستہ ختم ہوگئے لیکن اُنھیں زیادہ کیف و سرور نہ ملا۔

مؤلف کا بیان ہے کہ ہمارے استاد مرحوم مولانا یوسف پشاوری کو تو ذوق و شوق بھی اچھا خاصا حاصل ہوگیا تھا۔ شروع شروع میں اُنھوں نے علم کا خوب زور دِکھایا اور بہت بحث مباحثہ کیا لیکن آخر کار اُن پر باطنی کیفیت غالب آ گئی۔ دوسری بار آئے تو با کمال ہو چکے تھے، خلافت یاب ہو کر گئے۔ مَیں نے پشاور اور یوسف زئی میں دونوں حضرات کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کیا ہے۔ بے شک دونوں حضرات اپنے علاقے کے عظیم ترین علماء میں سے تھے اور عمل، تقویٰ اور فیض رسانی میں بے مثال تھے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ یہ ہمیشہ مجھے سرہند شریف کی ترغیب دیتے رہتے تھے، جب کہ خود بنور سے فیض یاب ہوئے۔ لیکن مُلّا یوسف لاہوری اشاروں کنایوں میں بنور کا شوق دلایا کرتے تھے۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اُن کی برکت سے سرہند اور بنور دونوں جگہوں سے فیض ملا اور مَیں نے دونوں جگہوں کی خدمت کی۔

شیخ فریدؒ نے اپنے رسالے میں اپنے مکاشفے بھی لکھے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ جب مَیں حج کے ارادے سے نکلا تو سورت کی بندرگاہ پر مَیں نے بہت واضح خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخؒ وفات پا گئے ہیں۔ چنانچہ مَیں نے وہیں سے لوٹ جانا چاہا۔ الہام ہوا کہ حرمین کے دروازے سے واپس چلے جانا مناسب نہیں ہے۔ ناچار بحری جہاز پر روانہ ہوا۔ مکہ اور مدینہ کی برکتیں ظاہر ہونے لگیں۔ ساتھیوں کے ہمراہ یمن کے خشکی کے راستے سے مکہ شریف میں داخل ہوا۔ وہاں کی برکات بیان سے باہر ہیں۔

ایک دن صُبح کے مراقبے کے بعد مَیں حطیم کے پاس بیٹھا تھا۔ساتھیوں کے احوال ذہن میں آرہے تھے کہ اچانک بیت اللہ شریف سے ایک نور ظاہر ہوا جس نے پورے حرم کو گھیرے میں لے لیا۔مَیں نے دیکھا کہ مقامِ ابراہیمؑ کے پار اولیاء اللہ صف باندھے کھڑے ہیں۔حضرت شیخ آدمؒ پہچانے جارہے ہیں جب کہ دوسرے اولیائے کرام کی شناخت نہ ہوئی۔اسی اثناء میں مجھ سے وابستہ تمام برادرانِ طریقت بھی دکھائی دیے۔وہ اِس نورانی منظر میں بیت اللہ شریف کا طواف کررہے تھے۔پھر فوج در فوج بہت سے لوگ بھی ان میں شامل ہوگئے اور طواف کرنے لگے۔میرے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ لوگ حضرت آدم بنّوریؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور آپؒ کے صاحبزادگان کے براہِ راست یا بالواسطہ مرید ہیں۔یعنی سب نقشبندی تھے۔ساتھ ہی ایک اور صف بنی ہوئی تھی۔اُس میں وہ ساتھی تھے جنھوں نے ایک دوسرے سے بھی فیض پایا تھا۔ان میں محمد فاروق اور محمد امین سب سے آگے تھے۔یہ تمام لوگ خاص مطاف میں طواف کررہے تھے لیکن تین ساتھی، جو مجھ سے بیعت تھے، حرم کے باہر طواف کررہے تھے۔مَیں نے بہت کوشش کی لیکن معلوم نہ ہوا کہ یہ لوگ حرم سے باہر کیوں ہیں۔پھر مجھے یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ یہ نور، کعبہ شریف کی لطیف صُورت ہے۔جب کچھ افاقہ ہوا تو طبیعت تروتازہ ہوگئی۔بہت سے خدشے دور ہوگئے اور دل کو اطمینان ہوگیا۔

جب مدینہ منوّرہ روانہ ہوئے تو چاہِ مجنوں کے قریب، اونٹ پر سفر کرتے ہوئے کعبے کی وہی نورانی صورت پھر ظاہر ہوئی۔وہ سب طواف کرنے والے بھی دکھائی دیے۔اب کے یہ منظر پہلے کے مقابلے میں زیادہ واضح تھا۔اُن تین ساتھیوں کا معاملہ بھی کچھ پتہ چلا جو حرم سے باہر طواف کررہے تھے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بیت اللہ کی لطیف صورت ہے

جو اکثر اولیاء کو دِکھائی دیتی ہے۔ بعض لوگ اسی کو حقیقتِ کعبہ سمجھ لیتے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حقیقتِ کعبہ اور چیز ہے اور کعبہ کی لطیف نورانی صورت ایک اور چیز ہے۔ مدینہ منورہ میں حاضر ہوا تو حضرت رسولِ مقبول ﷺ کی طرف سے بہت عنایات ہوئیں جن کی تفصیل کا بیان مناسب نہیں۔ حضرت شیخؒ نے بھی بہت لُطف و کرم کیا۔

حضرت شیخؒ کے طفیل ہی یمن کے ایک نیک شخص نے مجھے بشارت دی کہ مَیں حضرت نبی اکرم ﷺ کے سر مبارک کی طرف واقع ستون کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے تمھاری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کا مرتبہ اِس بڑی قندیل کی طرح ہے۔ یہ قندیل مواجہہ شریف کی طرف لگی ہوئی ہے اور اس کی روشنی سے ہزاروں لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ وہ یمنی شخص بزرگوں میں سے ہیں۔ لوگوں نے اُن سے بہت سے باطنی فوائد پائے ہیں۔ عام لوگ اُنھیں کم ہی جانتے ہیں۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ مومنوں کی بشارت امید افزا ہوتی ہے خاص طور پر جب نیک لوگ بشارت دیں۔ نبی کی طرف سے دی جانے والی بشارت میں تو کوئی شک ہی نہیں ہوتا۔ حدیث شریف میں ہے کہ نیک آدمی کے خواب سچّے ہوتے ہیں، خواہ ان میں خود اُس کے لیے بشارت ہو یا دوسروں کے بارے میں خوشخبری ہو۔ اور اچھے خواب نبوت کے اجزا میں سے ایک حصّہ ہیں۔ انبیاء کے خوابوں کا صحیح ہونا تو قطعی ہے۔ اب شبہ اِس بات میں ہے کہ اس یمنی شخص کا خواب رویائے صالحہ کے زُمرے میں آتا ہے یا نہیں؟ رویائے صالحہ کی کچھ شرائط، آداب اور علامات ہیں جو خوابوں کی تعبیر کے علم میں بیان کی جاتی ہیں۔ اولیائے کرام گناہوں سے محفوظ اور صاحبِ علم و فراست ہوتے ہیں۔ ان کے خواب بھی قابلِ اعتماد ہوتے ہیں۔ دوسرے لوگوں کے خوابوں میں شبہے کی گنجائش ہوتی ہے۔ کئی

بار تجربہ ہوا ہے کہ مکاشفے کے مقابلے میں خواب زیادہ سچے ہوتے ہیں کیونکہ خواب، انسانی تصرف سے محفوظ ہوتے ہیں جب کہ مکاشفے محفوظ نہیں ہوتے۔ اِس ناچیز کو بھی اِس قسم کی کئی بشارتیں دی گئیں۔ خاص طور پر مدینہ شریف میں ایک شخص نے روضۂ رسول ﷺ کے حوالے سے ایک عجیب سا خواب بیان کیا۔ چونکہ بتانے والا ذرا لالچی قسم کا آدمی تھا، اس لیے مَیں نے یقین نہ کیا۔ واللہ اعلم۔

شیخ فریدؒ لکھتے ہیں کہ آغازِ سلوک کے دنوں میں مجھے خیال آیا کہ کشف کس طرح ہوتا ہے؟ مَیں نے حضرت شیخؒ سے اس کے بارے میں پوچھا۔ آپؒ نے مجھے ایسا طریقہ بتایا جس پر عمل کرنے سے مکاشفہ ہو جاتا تھا۔ اگر کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی یا کوئی فوت ہو جاتا تو مجھے علم ہو جاتا۔ کبھی کبھی کشفِ قبور اور کشفِ قلوب بھی ہو جاتا تھا۔ لیکن ان مکاشفوں سے طبیعت میں انتشار ہی پیدا ہوتا اور ذوق وشوق، حضوری اور ارتکازِ توجہ میں کمی محسوس ہوتی۔ چنانچہ مَیں اس صورتِ حال پر نادم ہوا اور دعا کی کہ یہ ختم ہو جائے۔ آخر آہستہ آہستہ اس کا خاتمہ ہو گیا۔

شیخ فرید کی تحریر مکمل ہوئی۔

راقم کہتا ہے کہ شیخ فرید کی یہ بات ان کی بہترین کیفیت کی عکاسی کرتی ہے۔ اکثر قدیم وجدید اولیاء نے اس کی تائید کی ہے اور یہ شیخ فریدؒ کے طالبِ صادق ہونے کی دلیل ہے۔

آپ حج مکمل کر کے ہندوستان تشریف لے گئے۔ ۱۰۵۴ھ میں اجمیر میں وفات پائی۔ ان کا مزار پتیل تالاب سے تھوڑی دور مشرق کی طرف واقع ہے اور اس پر نشانی کے طور پر کچھ پتھر رکھ دیے گئے ہیں۔ آپؒ کی ولایت اور قبولیت کی نشانیاں بہت واضح

ہیں۔اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو!

ان کے بھائیوں میں سے شیخ عثمان وغیرہ ان کے قائم مقام کے طور پر سالکوں کی تربیت اور شریعت وطریقت کی ہدایت میں مصروف ہیں۔اللہ تعالیٰ انھیں سلامت رکھے! شیخ فریدؒ کے مریدین اب تک عجیب وغریب فوائد اور مشاہدات بیان کرتے ہیں۔ان سب کے لکھنے سے تحریر بہت طویل ہوجائے گی۔ہمارے پیشِ نظر اختصار ہے۔شیخ فریدؒ کے مناقب بہت ہیں۔ان کے لیے الگ کتاب لکھی جانی چاہیے۔

شیخ امید علی گوالیاری پوربیؒ:

حضرت سیّد آدم بنوریؒ کے صاحبِ معرفت خلفاء میں سے ہیں۔آپ نے شیخ کے ساتھ ہجرت کی اور حرمین شریفین میں حضرت شیخؒ کی وفات تک آپ کے ساتھ رہے۔آپ معرفت کی باتوں اور دینی ودنیوی معاملات میں حضرت شیخؒ کے مشیر تھے اور شیخ کی موجودگی میں لوگوں کو مرید کیا کرتے تھے۔وضع قطع فقیرانہ تھی۔حُسنِ اخلاق اور دُکھی دلوں پر شفقت میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔حضرت شیخؒ کی وفات کے بعد آپ نے اپنے وطن گوالیار کو چھوڑ کر پورب میں رہائش اختیار کی۔اس علاقے کے لوگ آپ کی قناعت ،استقامت،علم اور عمل دیکھ کر معتقد ہوگئے۔آپ کے اہلِ خانہ،بچوں،دامادوں اور برادری کے لوگوں پر آپ کی صحبت کے اچھے اثرات دیکھ کر ہر خاص وعام کا رجوع آپ کی طرف ہوگیا۔بہت سے لوگ آپ سے معرفت اور صفائے باطن حاصل کرکے،اِدھر اُدھر کے علاقوں میں لوگوں کی رشد وہدایت میں مشغول ہیں۔آپ بھی حضرت شیخؒ کی طرح فقیروں،درویشوں،مہمانوں اور بال بچے میں ایک ہی طرح کا کھانا برابر مقدار میں تقسیم

کرتے ہیں۔آپ کے لنگر میں امیروں اور غریبوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا۔خادموں، محنت کرنے والوں اور بھوکوں کو زیادہ کھانا بھی دے دیتے ہیں۔

آپ شریعت، طریقت اور حقیقت کے علوم کا درس دیتے ہیں۔''فصوص الحکم'' اور ''فتوحاتِ مکّیہ'' سے بہت متاثر ہیں اور تشریح کے ساتھ ان کا درس بھی دیتے ہیں۔کثرتِ توجّہ کی بنا پر آپ کو کامل اولیاء کے علوم سے آگاہی حاصل ہوگئی ہے۔آپ کے بعض پیر بھائی آپ پر اعتراض کرتے ہیں کہ آپ کے پیرومرشد تو وحدتِ وجود کے علوم کا درس نہیں دیا کرتے تھے اور وحدتِ وجود کا علم رکھنے والوں پر اعتراض کرکے اُن کا ردّ فرمایا کرتے تھے۔آپ نے ان علوم کو رواج دے رکھا ہے۔اپنے شیخ کے عمل کے خلاف چلتے ہیں اور باکمال ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں! آپ اعتراض کرنے والوں کی باتیں سُن کر اکثر نظر انداز کر دیتے اور کبھی کبھی یہ جواب دیتے کہ مَیں ہرگز ہرگز معمولِ شیخ کی خلاف ورزی نہیں کرتا اور نہ ہی باکمال ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔لیکن آپ لوگ میرا مقصد نہیں سمجھتے اور نہیں جانتے کہ ہمارے پیرومرشد میں تمام معارف واحوال جمع تھے۔آپؒ ہر کسی کی استعداد کے مطابق اس کی تربیت کرتے اور معرفت کے اسرار و رموز سکھاتے تھے۔ہمارے شیخ علمِ وحدتِ وجود کے منکر نہیں تھے بلکہ اسے درمیانے درجے کے اولیاء کا علم قرار دیتے تھے اور آپؒ کے شیخ حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی اِن علوم کو متوسطین کے علوم کہا کرتے تھے۔آپ کے اکثر صاحبِ حال مرید اِسی مرتبے کے تھے۔جو حضرات آگے بڑھ گئے تھے وہ اِسے متوسّط لوگوں کا مرتبہ کہتے تھے۔یہ لوگ بھی اِسے شریعت و طریقت کے کمال تک پہنچنے کا سبب سمجھتے تھے۔لہٰذا جو سالک بھی درمیانے درجے میں ہو اور اس علم سے مناسبت رکھتا ہو اُسے یہ علمِ توحید سکھایا جاتا ہے تا کہ اُس کے احوال اُسے کہیں ملحد

وزندیق نہ بنادیں۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اگر اس میں ترقّی کی صلاحیت ہوتی ہے تو وہ ترقّی کر جاتا ہے وگرنہ اِن عارفانہ اصطلاحات سے تو اچھّی طرح واقف ہو جاتا ہے اور شریعت کی مخالفت سے بچ جاتا ہے۔ ہماری نیّت یہ ہوتی ہے کہ ہم سالک کو بہ تدریج مسائل شرعی سمجھا دیں اور اسے بے دینوں کے عقائد و نظریات سے روک دیں۔ اِس نیّت سے اِن کتابوں کی تعلیم اچھّی ہے۔

مُلّا عبداللہ کہتے تھے کہ ہم کافی عرصہ شیخ امید کی صحبت میں رہے ہیں۔ وہ ظاہری اعمال اور باطنی احوال میں راسخ اور صاحبِ ارشاد تھے۔ ہم نے اُن سے اِن کتابوں کے درس کے بارے میں پوچھا کہ آپ اپنے شیخ کے برعکس اِن علوم کی ترویج کرتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ حضرت شیخ بنوریؒ کامل و مکمل عارف تھے۔ اور ہر ایک کی استعداد کے مطابق اس کی تربیت فرماتے تھے۔ آپؒ نے مجھے فصوص، نصوص اور اپنے علمِ خاص سے آگاہ کر کے اجازت دی تھی کہ مَیں جس شخص میں وحدتِ وجود کی استعداد دیکھوں، اُسے اس علم کا درس دوں۔ سبھی کا مقصود حق ہے اور حقیقت و شریعت کی معرفت مطلوب ہے۔ جو سالک کسی مرشدِ کامل سے یہ علم اخذ نہیں کرتا وہ الحاد سے نہیں بچ سکتا۔ بعض مقامات پر مَیں نے دیکھا کہ حضرت شیخ بنوریؒ اِس علم کو کسی اور پیرائے میں بیان کر دیتے تھے تاکہ مخالفین اعتراض نہ کر سکیں اور ملحدین اسے سند نہ بنا سکیں۔ جب آپ نے دیکھا کہ یہ علم مطعون ہو گیا ہے اور اس کا جاننا سالک کے لیے ضروری ہے تو مجبوراً آپؒ وحدت وجود کا بیان اس انداز میں کر دیا کرتے تھے جو ظاہر کا مخالف نہیں ہوتا تھا۔ صاحبِ حال عارف گہری توجّہ سے دونوں طرح کی معرفت حاصل کر لیا کرتے تھے۔

شیخ پوربی بعض لوگوں کو یہ جواب بھی دیا کرتے تھے کہ توحید کا یہ علم لوگوں میں

مشہور ہو چکا ہے۔ عقلمند سالک کو اِس سے کماحقّہ آگاہ ہونا چاہیے تا کہ وہ بے دینوں کا رد کر سکے۔

مصنّف کا کہنا ہے کہ جن دنوں مَیں سرہند شریف میں صاحبزادہ صاحبان کی خدمت میں رہ کر شریعت اور طریقت کا علم حاصل کیا کرتا تھا، اُن دنوں مکتوباتِ امام ربّانی ؒ اور مکتوباتِ معصومی زیرِ مطالعہ رہتے تھے۔ اس کے باوجود حضرت خواجہ محمد معصوم ؒ نے مجھے مولانا جامی ؒ کی کتاب ''لوائح'' اور وحدت الوجودی رباعیّات پڑھنے کا حکم دیا اور مَیں وحدتُ الوجود کی اصطلاحات سے متعارف ہوا۔ اس عرصے میں آپ ؒ نے مجھے انھی علوم کا فیض عطا فرمایا۔ بعد میں آپ ؒ نے بہت عمدہ انداز میں حضرت امام ربّانی ؒ کے معارف سمجھائے۔ بعد میں حرَمین میں مجھے شرعی، اصطلاحی، مجدّدی اور آدمی معارف کا مفصّل ادراک ہوا اور مجھے یہ چاروں راستے بیت اللہ کے چار پہلوؤں کی طرح محسوس ہوئے سب واصل بہ حق تھے۔

میرے استاد مولانا شیخ فتح محمد بُرہان پوری ؒ تین سال مکّہ مکرمہ میں مقیم رہے۔ ایک رات کو مَیں نے کعبہ شریف کے پاس آپ ؒ سے وحدتِ وجود کے اصطلاحی علم کے بارے میں پوچھا کہ بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور بعض اسے ضروری خیال کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا جاننا سالک کے لیے ضروری نہیں ہے۔ نہ جاننا نقصان دہ نہیں اور جاننا بے فائدہ نہیں۔ شرط یہ ہے کہ سالک کسی باشریعت شیخ سے یہ علم حاصل کرے۔ بہت سے مشائخ نے یہ علم سیکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اس علم سے آگاہ نہ ہو، لوگ اسے عارف نہیں سمجھتے۔ کسی محفل میں اس موضوع پر بات ہو رہی ہو اور کوئی خاموش رہے تو اُسے جاہل سمجھا جاتا ہے۔ لہذا مجبوراً منصبِ ارشاد کے دفاع کے لیے

یہ علم سیکھتے ہیں۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ حضرت شیخ آدم بنوریؒ نے روضۂ رسول ﷺ میں بیان کیا کہ مَیں نے حضرت رسولِ کریم ﷺ سے وحدتِ وجود کے مسئلے کے بارے میں پوچھا تو آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ جس پر یہ کیفیّت طاری ہو، وہ معذور ہے اور جو شخص تقلید کرے وہ بھٹکا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حقیقتِ حال سے بہتر طور پر آگاہ ہے۔

مدینہ منورہ میں یہی مختصر تحریر لکھ کر پُرانی رفاقت کا حق ادا کیا ہے۔

شیخ شاہ محمد غلزئیؒ:

آپ حضرت شیخ بنوریؒ کے کامل خلیفہ ہیں اور بجواڑہ کے نواح میں مقیم ہیں۔ آپ نے کچھ عرصہ حضرت شیخؒ کی خدمت میں رہ کر ریاضت کی اور اچّھے احوال سے مشّرف ہوئے۔ آپ اپنے زہد وتقویٰ اور ریاضت کی بدولت پچّاس برسوں سے اپنے علاقے کے مرشد ہیں۔ لوگ دور اور نزدیک سے حاضر ہو کر فیض پاتے ہیں۔ حضرت شیخ کے کچھ صاحبزادگان نے بھی آپ سے تربیت پائی ہے۔ آپ کا تقویٰ اور اخلاق کی شائستگی ہندوستان بھر میں مشہور ہے۔ مولانا شیخ عبداللہ نے جو اپنے زمانے کے صوفیِ باصفا ہیں، آپ سے استفادہ کیا ہے۔ دونوں بزرگوں نے ایک دوسرے سے بہت فیض پایا۔ آپ کے کشف وکرامات کے کئی واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ جن کی تصدیق ہو جائے وہ لکھ لیں۔ جب تک مَیں خود آپ یا آپ کے قابلِ اعتماد ساتھیوں کی زبانی نہیں سُنوں گا، نہیں لکھوں گا۔

شیخ عبداللہ سُلطان پوریؒ:

آپ حضرت آدم بنوریؒ کے صاحب معرفت خلیفہ تھے۔کافی عرصہ شیخ کی خدمت میں گذارا اور علم و عرفان میں استفادہ کیا۔آپ نے تصوف کے حقائق و معارف پر مشتمل کئی رسالے تصنیف کیے ہیں۔شیخ محمد شریف اور کئی اور ساتھیوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے رہے۔حرمین آئے اور کئی بار حج و زیارت کی سعادت حاصل کی۔فارغ ہو کر احمد آباد کے علاقے میں چلے گئے۔آپ نے کئی مشائخ سے ملاقاتیں کیں اور فوائد اٹھائے۔بہت سے لوگ آپ سے بیعت کر کے سلسلہ نقشبندیہ آدمیہ میں داخل ہوئے ہیں۔وحدتِ وجود کا عقیدہ رکھنے والے اکثر صوفیوں سے آپ کی بحثیں ہوئیں اور ہمیشہ آپ ہی غالب آئے۔بہت سے علمائے وقت بھی مناظروں میں آپ سے مغلوب ہوئے اور آپ کے صوفیانہ افکار کے قائل ہو گئے۔

اُنھوں نے احاطہ اور معیّت و اقربیتِ ذاتی کے بارے میں تصانیف کی ہیں۔''احاطہ ذاتی'' کے نام سے ان کا ایک رسالہ بہت اہم ہے۔اس میں انھوں نے عقلی، نقلی اور کشفی دلائل سے خوب دادِ تحقیق دی ہے۔مَیں نے لوگوں سے ان کے احوال و مقامات اور کشف و کرامات کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے لیکن تصدیق نہ ہو سکنے کی وجہ سے وہ طویل باتیں یہاں نہیں لکھیں۔جن صاحبان کو ان احوال کی تصدیق ہو جائے، وہ ان مستند باتوں کو یہاں درج کر لیں۔

شیخ عبداللہ ملہ میں میرے پاس آئے اور حضرت امام ربانیؒ اور خواجہ معصومؒ کے بعض مکتوبات پر کچھ اعتراضات کیے۔مَیں نے کہا کہ یہ باتیں اُن حضرات کی اصطلاح کے مطابق درست ہیں۔اگر آپ کو ان کی اصطلاحات پر اعتراض ہے تو اصطلاح میں تو جھگڑے کی گنجائش نہیں ہوتی۔اور اگر اُن کے علم پر اعتراض ہے تو اُن کا علم، اُن کی مراد

کے مطابق صحیح ہے۔ اگر ان کے بعض مکاشفوں پر اعتراض ہے تو مکاشفے ظنّی ہوتے ہیں اور دوسرے کے لیے حجّت نہیں ہوتے۔ صاحب کشف کی مثال مجتہد کی سی ہوتی ہے۔ اگر وہ اجتہاد میں غلطی بھی کر جائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔ وہ حضرات عالموں کے عالم، مرشدِ زمانہ اور کاملوں کے کامل تھے۔ ان سے غلط بات کی توقّع نہیں کی جاسکتی۔ اگر وہ لوگ خلافِ شریعت باتیں کرتے تو لوگ ان سے ہدایت نہ پاسکتے۔ جب کہ آپ، مَیں اور دنیا والے دیکھتے ہیں کہ خود اُن کے اور اُن کی اولاد یا خلفاء کے مریدوں میں سے سینکڑوں لوگ پیر و مرشد بنے ہیں اور ہزاروں لوگوں نے اُن سے ظاہری و باطنی کمال حاصل کیا ہے اور حضورِ قلب اور تقویٰ میں راسخ ہوئے ہیں۔ بہت سے فقیروں، صوفیوں، عالموں، امیروں اور حکمرانوں نے بھی ان سے فیض پایا ہے۔ ان کے مکتوبات اور رسائل نے دشمنانِ دین کے خلاف سدِ سکندر کا کام دیا ہے۔ مَیں نے اِسی طرح کی بہت سی باتیں کیں۔ کہنے لگے کہ آپ بہت عمدہ اعتقاد رکھتے ہیں لیکن ان حضرات نے ''احاطہء علمی'' کے مسئلے میں اکثر صوفیاء کی رائے کے خلاف رائے دی ہے۔ مَیں نے کہا کہ صوفیاء کی کسی رائے سے اختلاف کی وجہ سے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ ہاں علماء کے عقائد سے اختلاف کیا جائے تو اسے ''زندقہ'' کہا جاتا ہے۔ وہ حضرات اِس مسئلے میں تمام علماء اور اکثر صوفیاء کے ساتھ متفق ہیں۔ اور نجات سوادِ اعظم ہی کی پیروی میں ہے۔

اس کے بعد شیخ عبداللہ نے کہا کہ اُنھوں نے حقیقتِ کعبہ کو حقیقتِ محمدی سے بالاتر قرار دیا ہے۔ اس سے کعبے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ مَیں نے جواب دیا کہ ہرگز یہ بات نہیں ہے۔ جو شخص بھی ان حضرات کے اسلوب سے آگاہ ہے وہ سمجھتا ہے کہ اِس بات سے حقیقتِ محمدی ہی کا افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کہنے لگے وہ کیسے؟ مَیں نے کہا کہ اس

معاملے میں صرف ایک دن کی بحث سے نتیجہ نہیں نکل سکتا۔اگر آپ تین روز مجھ سے مناظرہ کریں اوران حضرات کی اصطلاحات کے مطابق بات سمجھیں اور کریں تو ہوسکتا ہے کہ آپ مسئلہ سمجھ لیں۔اس دن کے بعد پھر وہ ہمارے پاس نہیں آئے اور ہم سے اس مسئلے کا حل نہیں چاہا۔یہ مسئلہ مکتوبات امام ربانی ؒ، مکتوبات سعیدی، مکتوباتِ معصومی اور رسائلِ فرخ شاہی سے خوب واضح ہوجاتا ہے۔ہم نے اس سلسلے میں عربی اور فارسی میں کئی رسالے لکھے ہیں اوران حضرات کے مکتوبات سے انبیاء اور اولیاء کی فضیلت ثابت کی ہے اور عام مسلمانوں کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے۔

شیخ عبداللہ یکم ربیع الاول ۱۰۸۱ھ کو فوت ہوئے۔شیخ فیروز شاہ ان کے بہت سے مناقب بیان کرتے ہیں۔

شیخ اسداللہ لاہوری چنابی ؒ:

حضرت شیخ ؒ کے اکابر خلفاء اور ہجرت کرنے والے ساتھیوں میں سے ہیں۔حرمین کے سفر میں شیخ کے ہمراہ تھے۔بہت باکردار، خوش اخلاق اور نیک اطوار ہیں۔حضرت شیخ ؒ کی زندگی ہی میں سلسلۂ بیعت شروع کر چکے تھے۔لوگوں نے آپ سے بہت سے کمالات باطنی حاصل کیے ہیں۔سخاوت، ریاضت اور درویشی میں بے مثال ہیں۔آپ سے کئی کرامات ظاہر ہوئی ہیں۔

ساتھی بتاتے ہیں کہ میرک حسین خان بنّور کے حاکم تھے اور درویشوں سے اعتقاد رکھتے تھے اور ان کے ساتھ بھلائی کیا کرتے تھے۔اچانک خبر آئی کہ بادشاہ نے اُنھیں معزول کردیا ہے۔میرک حسین بہت مغموم ہوکر حضرت شیخ ؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے

اور بہت عاجزی سے درخواست کی کہ اپنے منصب پر برقرار رہیں۔ حضرتؒ کو ان کی حالتِ زار پر رحم آیا۔ آپ نے شیخ اسد اللہ کو بلا کر فرمایا کہ دعا کیجیے کہ میرک حسین معزول نہ ہوں۔ ناچار شیخ اسد اللہ جنگل میں چلے گئے۔ بارہ پہر کچھ کھائے پیے بغیر متوجہ ہو کر دعا کرتے رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ ہوا کہ میرک حسین کا منصب بحال رہے گا۔ چنانچہ واپس آ کر حضرت شیخؒ کو یہ خوشخبری دی اور ایسا ہی ہوا۔ میرک حسین کافی عرصہ بنّور کے حاکم رہے۔

ایک بار بنّور میں مچھر کی بہتات ہو گئی۔ اس وجہ سے لوگ بہت تکلیف میں تھے۔ سالکوں کو عبادت اور مراقبے میں کیف و سرور حاصل نہیں ہوتا تھا۔ آخر شیخ اسد اللہ کی دعا اور توجہ سے جلد ہی پورے بنّور سے مچھروں کا خاتمہ ہو گیا۔

ان کے محلّے کے قریب سے ایک چشمہ گذرتا تھا۔ درویشوں کو اس آبِ رواں کی وجہ سے بہت آرام تھا۔ اچانک وہ چشمہ خشک سالی کی وجہ سے خشک ہو گیا۔ جس کی وجہ سے فقراء کو بہت تکلیف رہنے لگی۔ آخر شیخ اسد اللہ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور وہ چشمہ پھر جاری ہو گیا۔ ان کی ایسی بہت سی کرامات ہیں۔ سب کا لکھنا ضروری نہیں۔

شیخ اسد اللہ نے مدینہ منورہ میں حضرت شیخ بنوریؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے مریدوں کو خواب میں حضرت سرورِ کائنات ﷺ کی زیارت ہوتی رہتی ہے لیکن میں اس سعادت سے محروم ہوں اور اس سلسلے میں انھوں نے بہت منّت زاری کی۔ حضرت شیخ کو ان پر بہت رحم آیا اور آپ نے خواب میں شیخ اسد اللہ کی یہ درخواست بارگاہِ رسالت ﷺ میں پیش کر دی۔ بعد میں حضرت رسولِ خدا ﷺ نے حضرت شیخ سے فرمایا کہ ہم نے آپ کی خاطر شیخ اسد اللہ کو اپنی زیارت بھی کروائی اور ان سے بات چیت بھی کی۔ لیکن

اُنھیں استغراق کی وجہ سے اِس کا پوری طرح اندازہ نہیں ہوسکا۔اس کے لیے استعداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ جسے کوئی کیفیت عطا ہو، اُسے علم بھی عنایت کیا جائے۔ کیفیّات اور علم کم کم ہی کہیں اکٹھے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت شیخ بنّوریؒ نے لکھا ہے کہ میرے دل میں جس کے بارے میں محبت اور شفقت پیدا ہوتی ہے، اُسے حضرت سرورِ عالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوجاتی ہے۔ اگر اُس وقت اُس شخص میں قابلیّت اور استعداد ہو تو وہ جان لیتا ہے وگرنہ آگاہ نہیں ہوتا۔

شیخ اسد اللہ مجھ فقیر سے خصوصی محبّت رکھتے تھے اور یہ کتاب مرتّب کرنے کے لیے بہت حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔ ہر روز مجھ سے ملنے تشریف لاتے اور حدیث، فقہ اور تصوّف جیسے علوم کے مسائل سنتے۔ اُنھیں دینی علوم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ میرے لیے طرح طرح کے کھانے بنا کر لاتے۔ مَیں کہتا کہ اور بھی بہت سے درویش ہیں، ان کی خدمت کیجیے تو وہ جواب دیتے کہ اہلِ علم فقیروں کی خدمت سب سے بہتر ہے۔ آپ پر ایک درم خرچ کرنا، دوسرے درویشوں پر ہزار درم خرچ کرنے کے برابر ہے۔ شیخ اسد اللہ اگرچہ پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن درویشی اور تصوّف میں خاصّانِ خدا میں سے تھے۔

ایک روز مَیں نے بڑی سنجیدگی سے اُن سے اُن کے ابتدائی حالات دریافت کیے۔ اُنھوں نے یہی کچھ بیان کیا جسے مَیں نے ان کی موجودگی ہی میں لکھ لیا۔ انھوں نے فرمایا کہ شروع میں تقریباً سولہ سال کی عمر میں مجھے ذکرِ غیبی میسّر آ گیا۔ پھر مَیں نے شیخ یعقوب سیالکوٹی سے استفادہ کیا اور جان و مال سے ان کی خدمت کی۔ اس سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ اس کے بعد، ملا یوسف نے مجھے ذکرِ جلی پر لگا دیا۔ اس سے ذکرِ دَم شروع ہوگیا

اور عجیب کیفیتیں پیدا ہوئیں۔ مَیں نے گھر بار چھوڑ دیا۔ بعد میں عبداللطیف قادری سے ملاقات ہوئی اوران کے کہنے پر ذکرِ خفی شروع کیا لیکن مجھ پر ذکرِ جلی کا غلبہ رہا۔ اس کے بعد مَیں قادری سلسلے کے شیخ سیّد حسین سے ملا۔ چند مہینے ڈٹ کران کی خدمت کی۔ اُنھوں نے مہربان ہوکر مجھے تسخیر کا ایک وظیفہ بتلایا جسے مَیں نے قبول نہ کیا۔ اس کے بعد مَیں حافظ سلیمان قادری اور عبدالسّلام چشتی کی خدمت میں رہا۔ ذکرِ جہر غالب رہا۔ ان مشائخ کی صحبت سے مجھے بہت فائدے ہوئے لیکن دل مطمئن نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ مَیں نے حضرت شیخ بنوریؒ کی شہرت سُنی اور اپنے مریدوں کے ساتھ آپؒ سے ملنے روانہ ہوا۔ دل میں تھا کہ اگر وہاں جی لگ گیا تو بہتر، ورنہ مکّہ شریف چلا جاؤں گا۔ بنّور پہنچتے ہی دل میں عجیب ذوق وشوق پیدا ہوگیا۔ حضرت شیخؒ کچھ مسکین درویشوں کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے۔ آپ ہمیں دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سب سے گلے ملے۔ میرے دل میں اخلاص بڑھ گیا اور یقین ہوگیا کہ منزلِ مقصود یہیں سے ملے گی۔ کسی ساتھی نے میرے بارے میں بتایا کہ انھوں نے دنیا چھوڑ رکھی ہے۔ سونے چاندی کو ہاتھ تک نہیں لگاتے۔ ہمیشہ ریاضت اور فاقہ کرتے ہیں اور سر اور پاؤں سے ننگے رہتے ہیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ ایسا شخص تو ہمارے پاس مشکل سے ہی ٹھہر سکے گا کیونکہ ہم تو بال بچے دار ہیں، کھانا کھاتے ہیں، لباس پہنتے ہیں، سونا، چاندی اور روپیہ پیسہ استعمال کرتے ہیں۔

آخر مَیں نے بے حد سماجت کی کہ مجھے مشغول فرمائیں۔ آپ نے کافی سوچ بچار کے بعد مجھے پڑھنے کو کچھ بتایا۔ اس سے مجھ پر اندر ہی اندر بہت اثر ہوا۔ آہستہ آہستہ یہ نسبت دوسری تمام کیفیتوں پر غالب آ گئی۔ اس عرصے میں عجیب وغریب احوال طاری ہوئے۔ حضوری آگاہی اور شہود کی نقشبندی نسبت نے یوں غلبہ کیا کہ مَیں ہمیشہ مشاہدۂ حق

میں محو رہنے لگا۔ہجروفراق والے سوز وگداز میں افاقہ ہوگیا۔اس کے بعد آپ نے مجھے اجازت دے کر پشاور روانہ کردیا۔وہاں مَیں لوگوں کو تلقین کرنے لگا۔انھیں خوب فائدہ ہوجاتا۔ابھی حلقہ بہت پھیلا نہیں تھا کہ حضرت شیخؒ سے ملنے کا شوق بڑھ گیا۔ایک منزل سفر کرچکا تھا کہ نوشہرہ کے مقام پر مَیں نے خواب دیکھا کہ دھان کاشت کررہا ہوں اور پہلی فصل پانی نہ ہونے کی وجہ سے خشک ہوگئی ہے۔مَیں نے اس خواب پر اعتماد نہ کیا اور سفر جاری رکھا۔کچھ دُور ہی گیا تھا کہ پاؤں سوگئے اور آگے نہ چلا گیا۔مجبوراً واپس پشاور پہنچ گیا۔

اب کے لوگوں کا رجوع بہت بڑھ گیا۔علماء،صالحین،مشائخ بلکہ آوارہ لوگ بھی آکر مرید ہونے لگے۔امیر،دولتمند منصبدار اور اہل دنیا بھی بکثرت آکر مرید ہوئے۔لوگوں کی آمدورفت اور بھیڑ بھاڑ سے مَیں گھبرا گیا اور ایک ہی سال بعد حضرت شیخؒ کی زیارت کے لیے پہنچ گیا۔آپ نے کوئی خاص توجہ نہ فرمائی۔مَیں جان گیا کہ یہ میری بے صبری کی سزا ہے۔ہوتے ہوتے کیفیّات کا غلبہ اور دائمی شہود کم ہونے لگا۔مَیں نے افسردہ ہوکر حضرت کی خدمت میں صورتِ حال بیان کی۔آپ نے فرمایا پریشان نہ ہوں۔جو کچھ آپ کو حاصل ہوا تھا وہ اصلی منزل نہیں تھی۔وہ اللہ کے انوار میں سے ایک نور تھا۔منزلِ مقصود ابھی آگے ہے اور اس مرحلے میں بے ذوقی اور حیرت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

حضرت شیخؒ جب پہلی بار لاہور تشریف لائے تو پسرور کے شہریوں نے آپ سے درخواست کی کہ اُنھیں کوئی مرشد دیا جائے۔آپ نے مجھے ان کے ساتھ بھیجا۔جب مَیں پہلے پشاور گیا تھا تو میرے مرشد شیخ یعقوب نے بھی مجھ سے تلقین پائی۔انھیں تمباکو کا دھواں

راستے کی رکاوٹ بنا دکھائی دیتا تھا۔ آخر وہ تمباکو سے تائب ہو کر اعلیٰ مقامات پر فائز ہوئے۔ مَیں نے اُنھیں خلافت دی۔ اُن کے مریدوں کو اُن سے کافی فیض ملتا ہے۔ اُن کے اور میرے مرید خوابوں میں حضرت رسولِ کریم ﷺ سے بڑی بڑی بشارتیں پاتے اور مکاشفوں میں عجیب و غریب مشاہدے بیان کرتے کہ ہم دونوں حیران رہ جاتے۔ ان سب کو بیان کرنے کے لیے کئی دفتروں کی ضرورت ہوگی!

شیخ اسد اللہ نے تقریباً ایک گھنٹے میں یہی کچھ بتایا جو مَیں نے اسی وقت لکھ لیا۔ اگر مَیں دوبارہ مزید پوچھتا تو وہ بتا دیتے۔ جب وہ مکاشفے اور کرامات بیان کرتے تھے تو جو کچھ مجھے یاد رہتا، مَیں لکھ لیتا اور جو باتیں بھول جاتی تھیں، اُنھیں چھوڑ دیتا تھا۔

فرماتے تھے کہ ہمارے علاقے میں ایک شخص غائبانہ طور پر حضرت شیخ بنوریؒ سے عقیدت رکھتا تھا۔ اتّفاق سے وہ بیچارہ ایک ظالم کے ظلم کا شکار ہوگیا۔ ایک درخت کے سوراخ میں اس کا پاؤں یوں پھنسا دیا گیا کہ وہ نماز پڑھنے سے بھی معذور ہوگیا۔ اسی اثنا میں اُس نے حضرت کی خدمت میں التجا کی۔ آپ تشریف لائے اور اس مظلوم کی بے حد دلجوئی کی۔ اللہ کے فضل و کرم سے درخت کا وہ تنا خود بخود ہی ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور وہ شخص نجات پا گیا۔

شیخ اسد اللہ ہی سے روایت ہے کہ اسی طرح ایک شخص کو مسلسل زنجیروں میں جکڑ کر قید خانے میں ڈال دیا گیا تھا۔ اس نے مضطرب ہو کر حضرت شیخؒ سے مدد طلب کی۔ اچانک اُس نے اپنے آپ کو قید خانے سے باہر پایا۔ تمام زنجیریں اور بیڑیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ قید کرنے والے ظالم کو پتہ چل گیا۔ اُس نے اُسے دوبارہ قید کر دیا۔ ایک بار پھر اُسے اسی طرح نجات مل گئی۔ تیسری بار بھی یہی کچھ ہوا۔ آخر کار وہ ظالم تائب ہوا اور اُس

نے مظلوم سے معافی مانگی۔

مصنف کا بیان ہے کہ شیخ اسداللہ اپنے مریدوں کے ساتھ دو تین سال حرمین شریفین میں مقیم رہے۔ اُنھوں نے کئی حج اور زیارات کیں۔ شدید سردیوں اور گرمیوں میں مدینہ شریف سے عُمرے کا احرام باندھ لیتے اور منزل بہ منزل پیدل چلتے رہتے۔ کہتے تھے کہ مجھے ایک غیبی ٹوپی واضح طور پر اپنے سر پر رکھی ہوئی دِکھائی دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے مجھے یہ سردی یا گرمی کوئی تکلیف نہیں دیتی۔ بے شک محرمِ راز لوگ اللہ کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔

مکّہ شریف میں ایک قادری درویش نے اُن کی ظاہری حالت دیکھ کر انکار کیا اور ملامت بھی شروع کر دی کہ میاں شیخ آدمؒ کو صاحبِ نظر کہا جاتا ہے، عجیب بات ہے کہ اُنھوں نے ایسے موچیوں اور جولاہوں کو خلافت دے رکھی ہے۔ اِس بات سے شیخ اسداللہ برہم ہوگئے اور اسے تھپڑ مار کر کہا کہ اے احمق! تم بزرگ ہو اور ہم کمین ہیں۔ ذرا اٹھو تو سہی۔ دو دو ہاتھ کر کے دیکھتے ہیں۔ تم جو کرامت اور تصرف دکھاؤ گے، مَیں بھی وہی دکھاؤں گا۔ اگر نہ دِکھا سکوں تو پھر تو مَیں کمین ہوا۔ ابھی اِسی وقت اِس فاسق اور جاہل بدّو پر تم بھی توجہ ڈالو اور مَیں بھی ڈالتا ہوں۔ دیکھتے ہیں تم اِسے اپنی طرف کھینچ لیتے ہو یا مَیں۔ اِس صورتِ حال میں وہ قادری درویش ششدر ہوگیا اور بڑی مشکل سے طرح طرح کے حیلے بہانے بنا کر نکل بھاگا۔

ایسی کرامتوں کی کئی روایتیں اُن کی وطن میں بہت مشہور ہیں۔ وہ اپنے اردگرد کے علاقے میں بدعت یا سُنّت کی خلاف ورزی نہیں ہونے دیتے۔ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور بدعات کے خاتمے کے لیے بہت کوشاں رہتے ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ احمدیہ

معصومیہ آدمیہ کے اکثر فقراء میں یہ خصوصیت موجود ہے۔

ایک دن شیخ اسد اللہ ہانپتے کانپتے میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں مکّہ مکرّمہ کے بابرکت مقامات پر جو دعائیں قبول ہونے کی جگہیں ہیں، ہمیشہ اپنے مریدوں کے لیے دعائیں کرتا رہا ہوں لیکن مجھے آج تک ان دعاؤں کی قبولیّت کی کوئی واضح بشارت نہیں ملی۔ اب دو سال بعد، رات کو حطیم میں میزابِ رحمت کے نیچے نماز پڑھتے ہوئے میں خشوع وخضوع سے اپنے مریدوں کے بارے میں دعا کر رہا تھا کہ اچانک بیت اللہ شریف کی طرف سے آواز آئی کہ میں نے دعا قبول کر لی اور ان لوگوں کو سات واسطوں تک بخش دیا۔ یہ بشارت سُن کر میں شکرانے کے سجدے بجالایا۔ اگلی صبح کو پندرہ ذی القعد تھی۔ اس دن بیت اللہ شریف کا دروازہ کھولا گیا۔ مجھے بھی اندر جانے کا موقع مل گیا۔ میں نے وہاں بھی اس سلسلۂ عالیہ کے مریدوں کے لیے دعائیں کیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ کافی انتظار کے بعد آخر کار قبولیت کے آثار ظاہر ہو گئے۔ حقیقتِ حال کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ مصنّف کہتا ہے کہ میں نے اُن سے پوچھا کہ آواز اوپر سے آتی ہوئی محسوس ہوتی تھی یا نیچے سے؟ انھوں نے بتایا کہ نیچے سے۔ میں نے کہا کہ مجھے تو اس پر یقین نہیں ہے۔ نجانے اہلِ دل ساتھیوں کی کیا رائے ہے؟

اِس کے بعد جب انھوں نے دیکھا کہ حرَمین میں مریدوں کے ساتھ رہنا بہت مشکل ہے اور یہاں مال وزر کے بغیر پیری مریدی بھی نہیں چلتی اور دلی سکون بھی نہیں ملتا تو مجبوراً ۱۰۵۵ھ میں ہندوستان چلے گئے۔ آج کل اپنے وطن میں، لاہور کے قرب وجوار میں سرائے وزیر خان کے علاقے میں رُشد وہدایت میں مصروف ہیں۔ ان کا کسبِ معاش کا معاملہ مشہور ہے۔ اُنھیں طریقت کی خدمت کرتے ہوئے پچّاس سال ہونے کو آئے

ہیں۔انھوں نے بہت سے افغانیوں اور ہندوستانیوں کا داخلِ سلسلہ کیا ہے۔اُنھوں نے بادشاہ کا وظیفہ قبول نہیں کیا اور زراعت کی آمدنی مریدوں پر خرچ کرتے ہیں اور مُلاّؤں سے کہتے ہیں کہ اے علم کے طالبو! اللہ کے طالب بن جاؤ کیونکہ آخر کار کام تو اللہ ہی کے ساتھ پڑے گا۔موت کے وقت تمام علوم بُھول بھال جائیں گے۔

فرماتے تھے کہ مَیں لوگوں سے سُنتا تھا کہ سرہند کے مشائخ بادشاہ کے مصاحب اور جاہ ومرتبہ والے لوگ ہیں اور درویشی سے دور ہیں۔مَیں نے دین و دنیا کے بادشاہ کو ان کی طرف متوجّہ دیکھا۔خاص طور پر شیخ سیف الدّین کا مشاہدہ کیا کہ وہ مریدوں کے ہجوم اور دنیاداروں کی بہ کثرت آمدورفت کے باوجود،ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں تھے اور سب کو باطنی فیض پہنچاتے تھے۔

شیخ اسداللہ نے مجھے کئی خط لکھے ہیں اور بہت عاجزی اور التجائیں کی ہیں۔ان میں سے بعض خطوں میں اُنھوں نے اپنے پیر بھائیوں کے کچھ حالات بھی لکھے ہیں۔ذیل میں اُن کے ایک خط کا خلاصہ لکھتا ہوں۔یہ خط بعض ساتھیوں کے مناقب پر مشتمل ہے:

حقائق آگاہ شیخ محمد امین بدخشی سلّمہٗ اللہ کو عاجزانہ اشتیاق کا تحفہ پہنچے۔حقیر اسداللہ کو حرمین میں دعائے خیر و برکت سے یاد فرمائیں۔ہم آپ جیسی مقبول بارگاہ ہستی کو وہاں ساتھیوں کا وسیلہ اور شفیع سمجھتے ہیں۔آپ کی وہاں حاضری کوئی معمولی بات نہیں ہے۔اس بابرکت مقام پر ہمیشہ سعادتِ عظمیٰ کا سایہ رہتا ہے۔ہم جیسے ہزاروں نااہل بلکہ کئی بادشاہ اس آرزو میں گُھل رہے ہوتے ہیں لیکن وہاں پہنچ نہیں پاتے۔اُس بارگاہ میں ہر کوئی باریاب بھی تو نہیں ہوتا!اِس نعمت کے شکرانے کے طور پر ہم دور افتادہ درویشوں کو یاد رکھیں۔

یہاں کے ساتھیوں کے بارے میں کیا عرض کروں۔ تفصیل کے لیے کئی کتابیں درکار ہوں گی۔ مختصر یہ کہ تمام حضرات اس مقام کے اہل ہیں۔ خاص طور پر ہمارے پیرزادگان بہت کامیاب ہیں۔ تقریباً دوسو لوگوں کو ہمیشہ ظاہری و باطنی غذا فراہم کرتے ہیں۔ کم عمر حضرات علم اور سلوک کے حصول میں مصروف ہیں۔ ایک مدرّس کو ماہانہ تنخواہ دیتے ہیں اور ہمیشہ درس میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کا زیادہ وقت تربیت اور ریاضت میں گذرتا ہے۔ اپنے والد کے سلسلے کو خوب چلا رہے ہیں۔ چھوٹے بچّوں کو آپ کی دعاؤں اور نصیحتوں کی ضرورت ہے۔

دوسرے تمام ساتھی بھی بہت قابل ہیں اور پیروں کی پیروی میں ثابت قدم ہیں سوائے شیخ قاسم اور اُن کے مُریدوں کے، کہ یہ لوگ ہمہ اوست کے قائل ہیں اور وحدتِ وجود کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ شیخ عبدالخالق مرجعِ مُریداں اور اخلاقِ محمدی کے حامل ہیں۔ شیخ بایزید خود بایزید ثانی ہیں۔ بڑے عالی مقام ہیں۔ شیخ اسماعیل اعلیٰ درجے کے انسان ہیں۔ شیخ یار محمد لاہوری نے خوب ترقّی کی ہے۔ اکثر مُریدوں نے اُن سے خوب استفادہ کیا ہے۔ اُن کی طریقت بہت پسندیدہ ہے۔ وہ آپ کے رسائل سے بہت مطمئن ہیں۔ شیخ عبدالنبی سلطان پوری کے باطنی احوال بڑے عمدہ ہیں۔ وہ فقر و فنا میں ثابت قدم ہیں۔ شیخ برخوردار چنابی روحانی طور پر بہت مضبوط اور زبردست ہیں۔ خوب ریاضت کرتے ہیں اور صلہ پاتے ہیں۔ مولانا شیخ یعقوب بھی پاکیزہ باطن ہیں۔ اُنھیں خوب روحانی فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ مُلّا یوسف، مُلّا عنایت اللہ، شیخ محمود اور حافظ محمد جو پُرانے ساتھیوں میں سے تھے، وفات پا گئے ہیں۔

شاہ جہان پور میں شیخ ابراہیم صاحبِ دل عارفِ کامل ہیں۔ بہت زیادہ عبادت

وریاضت کرتے ہیں۔ شیخ عثمان پشاوری صاحبِ علم، باعمل اور ظاہری و باطنی علوم میں کامل ہیں۔ لوگ ان سے خوب فیض پاتے ہیں۔ شیخ عبداللہ کوہاٹی بہادرِ زمانہ اور اہلِ دل ہیں۔ علمِ لدُنّی اور صوفیانہ نکات میں بلند دعویٰ رکھتے ہیں۔ مولانا (جامی) اور اکثر مشائخ کی کتابوں پر ہنستے ہیں اور خود کو برتر سمجھتے ہیں۔ حجاز سے واپس آ کر اُنھوں نے خوب ترقّی کی ہے۔ بہت سے افغانوں نے اس سے ہدایت پائی ہے۔ کچھ معاملات میں ملامتیوں کا سا انداز اپناتے ہیں اور اس وجہ سے طرح طرح کی باتیں سُنتے ہیں۔ شیخ یار محمد جلال آبادی بھی بلند معارف کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس علاقے میں بہت سے لوگ اُن کے مرید ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے بھی حج کے بعد بہت ترقّی کی ہے۔ اب ان کے مرید کافی ہو گئے ہیں۔ متوسط درجے کے وحدت الوجودی مسائل بیان کرتے ہیں۔ اور مولانا اور مولوی کے عارفانہ رسائل پر ہنستے ہیں۔ مولانا نور محمد پشاوری بہت بزرگ اور باکمال ہیں لیکن اکثر جنگلوں میں ریاضت کرتے رہتے ہیں اور مریدوں کی تربیت کا ذوق نہیں رکھتے۔ حاجی سعدی صاحبِ حال آدمی ہیں۔ مریدوں کو خوب روحانی فائدے پہنچاتے ہیں۔ لاہور میں رشد و ہدایت میں مصروف ہیں۔

مزید کہاں تک لکھوں۔ ساتھی بے شمار ہیں۔ اِن دنوں جن سے مِلا ہوں ان کے بارے میں لکھ دیا ہے۔ اس خط کی کتابت کرنے والا مُلّا عبدالباری آپ کا گہرا عقیدت مند ہے۔ وہ سلام و نیاز عرض کر کے روحانی توجّہ کا طالب ہے۔ آپ نے خواب میں اس پر بہت مہربانیاں فرمائی ہیں۔ امید ہے کہ آپ اسے فراموش نہیں کریں گے۔

میرے بھائی شیخ محمد بہت با استقامت ہیں۔ وہ سلام عرض کرتے ہیں۔ یہاں کے ساتھی آپ کے رسائل اور تحریروں سے بہت خوش ہیں۔ ان سے خوب فائدے اٹھاتے

ہیں۔اور آپ کو دعائیں دیتے ہیں۔امید ہے کم خدمتی کی کوتاہی معاف فرمائیں گے۔

آج کل ایک نیک امیر، شمس الدین محمد بہت صاحبِ احوال ہیں۔ہمارے سلسلے کے اکثر درویشوں کی مدد اور خدمت کرتے ہیں۔اللہ ان کی توفیق میں اضافہ فرمائے۔والسلام۔

شیخ مسعود انبالویؒ:

آپ حضرت شیخ بنوریؒ کے اکابر خلفاء اور محرمِ راز خادموں میں سے ہیں۔ہمیشہ چُپ رہتے اور اپنے ہونے کا احساس بہت ہی کم دلاتے۔وہ شکل وصورت کے اعتبار سے بھی کسی حد تک حضرت شیخؒ کے مشابہ تھے۔شیخ ابوالفتح، شیخ مسعود اور شیخ امان اللہ حضرت شیخ کے وکیل اور کار مختار تھے۔ان کے چھوٹے بھائی شیخ ابونصر نے اپنے رسالے میں ان کے بارے میں اِتنا ہی لکھا ہے کہ اُنھیں پہلے اپنے خسر کی طرف سے چشتی سلسلے کی خلافت حاصل تھی اور وہ لوگوں کو مرید کیا کرتے تھے۔ایک دن حضرت شیخ بنوریؒ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ شیخ مسعود اپنے مُریدوں کے محلّے سے اپنے گھر جاتے ہوئے وہاں سے گذرے۔اس وقت اُنھوں نے باقاعدہ پیروں والا لباس پہن رکھا تھا۔جب اُنھوں نے مسجد کے دروازے کے پاس ہی حضرت کو بیٹھے دیکھا تو شرمندہ ہو کر جلدی سے ایک چادر اوڑھ لی اور شیخ سے ملے۔آغاز میں بڑے سرکش اور لڑاکے تھے۔ہر کسی کی توہین کر دیا کرتے تھے لیکن حضرت شیخؒ سے ملاقات کے دوران انھوں نے بڑا عاجزانہ انداز اختیار کیا اور جلد ہی واپس بھی چلے گئے۔

حاضرین میں سے ایک شخص شیخ مسعود سے دشمنی رکھتا تھا۔اُس نے کہا: ”یا

حضرت آپ نے دیکھا کہ شیخ مسعود نے کیا کیا؟ غرور و تکبر سے بن ٹھن کر مریدوں کے ہاں گیا ہوا تھا۔ آپ کو دیکھا تو پیروں والا لباس چھپا کر ملنے چلا آیا"۔ آپ نے یہ بات سُنی اَن سُنی کر کے سر جھکا لیا اور شیخ مسعود کے لیے دعا کی کہ یا الٰہی! اس شخص نے مجھے کچھ سمجھا اور ادب کرتے ہوئے پیروں والا لباس چُھپا کر میرے پاس آیا۔ اس نے اپنے آپ کو ناچیز سمجھتے ہوئے وہ لباس چھپایا۔ یا اللہ تجھے اپنی عزّت و عظمت کی قسم اسے اپنا مقبول بندہ بنا لے اور اس پر زیادہ لطف و کرم کر۔ آخر اِس دعا کی قبولیت کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اور شیخ مسعود چند ہی دنوں میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر حضرت شیخ بنّوری کی خدمت میں پہنچ گئے۔ تمام بدعتوں سے توبہ کر لی۔ راہِ سلوک پر چل پڑے اور حضرت شیخ کے پسندیدہ کارمختار بن گئے۔ اس شخص کی دشمنانہ شکایت کو اللہ تعالیٰ نے شیخ مسعود کے حق میں سفارش بنا دیا اور انھیں باکمال بنا دیا۔

دادِ او را قابلیّت شرط نیست

(ترجمہ) اُس کی عطا کے لیے قابلیّت شرط نہیں ہے۔

ان کا بیان ہے کہ مَیں حضرت شیخ کی وفات کے بعد بہت افسردہ تھا۔ ایک رات مَیں نے خواب میں دیکھا کہ آپ تمام ساتھیوں کے ہمراہ بیٹھے ہوئے ہیں اور نعمتوں سے بھرا ہوا ایک بہت بڑا برتن آپ کے سامنے پڑا ہوا ہے۔ آپؒ نے مجھے اشارہ کیا کہ تم تقسیم کرو۔ آپؒ کے حکم کی تعمیل میں مَیں کھڑا ہوا اور تمام ساتھیوں کو کافی زیادہ حصّہ دیا۔ جب مَیں نے وہ برتن واپس آپؒ کے سامنے رکھا تو وہ اسی طرح بھرا ہوا تھا۔ آپؒ نے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر دوبارہ فرمایا کہ تم لوگ مغموم کیوں ہو؟ اطمینان رکھو۔ مَیں تمھارے ساتھ ہوں۔ تم سے الگ نہیں ہوں۔ تم جہاں کہیں بھی ہو گے، مَیں تمھارے ساتھ ہوں گا۔ مجھے

بھلا نہ دینا۔ آپؒ کے تسلّی دلانے سے مَیں مطمئن ہو گیا۔

شیخ مسعودؒ ہی نے مکّہ شریف میں مجھ سے روایت بیان کی تھی کہ ایک عورت کو آسیب کی تکلیف تھی۔ اوّل تو وہ حاملہ ہی نہیں ہوتی تھی۔ ہو بھی جاتی تو اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ اس مصیبت سے عاجز آ کر اُس نے حضرت شیخ کی خدمت میں شکایت کی۔ آپ کو اس پر رحم آیا اور اس کے گھر تشریف لے گئے۔ آپؒ کچھ دیر متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ دو خبیث جِن حاضر ہوئے تھے۔ ایک چھوٹے قد کا تھا اور دوسرا لمبے قد کا۔ جب مَیں نے تصرف کیا تو پہلے تو ان کی ناک پگھل گئی اور پھر ایک ایک کر کے سر سے لے کر پاؤں تک تمام اعضا پگھل گئے۔ اس واقعے کے بعد اس عورت کو وہ تکلیف نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بیٹا عطا کیا جو اب جوان ہو گیا ہے۔

شیخ ابونصر انبالویؒ:

آپ شیخ مسعود کے چھوٹے بھائی اور حضرت شیخ کے محرمِ راز خادم اور پرانے ساتھیوں میں سے ہیں۔ انھوں نے راہِ سلوک میں اچھے احوال دیکھے۔ خاص معرفت کا ذوق اور سمجھ بھی رکھتے تھے۔ انھوں نے شیخ محمد شریف سے بھی کسبِ فیض کیا تھا۔ شروع میں حضرت مجدد الف ثانیؒ سے وابستہ ہوئے تھے۔ اِس اعتبار سے حضرت شیخؒ کے پیر بھائی بھی ٹھہرے۔ مناسب تو یہی تھا کہ مَیں شیخ ابوالفتح کے حالات کے قریب ہی ان کے حالات لکھتا لیکن کیا کرتا، ان کا رسالہ ہی اب ملا ہے! مَیں نے ان سے اتنی زیادہ حکایات اور روایات سُنی ہیں کہ لکھ لیتا تو ایک الگ کتاب بن جاتی۔ لیکن مَیں نے اپنی یادداشت پر بھروسا نہیں کیا اور ان کی لکھی ہوئی تحریروں میں سے ہی انتخاب اور اختصار کر کے کچھ

روایات قلمبند کی ہیں۔ان سے منقول روایات تمام ساتھیوں کی بیان کردہ روایتوں سے زیادہ ہیں۔

لکھتے ہیں کہ جب پہلے پہل مَیں نے آپ سے کسبِ فیض کرنا چاہا تو دل میں سوچا کہ مَیں دو چیزوں میں بُری طرح مبتلا ہوں۔ایک خوبصورت چہروں کا دیدار اور دوسرا مغنّی کا گانا بجانا۔جونہی حضرت کی محبّت غائبانہ طور پر غالب آئی، دونوں گناہ خود بخود چھوٹ گئے۔جب مَیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو بہت سکون پایا۔پندرہ دن تک آپ نے مجھے کوئی تلقین نہ کی۔بعد میں کہا کہ تمھیں وقوفِ عددی نہ بتاؤں؟ مَیں نے عرض کیا کہ یا حضرت اس میں تو بہت محنت کرنا ہوگی۔آپ نے فرمایا اچھا چلو اُس گوشے میں جا بیٹھو اور اس طریقے کے مطابق توجّہ کرو۔تم پر فلاں حالت طاری ہوگی۔آپؒ نے اس کیفیت کی ایک ایک نشانی بیان کردی۔مَیں حکم کے مطابق متوجّہ ہوا تو عجیب و غریب کیفیّات طاری ہوئیں۔کچھ دنوں کے بعد وہ حالت جاتی رہی اور مَیں بے چین ہوگیا۔

ایک دن مَیں غمزدہ حالت میں مسجد میں پڑا ہوا تھا کہ اچانک خیال آیا کہ گھر چلا جاؤں۔حضرت شیخؒ اس کیفیّت سے آگاہ ہوگئے اور مجھے بُلوا کر پوچھا کہ غمگین کیوں ہوگئے تھے؟ مَیں نے کہا کہ جو باطنی کیفیّات مجھے حاصل ہوئی تھیں، وہ ختم ہوگئی ہیں۔آپ نے فرمایا نہیں ختم نہیں ہوئیں بلکہ ''قبض'' کی حالت طاری ہے۔تسلّی رکھو۔وحی اور قبض کی حالت انبیاء کے لیے ہوتی ہے اور قبض اور بسط کی حالت اولیاء کے لیے۔مَیں نے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ قبض اور گھٹن کی حالت کیا ہوتی ہے۔آپ نے پوچھا اس کیفیت کا خاتمہ چاہتے ہو؟ مَیں نے کہا جی ہاں۔آپ نے رحم کھاتے ہوئے مجھ پر توجّہ ڈالی۔میری کیفیت بدل گئی اور مَیں مدہوش ہوگیا۔آپ نے فرمایا جا کر جنگل کے کسی گوشے میں بیٹھ

جاؤ۔مَیں نے جنگل میں ڈیرہ جمالیا۔اکثر راتیں بیٹھ کر گذاریں۔ایسی کیفیتیں حاصل ہوئیں۔جو بیان نہیں کی جاسکتیں،''ہمہ اوست'' کی حالت غالب آ گئی۔جو کچھ بھی دکھائی دیتا،حق نظر آتا۔بعد میں جب بھی مجھ پر گھٹن اور بے کیفی طاری ہوتی تو حضرت شیخ مسکرا کر فرماتے کہ یہ حالت فلاں دن اور فلاں وقت ختم ہوجائے گی۔مَیں منتظر رہتا۔حضرتؒ کے بتائے ہوئے وقت پر نہ صرف یہ کہ بے کیفی دور ہوجاتی بلکہ روحانی ترقّی بھی نصیب ہوجاتی۔

ایک دن حضرت شیخؒ نے مجھے کسی کام کے لیے روانہ کیا۔مجھ پر وہی بے کیفی طاری تھی۔مَیں نے سوچا کہ اِس حالت میں بھلا مَیں اتنا سفر کیسے طے کروں گا؟ آپؒ آگاہ ہوگئے اور فرمایا کہ حوصلہ رکھو۔جب فلاں شہر میں پہنچو گے تو عصر کے وقت یہ حالت زائل ہوجائے گی۔جب مَیں اُس شہر میں پہنچا تو عصر کے وقت طبیعت بہت زیادہ تروتازہ ہوگئی۔

حضرت شیخؒ فرماتے تھے کہ قبض کی حالت دو وجہ سے ہوتی ہے۔ایک ترقی کے لیے اور دوسری کسی غلطی کی پاداش میں۔پہلی قسم کے بعد تروتازگی کی کیفیّت پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے اور دوسری قسم کے بعد جو کشادگی ہوتی ہے وہ پہلے سے کچھ کم ہوتی ہے۔

جن دنوں مَیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا،وہ آپؒ کے اوائل کا زمانہ تھا۔اس زمانے میں آپ کے اکثر ساتھیوں پر شکر اور توحید کا غلبہ تھا۔تلوینات اور ظاہری تجلّیات کا مرحلہ گذر چکا تھا۔نقشبندی سلسلے کی ابتدائی کیفیت،جسے دوسرے سلسلوں میں شہود،مشاہدہ اور وصل کا نام دیا جاتا ہے،زوروں پر تھی۔کرامات کا بہ کثرت ظہور ہوتا تھا۔کشفِ ارواح،کشفِ قبور اور کشفِ صدور عام سی بات تھی۔مدہوشی کی سی کیفیت رہتی تھی۔ایسی

حالت میں کئی لوگ انا الحق کہہ دیتے تھے اور کچھ لوگ کئی کئی دن جنگلوں بیابانوں میں مارے مارے پھرتے تھے۔ بعض ساتھی ساری رات مراقبے میں گذار دیتے اور پوری رات کو ایک پہر سمجھتے تھے۔ اس حالت میں کیف و سرور اور عجز و انکسار کا غلبہ ہوتا تھا۔ یہ تمام مرتبے خصوصی ولایت کے ہیں جو ولایتِ انبیاء کے تحت ہے۔ اس میں وحدت وجود کا مرتبہ میسّر ہوتا ہے۔

شہودِ وجودی کی تین قسمیں ہیں۔ ہر شخص کی استعداد کے مطابق ان کا ظہور ہوتا ہے۔ پہلی قسم یہ ہوتی ہے کہ کچھ لوگوں کو مخلوق میں خالق دکھائی دیتا ہے۔ دوسری حالت میں مخلوق کو خالق کا عین سمجھا جاتا ہے۔ تیسری صورت میں مخلوق کا وجود ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اور سالک کو صرف اور صرف خالق ہی نظر آتا ہے اور وہ اس مشاہدے سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ حضرت کے مرید شیخ نور محمد پر وحدتِ وجود کی یہی کیفیت غالب آ گئی اور اس نے تین ماہ نماز تک نہ پڑھی۔ اس عرصے میں وہ ویرانوں میں گھومتا رہتا۔ ساتھی اُسے دیکھتے تو ملامت کرتے کہ نماز کیوں نہیں پڑھتے ہو؟ وہ کہتا کہ مَیں کس کی نماز پڑھوں؟ جو کچھ ہے، مَیں ہی ہوں۔ جب یہ خبر حضرت شیخؒ کو پہنچائی گئی تو آپ نے فرمایا کہ نور محمد کو میرے پاس لے آؤ۔ جب اُسے لایا گیا تو آپؒ نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ وہ آپؒ کے قدموں پر گر پڑا اور رونے اور توبہ کرنے لگا۔ کہتا تھا کہ مَیں عاجز بندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ آپؒ نے اُسے زبانی نصیحت بھی فرمائی کہ اے بھائی! تمھیں جو مشاہدہ ہوا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذاتی کا ایک کمال ہے جو تمھاری استعداد کے آئینے پر جلوہ گر ہوا۔ یہ کرشمہ بذاتِ خود اللہ کی ذات یا صفات نہیں کہ وہ ہماری سمجھ بوجھ سے بھی بلند ہے۔ حضرت شیخؒ کی اس مہربانی کی بدولت وہ ساتھی سراب سے نکل کر شریعت کے سمندر میں غوطہ ہو گیا اور اپنے

آپ کو بندہ مان کر عبادت میں مشغول ہو گیا۔

اِسی طرح ایک دن آپؒ بنور کی مسجد میں اشراق کے حلقے میں تمام ساتھیوں کے ساتھ مراقبہ کر رہے تھے کہ اچانک شیخ برہان الدّین ملتانی نے مدہوشی اور مستی میں تین بار انا الحق کہا۔ حضرت نے فرمایا کہ اسے حجرے میں بند کر دیجیے اور جب تک اس کے حواس ٹھکانے نہیں آتے، باہر نہ نکلنے دیجیے۔ چنانچہ وہ کئی دن حجرے میں مست پڑا رہا۔ کافی دنوں کے بعد اس کا عقل وشعور بحال ہوا تو حضرت شیخؒ نے توجہ ڈال کر اسے بھی بندگی کے اعلیٰ ترین مقام تک پہنچا دیا۔ یہ سرور انگیز کیفیت سراسر مدہوشی ہوتی ہے اگرچہ اس میں ظاہری علائق کا ترک کمال کو پہنچ جاتا ہے لیکن عاجزی، انکسار اور نامرادی کی گنجائش نہیں ہوتی۔

مَیں نے ابتدا میں حضرت مجدد الف ثانیؒ سے تلقین لی تھی۔ ان کی وفات کے بعد مَیں حضرت شیخ بنوریؒ کی خدمت میں آیا تو آپؒ نے مجھے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ ہمارے پیرزادگان کی خدمت میں جایئے کہ وہ مریدوں کی تربیّت فرماتے ہیں۔ ان کی خدمت زیادہ ضروری ہے۔ چوں کہ مَیں نے استخارہ کیا تھا اور میرا دل صاحبزادہ صاحبان کی طرف راغب نہیں تھا، اس لیے مَیں نے کہا کہ مجھے تو آپ ہی کی طلب ہے، چاہے قبول کریں یا نہ کریں۔ آپ نے دوبارہ وہی کہا کہ ہمارے پیرزادے بہت بزرگ ہیں۔ ان کی خدمت میں چلے جایئے۔ کئی دن یہی صورتِ حال رہی۔ آخر آپؒ نے کرم فرمایا اور اپنی توجہ سے نوازا۔ مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی جو آج بھی یاد آ رہی ہے۔ نقشبندی حضوری اور مدہوشی کا غلبہ ہو گیا۔ ظاہری تجرید اس حد کو پہنچ گئی کہ ظاہری و باطنی شرم و عار کا حجاب بھی اٹھ گیا۔ اس کیفیت میں سر مستی ہی سر مستی تھی۔ ایک دن حضرت شیخؒ نے میرا حال احوال پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو کیسا پاتے ہو؟ مَیں نے عرض کیا کہ اندر، باہر ہر جگہ وہی وہ ہے۔ لیکن جب

مَیں غور کرتا ہوں تو کچھ بھی پتہ نہیں چلتا۔ غفلت معلوم ہوتی ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ یہی تو اصل بات ہے۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ بے مثل ہے، جب تم اس کی ذات کے بارے میں غور کرتے ہو تو غفلت طاری ہوجاتی ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ جیسے کوئی عاشق ہاتھ باندھے، نظریں جھکائے محبوب کے سامنے کھڑا ہے تو محبوب اس پر لطف و کرم کی نظر ڈالتا ہے۔ اگر عاشق شوخی کرے اور ٹکر ٹکر محبوب کے چہرے کو دیکھنے لگے تو وہ تغافل کر کے کہیں اور دیکھنے لگتا ہے۔ ایسی حالت میں عاشق حیرت زدہ اور بے چین ہوجاتا ہے۔ جب ظاہری معاملے میں یہ حالت ہوتی ہے تو اللہ کے معاملے میں کیوں نہیں ہوگی۔ وہ ذات بے مثال ہے اور ہمارے حواس کی گرفت میں نہیں آتی۔ اسے کسی کیفیت میں ڈھونڈا جائے گا تو غفلت ہی ہوگی۔ تمھاری جو حالت ہے، ایسی ہی حالت اگر دوسرے سلسلوں میں لمحہ بھر کے لیے بھی ہو تو غنیمت سمجھی جاتی ہے۔ ہمارے پیر و مرشد بعض مُریدوں کو اسی مرحلے میں خلافت عطا کر دیتے تھے۔ حضرت شیخ بنوریؒ کی صحبت میں یہ کیفیت بعض ساتھیوں کو چھ ماہ اور بعض کو اس سے بھی کم مدت میں حاصل ہوجاتی تھی۔ مرحوم شیخ ابوالفتحؒ کو تین دنوں میں نصیب ہوگئی تھی۔ بعض اعلیٰ صلاحیت والوں کو ایک ہی دن میں بھی مل جایا کرتی تھی۔

کامران بیگ بدخشی سپاہیوں کے لباس میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس دور کے مشائخ کی شکایت کی کہ مَیں نے ملک کا بیشتر حصّہ دیکھ لیا۔ مجھے کوئی صاحبِ تصرف ایسا نہیں ملا جو میری دستگیری کرتا، مجھے نفس کی قید سے نکال کر انسانی کمال تک پہنچاتا۔ پہلے زمانوں میں تو بڑے بڑے ولی اللہ ہوتے تھے جو بہت جلد سالکوں کو منزل تک پہنچا دیتے تھے۔ حضرت شیخؒ کو مشائخ کے بارے میں کامران بیگ کی یہ باتیں بہت بُری لگیں۔ آپ اُٹھ کر گھر چلے گئے اور اس کے بعد کامران بیگ کو خلوت میں طلب کر کے توجہ

ڈالی اور اُسی وقت اسے حضوری نسبت تک پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ اس کی بدظنی دور ہوگئی۔ کہنے لگا ہاں اب معلوم ہوا ہے کہ زمانہ بزرگوں سے خالی نہیں ہے۔ پھر آپؒ نے اُس سے پوچھا کہ کوئی اور خواہش باقی تو نہیں رہ گئی؟ اس نے کہا نہیں جو کچھ مجھے درکار تھا، وہ مل گیا ہے اور مَیں تائب ہوتا ہوں۔

مصنف کہتا ہے کہ اِس طرح کا تصرف حضرت شیخؒ کے ابتدائی زمانے میں ہوتا تھا۔ بعد میں آپ نے اختیاری تصرف بالکل چھوڑ دیا تھا۔ اگرچہ وہ مکمل طور پر ختم نہیں ہوا تھا۔ تدریجی تصرف باقی تھا اور آپ اکثر سالکوں کو کم وبیش چالیس دنوں میں کمال کو پہنچا دیتے تھے۔ اِس سے بہت کم مدت میں کم ہی ہوتا تھا۔ اور ایسا بھی تب ہوتا تھا جب طالب میں بے حد استعداد ہوتی تھی۔ آخری زمانے میں تو صورتِ حال یہ تھی کہ اکثر لوگ علم وعرفان کے طالب ہوتے تھے، حال ووجدان کے نہیں۔ یوں بھی ہوتا تھا کہ بہت سے لوگ استعداد نہ ہونے یا بدنصیبی کی وجہ سے محروم رہ جاتے تھے۔

مختصر یہ کہ انعام ایک ہی لمحے میں بہت کم عطا ہوتا ہے۔ لہذا ہر شیخ سے ہر وقت کمالِ تصرف کا تقاضا نہیں کرنا چاہیے کہ ایسا تو انبیاء اور کامل اولیاء سے بھی کم ہی وقوع پذیر ہوا ہے۔ دوسروں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ مصنف کی بات مکمل ہوئی۔

شیخ ابونصر لکھتے ہیں کہ رفتہ رفتہ ساتھیوں میں غلبہ اور کیفیات کم ہوتی گئیں اور مستی وسرور اور شوق میں کمی آ گئی۔ اکثر ساتھیوں کو مقامِ حیرت کا سامنا کرنا پڑتا اور وہ بے چین ہو جاتے کیونکہ اس میں شہود ومشاہدے کا خاتمہ ہو جاتا تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کا معاملہ ترقی کر رہا ہے اور ذوق اور حیرانی کے بعد وصال کا مرحلہ ہے۔ اس لیے اکثر ساتھیوں نے عرض کیا کہ شوق ومستی ختم ہوگئی ہے اور حیرت وفکر نے اس کی جگہ لے لی

ہے۔ساتھیوں کی التماس کے بعد حضرت شیخ نے اللہ تعالیٰ سے راہنمائی طلب کی۔القاہوا کہ سرمستی کی اُس حالت کو اِس شعور کی کیفیت سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔کیونکہ اُس حالت میں جذب ہوتا ہے اور اِس حالت میں لطف وکرم۔اُس کی انتہا مستی وسرور ہے اور اِس کا کمال عجز وشعور،اُس کا انجام گرمی وحرارت ہے اور اِس کا انجام نیستی وحیرت پر ہوتا ہے۔اُس کیفیت میں اضمحلال اور عدم ہوتا ہے جبکہ اِس حالت میں فنا وبقا۔وہ اولیاء کی ولایت کے انوار میں سے ہے اور یہ انبیاء کی ولایت کے انوار میں سے ہے۔اُس میں حصول وشہود ہوتا ہے اور اِس میں کمالِ وصال۔اُس کا تعلّق علمِ حضوری سے ہوتا ہے جو علمِ لدُنّی کی اصل اور اساس ہے۔

چنانچہ اکثر ساتھی ترقی کر کے اس مرتبے میں پہنچ گئے اور کچھ کم ہمّت اُسی مستی وسرور میں پھنسے رہے۔ایک دن مَیں نے درمیان ہی میں رہ جانے والے ایک ساتھی کے حالات حضرت شیخ ؒ کی خدمت میں بیان کیے کہ فلاں ساتھی کو بہت کشف ہوتا ہے۔اس سے کئی کرامتیں صادر ہوتی ہیں۔کشفِ ارواح اور کشفِ قبور بھی حاصل ہے۔آسیب زدہ پر توجہ کرتا ہے تو آسیب بھاگ جاتا ہے۔مریض کے پاس جائے تو وہ شفا پا جاتا ہے۔راہِ سلوک میں اسے جو مشکل بھی پیش آتی ہے،وہ اولیائے کرام کی روحوں سے اس کا حل معلوم کر لیتا ہے۔لیکن جب وہ حضرت شیخ ؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو یہ سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔پھر جب وہ اپنے وطن واپس چلا جاتا ہے تو یہ احوال اس پر دوبارہ طاری ہو جاتے ہیں۔آپ ؒ نے فرمایا کہ یہ سب کچھ ہیچ ہے اور ان میں کوئی چیز بھی منزلِ مقصود نہیں ہے۔''وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَر''(اللہ کا ذکر ہی سب سے بڑا ہے)اگر یہ حالت کمال والی ہوتی تو میری صحبت میں زائل نہ ہوتی بلکہ بڑھ جاتی۔

مصنّف کہتا ہے کہ اس جواب میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا ہی بہتر ہے کیونکہ ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ کا ذکر کیفیتوں اور کمالات کے حصول کا ذریعہ ہے۔ احوال تو بدلتے ہی رہتے ہیں۔ ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ احوال سے گذر کر احوال پیدا کرنے اور اُنھیں تبدیل کرنے والے کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ ایسی کرامات، ظلّی ولایت کی ابتدائی نشانیاں ہیں۔ ان پر غرور نہیں کیا جانا چاہیے اور اس مقام سے آگے بڑھ جانا چاہیے۔ ان سے آگے معرفت، بندگی اور حیرت کا مقام ہے اور یہ حقیقی ولایت کے مقامات ہیں اور حقیقی علمِ لدُنّی کے حصول کا نتیجہ ہیں۔ یہ حضوری در حضوری، دائمی آگاہی اور دائمی شعور کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمھیں یہ مقام عطا فرمائے کہ مقصود یہی ہے۔

شیخ ابونصر لکھتے ہیں کہ حضرت شیخؒ ایک دن بتور میں ایک صوفی کو مخاطب کر کے معرفت کی باتیں بیان کر رہے تھے۔ جب وہ صاحب چلے گئے تو آپؒ نے فرمایا کہ اُنھیں یہ باتیں اچھی طرح ذہن نشین نہیں ہوئیں۔ اسی وجہ سے ان میں لذّت و سرور محسوس نہیں ہوا۔ مَیں نے عرض کیا کہ ناچیز کو آپ کی خدمت میں تین سال ہو گئے ہیں۔ بہت سی باتیں خود میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ وہ تو نئے نئے ہیں اُن کی سمجھ میں بھلا کہاں آئی ہوں گی! آپؒ نے تیز تیز نظروں سے مجھے دیکھا اور فرمایا مردانہ وار رہو اور بامراد رہو۔ تین دنوں کے بعد سب سمجھ جاؤ گے۔ مجھے تعجب ہوا کہ جو کچھ تین برسوں میں سمجھ میں نہیں آیا، وہ تین دنوں میں کیسے سمجھ میں آئے گا؟ تین دن کے بعد آپ جنگل کی سیر کے لیے تیار ہو گئے۔ مجھے طلب کیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر ساتھیوں کے آگے آگے روانہ ہوئے۔ راستے میں آپ مختصر انداز میں معرفت کی باتیں بیان کرتے رہے اور اپنے خصوصی علمِ لدنّی کا ایک

ذرّہ مجھے عطا کیا۔اس عنایت سے میری حالت بالکل بدل گئی۔گویا رات کے بعد دن نکل آیا ہو۔اُس دن کے بعد سے مَیں معرفت کی ہر وہ بات سمجھنے لگا جو میری استعداد کے مطابق ہوتی اور اس حالت میں روز بہ روز بہتری پیدا ہونے لگی۔

حضرت شیخؒ کی وفات کے بعد بھی مجھ پر آپ کی عنایت کا سلسلہ جاری رہا۔ ایک بار مَیں نے خواب میں دیکھا کہ آپؒ ساتھیوں کے پاس بیٹھے ہیں۔مجھے دیکھتے ہی آپؒ نے فرمایا کہ ساتھی ذرا چلے جائیں تاکہ مَیں تخلیے میں ابونصر کا حال احوال پوچھ لوں۔پھر آپؒ نے مجھ سے فرمایا کہ تازہ وضو کر کے آؤ۔مَیں وضو کر کے حاضرِ خدمت ہوا تو آپؒ نے اپنے حجرۂ خاص میں مجھ پر خصوصی توجّہ ڈالی۔مجھ پر ایسی کیفیات طاری ہوئیں جو بیان سے باہر ہیں۔

مصنّف کہتا ہے کہ مَیں نے شیخ ابونصرؒ سے بہت سی روایات سُنی ہیں۔اُن میں سے جو مجھے پوری طرح یاد رہ گئی تھیں، وہ مَیں نے ہر باب میں مناسب مقام پر کتاب میں شامل کر لیں۔جب آپ حج کے بعد ہندوستان چلے گئے تو آپؒ نے وہاں سے میرے لیے ایک رسالہ لکھ بھیجا اور خواہش ظاہر کی کہ مَیں اسے اپنے مجموعے میں داخل کر لوں۔چنانچہ اُن کی خواہش پر مَیں نے مختصراً کچھ روایات شامل کر لی ہیں۔ان کی بیان کردہ روایات دیگر ساتھیوں کی روایات سے زیادہ ہیں، اس لئے کہ آپؒ بہت پرانے ساتھی تھے۔

انھوں نے لکھا ہے کہ یہاں کے ساتھی اکثر حضرت شیخؒ کو خوابوں میں دیکھتے ہیں اور آپؒ کے لطف و کرم اور کرامات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔خاص طور پر بنّور، انبالہ اور اس علاقے کے ساتھی اتنے واقعات بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے چند ہی لکھ رہا

ہوں۔ کابل، پشاور اور ہندوستان کے ساتھیوں کے خواب بیان میں نہیں سماتے۔ شیخ ابونصرؒ نے اپنے رسالے میں ایک خط بھی لکھا ہے۔ ہم ان کے حالات کا باب اسی خط پر ختم کرتے ہیں۔ ہم اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے علم، عمل، عفو، سلامتی، حُسنِ انجام اور دین و دنیا میں بہترین حالات کی دعا کرتے ہیں کیونکہ دوسروں کے بارے میں کی جانے والی دعائیں اُن کے حق میں قبول ہوتی ہیں۔

مکتوب:

فقیرانہ دعاؤں اور سلام کے بعد مخدوم معنوی شیخ محمد امین کی خدمت میں عرض ہے کہ مجھ فقیر کے حالات لائقِ شکر ہیں۔ آپ کی خیر و عافیت اور لمبی زندگی مطلوب ہے۔ اللہ کرے آپ صحت و سلامتی سے سلسلے کی خدمت میں مصروف رہیں۔ آپ کے احسانات کا شکریّہ ادا کرنے میں مجھ سے بے حد کوتاہی ہوئی۔ آپ کی خدمات کا شکریّہ سب ساتھیوں پر فرض ہے۔ مَیں نے یہاں کے اہم ساتھیوں سے سُنی ہوئی کچھ ایسی روایات لکھی ہیں جو آپ کی کتاب میں شامل ہونے کے لائق ہیں۔ امید ہے کہ آپ انھیں کتاب میں شامل کر کے شکریّے کا موقع دیں گے اور مجھے فراموش نہیں کریں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حجاز میں سکونت عطا کی ہے اور آپ کو حضرت شیخؒ کا قُرب حاصل ہے۔ ہم آپ کی طرف سے دعاؤں کی امید رکھتے ہیں۔

مَیں حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کے عرس پر گیا تھا۔ مَیں نے پیرزادہ صاحبان اور ان کے صاحبزادگان کی خدمت میں فرداً فرداً آپ کی دعائیں عرض کیں۔ سب نے آپ کی خیریت دریافت کی اور بہت محبّت سے یاد کیا۔ انھی دنوں میں مُلّا بدرالدین سرہندی سے

ملاقات رہی۔ یہ وہی صاحب ہیں جنھوں نے حضرات کے مقامات تحریر کیے ہیں۔ وہ صاحبزادہ سید غلام محمد کی خدمت میں حاضر تھے۔ مَیں نے آپ کی کتاب کے کچھ صفحات مولانا بدرالدین کو پڑھ کر سنائے۔ وہ سُن کر بہت ہی زیادہ خوش ہوئے اور بہت تعریفیں کیں۔ کہنے لگے مَیں مولانا محمد امین کو جانتا تھا لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ اتنے بڑے عالم بھی ہیں۔ یہ سب اللہ کے فضل وکرم کی نشانیاں ہیں۔ پھر اُنھوں نے بڑے شوق وذوق سے آپ کی تصنیف کا کچھ حصّہ اپنی کتاب میں شامل کیا۔

جو شخص بھی آپ کی کتاب پڑھتا ہے، حیران رہ جاتا ہے۔ پڑھنے والا آپ کی رنگین عبارتوں اور اعلیٰ افکار کا شیدائی ہوجاتا ہے۔ اللہ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ جی ہاں، ایسا کیوں نہ ہو؟ آخر حضرت شیخؒ آپ پر خصوصی مہربانی ایسے ہی تو نہیں فرماتے تھے۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ آپ کے خلوص ومحبت میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے اور اس کی نشانیاں بھی زیادہ ظاہر ہورہی ہیں۔

مزید یہ کہ ساتھیوں پر حضرت شیخؒ کے کرم کے بارے میں کیا لکھوں؟ آپؒ استعداد رکھنے والے ساتھیوں میں سے کسی نہ کسی کو ہر روز اور ہر رات کو زیارت کرواتے ہیں۔ تسلّی دیتے ہیں۔ نصیحتیں کرتے ہیں اور توجّہ ڈالتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے آپؒ کی طرف سے تربیت، ظاہری زندگی کے مقابلے میں بہت بڑھ گئی ہے۔

شیخ احمد سنوریؒ:

انھوں نے اپنے حالات میں یہی کچھ لکھوایا ہے کہ مَیں شروع میں ایک قادری بزرگ سے وابستہ تھا لیکن مجھے اپنے آپ میں کوئی ترقّی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ آخر مَیں

سرہند میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کی بلند شان دیکھ کر مَیں نے سوچا کہ اتنے عالموں اور نیک لوگوں کی موجودگی میں بھلا مجھے کب نوازیں گے؟ یہ خیال آتے ہی آپؒ نے مجھے بلایا اور اپنے دروازے پر کھڑے ہو کر مجھے حضرت شیخ محمد معصومؒ کے سپرد فرمایا۔ آپؒ نے مجھے ذکر اذکار میں مشغول کر دیا۔ مجھ پر اللہ کی محبّت کا غلبہ ہونے لگا۔ جب مَیں واپس وطن پہنچا اور اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کرنی چاہی تو خود کو اس قابل نہ پایا۔ ہمارے علاقے میں قادری خلفاء تھے وہ دستارِ خلافت اور شجرے دیا کرتے تھے۔ اُنھیں یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے مجھے بہت ڈرایا کہ تمھیں حضرت غوث اعظمؒ کی بددعا لگ گئی ہے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ حضرت غوث اعظمؒ کی ناراضی کا بھلا کیا سبب ہو سکتا ہے؟ مَیں نے اللہ کا ذکر کرنے کا طریقہ سیکھا ہے۔ اس بات پر انھیں ناراض ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ آخر مَیں قادری سلسلے کے اُس خلیفے اور اس کے مریدوں کے کہنے سننے سے ذکرِ قلبی چھوڑ بیٹھا۔ ذکر چھوڑتے ہی مجھے بہت غم اور پریشانی لاحق ہو گئی۔ مجھے آسمان، زمین بلکہ نمازوں تک کا ہوش نہ رہا۔ صاف دکھائی دیتا تھا کہ مَیں بھٹک گیا ہوں۔ مجھ پر گناہ اور کفر کا خوف غالب آ گیا۔ ایک دن مَیں نے صدقِ نیّت سے ذکر چھوڑ دینے سے توبہ کی۔ شیخ اور بزرگانِ نقشبندیہ کی طرف رجوع کیا۔ مجھے یوں لگا جیسے مَیں راہِ راست پر آ گیا ہوں۔ کفر کا احساس ختم ہو گیا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی وفات کے بعد مَیں نے حضرت آدم بنوریؒ کی بہت شہرت سُنی۔ میرا دل آپؒ کی طرف مائل ہو گیا۔ ملاقات سے پہلے مَیں نے ایک رات آپ کو خواب میں دیکھا کہ مَیں حاضر ہوا ہوں اور آپؒ نے مجھے تلقین دی ہے۔ اس سے مجھ پر خاص کیفیّت طاری ہو گئی۔ جب مَیں بیدار ہوا تو حضوری اور ذکر کا غلبہ تھا۔ اس کے بعد مَیں

نے بڑے شوق سے بنّور حاضر ہو کر ملاقات کی۔ آپؒ نے بہت مہربانی فرمائی اور میرے احوال پر توجّہ دی۔ مجھے اعلیٰ کیفیتیں اور بہت ترقّی عطا ہوئی۔ محبّت کی وجہ سے مَیں آپ کی خوب خدمت کرتا اور آپ بھی بہت شفقت کرتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ احمد ہمارے پیرو مرشد کے مُریداور ہم نام ہیں، ان کا احترام ہمارے لیے لازم ہے۔

میرے وطن میں میری دال کی فصل پکی ہوئی تھی اور میرے علاوہ کوئی نہیں تھا جو اسے کاٹتا۔ مَیں نے آپؒ سے رخصت لی تو فرمانے لگے پکی ہوئی گندم چھوڑ کر دال کی فصل کے لیے جا رہے ہو۔ مَیں نے عرض کیا کہ بال بچّوں کی ضروریات تو آپ کو معلوم ہی ہیں۔ میرے رخصت ہونے کے بعد آپ نے ساتھیوں سے فرمایا اس کی کیفیّت بہت عمدہ تھی۔ اگر دس دن اور رک جاتا تو اس کا سیر و سلوک مکمّل ہو جاتا۔ لیکن کیا فائدہ؟ جلدی چلا گیا اور اس کا معاملہ نامکمل رہ گیا۔

شیخ احمد نے بتایا کہ مَیں حج کے لیے حضرت شیخؒ کے ساتھ روانہ ہوا۔ سورت پہنچے۔ جہاز خضری میں تمام درویشوں کی گنجائش نہیں تھی۔ آپؒ نے کچھ ساتھیوں کو اپنے ساتھ رکھ لیا اور باقی حضرات کو دوسرے جہاز میں جگہ ملی۔ مجھے اجازت و خلافت دے کر ایک گروہ کا امیر بنا کر روانہ کر دیا۔ یہ بھی فرمایا کہ اگر لوگوں میں سے کسی سے مخالفت دیکھو تو تحمّل کرنا کیونکہ درویشوں کا کام بُردباری ہوتا ہے۔ آخر بعض ساتھیوں کی طرف سے مخالفت دیکھی یہاں تک کہ مَیں اکیلا رہ گیا۔ یمن اور حجاز کا برّی و بحری راستہ طے کر کے مَیں مدینہ منوّرہ میں حضرت شیخ بنّوری کی خدمت میں پہنچ گیا۔ آپؒ نے مجھے خصوصی مصافحے سے سرفراز کیا۔ حضرت شیخؒ کی وفات کے بعد مَیں کافی عرصہ بہت دل گرفتہ اور پریشان رہا۔ آپؒ کی زندگی میں شوق ہی شوق اور سرخوشی ہی سرخوشی تھی۔ اب آپ لوگ مجھے مہربانی

اور تربیت کی نظر سے دیکھا کیجیے۔

مصنّف کہتا ہے کہ شیخ احمد مجھ پر بہت مشفق تھے۔ ہمارے مزاج بھی بہت ملتے تھے۔ پیر بھائی کی نسبت بھی تھی۔ سرہند اور بنّور میں بھی اکٹھے رہے تھے۔ برادرانہ سطح سے بڑھ کر وہ اپنے آپ کو میرا تربیت یافتہ سمجھتے تھے اور مُریدانہ انداز میں خدمت بجا لایا کرتے تھے۔ ایک بار ہم ساتھیوں کے ہمراہ عُمرے کے لیے روانہ ہوئے۔ ہم دونوں اکٹھے تھے اور ساتھیوں سے ذرا الگ ہو کر ایک دوسرے کو اپنے حالات و واقعات بتا رہے تھے۔ اسی دوران میں انھوں نے اپنی کچھ لغزشوں کا ذکر کیا اور ایسا عجز و انکسار اختیار کیا کہ مَیں بے خود ہو گیا۔ بے خودی کے اس عالم میں اُنھوں نے بہت منّت سماجت سے یہ خواہش ظاہر کی کہ اگر مجھے حضرت سرورِ کائنات ﷺ کی زیارت ہو تو مَیں خدا کے واسطے اُنھیں بھی یاد کروں۔ اُسی رات، طواف کے بعد، سعی سے پہلے مَیں تھک کر مقامِ حنبلی میں لیٹ گیا اور نادم ہو کر استغفار پڑھتا رہا۔ دل میں خیال آیا کہ اگر آج کی باتوں سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ راضی ہیں تو آج رات مجھے ضرور زیارتِ رسول ﷺ ہو گی۔ اسی آرزو میں مجھے گہری نیند آ گئی۔ اچانک مَیں نے دیکھا کہ حضرت رسولِ کریم ﷺ طواف کر رہے ہیں اور مَیں بھی آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ ہوں۔ حجرِ اسود کے قریب پہنچے تو مَیں نے شیخ احمد کو وہیں سامنے مراقبہ کرتے ہوئے دیکھا۔ مجھے اُن کی التماس یاد آ گئی۔ آنحضرت ﷺ حجرِ اسود کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے کہ مَیں نے شیخ احمد کی صورتِ حال بیان کی۔ آپ ﷺ نے وہیں رک کر ان پر توجہ فرمائی اور ان کا پرانا لباس اُتروا کر انھیں بابرکت نورانی خلعت پہنائی۔

آنکھ کھلی تو مجھے بہت حیرت ہوئی۔ مَیں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ کیسا خواب

خیال تھا جس کے آثار ہی ظاہر نہیں ہیں اور نہ خواب کے حقیقی ہونے کی کوئی نشانی ہے۔ خدا کی قسم میری تسلی اُس وقت تک نہیں ہوگی جب تک میں کوئی ظاہری اثر نہیں دیکھ لیتا!! اگرچہ میں اپنے آپ کو تسلی دیتا تھا کہ خواب میں ایسے مشاہدات کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بیداری میں بھی وہی مشاہدے ہوں اور ایسی باتیں روحانی ہوتی ہیں، ظاہری نہیں لیکن ان باتوں سے دل تسکین نہیں ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ شیخ احمد کے ایک ساتھی مدینہ شریف سے آئے اور انھوں نے بتایا کہ میں مواجہہ شریف کے سامنے مراقبہ کر رہا تھا کہ مجھ پر آنحضرت ﷺ کی طرف سے واضح القا ہوا کہ احمد سے ہمارے حق میں بے ادبی ہوگئی تھی۔ اب ہم نے اس کی غلطیاں معاف کر دی ہیں۔ اسے اپنی مانی ہوئی نذر پوری کرنی چاہیے اور استقامت میں ثابت قدم رہنا چاہیے۔ شیخ احمد نے یہ خوشخبری سنتے ہی نذر پوری کرنے کے لیے درویشوں کے کھانے کا بندوبست کیا اور کہا کہ مجھے یقین ہے کہ یہ بشارت شیخ محمد امین کے خواب کا نتیجہ ہے جو انھوں نے میرے بارے میں دیکھا تھا۔ مجھے بھی اس خوش خبری سے اندازہ ہوگیا کہ میرا خواب والا مشاہدہ اب روحانی طور پر ظاہر ہوا ہے لیکن پھر بھی دل میں خدشہ باقی تھا کہ اگر وہ مشاہدہ ظاہری طور پر بھی ٹھیک وارد ہوجاتا تو بہتر تھا۔ انھی دنوں میں ایک دوست ہندوستان سے آئے اور انھوں نے شیخ احمد کا پرانا لباس اُتروا کر انھیں نیا لباس پہنایا اور ان کی تنگ دستی ختم ہوگئی۔ اس پر مجھے یقین ہوگیا کہ اب خواب کا مشاہدہ ظاہری طور پر بھی درست واقع ہوگیا ہے اور علم الیقین، عین الیقین بن گیا ہے۔ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو امور کو ظہور سے پہلے ظاہر کرتا ہے اور وہی امور کو بہتر جانتا ہے۔

مولانا شیخ عثمان پشاوری شاہ جہان پوریؒ:

آپ حضرت شیخ بنوریؒ کے عالم و عامل اور متقی خلفاء میں سے ہیں۔ ۱۰۴۰ھ کے لگ بھگ ہم دونوں ملا یوسف کے پاس شرح وقایہ پڑھتے تھے۔ وہ شروع سے ہی تقوے سے آراستہ تھے۔ اس گروہ میں سے سب سے پہلے وہی نقشبندی ہوئے تھے۔ ان پر بے مثال کیفیات طاری ہوتی تھیں۔ خانقاہ سرہند میں میرے پاس تشریف لاتے اور اسی خانقاہ میں رہنے کی ترغیب دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ہم لوگوں نے بنّور سے جو کچھ حاصل کیا ہے، وہ آپ کو بھی حاصل ہے اور جو کچھ آپ کو حاصل ہے، وہ ہمیں میسّر نہیں۔ مَیں نے پوچھا کہ وہ کون سی نعمت ہے جو ہمیں حاصل ہے اور آپ کو میسّر نہیں؟ انھوں نے فرمایا: یہ اولیاء، علماء، پرہیزگاروں، صوفیوں اور نیک لوگوں کی مجلس، روضہ مبارک میں مذاکرہ، مراقبہ اور تعلیم و تدریس، موافقت، جمعیتِ خاطر، برکت، معرفت، ذوق، چاشنی، دائمی حضوری اور نیک لوگوں کے ساتھ مل کر اعمال کی انجام دہی۔ مَیں نے کہا کہ یہ سب کچھ تو آپ کو بھی حاصل ہے۔ کہنے لگے: جی ہاں! اللہ کا شکر ہے کہ یہ تمام چیزیں کمال کو پہنچی ہوئی ہیں لیکن مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہماری مجلس زیادہ دیر برقرار نہیں رہے گی۔ ہم اور آپ علم کے طالب بھی ہیں اور معرفت کے متلاشی بھی اور یہ دونوں یہاں میسّر ہیں۔ میری حالت یہ ہے کہ مَیں ان میں سے محض کسی ایک چیز پر قناعت نہیں کر سکتا۔ علم اور معرفت دو پَر ہیں، جن کے بغیر اُڑا نہیں جا سکتا۔ اُن کی اِس بات سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ یہ نصیحت کرنا چاہتے ہیں کہ روحانیت کے ساتھ ساتھ ظاہری علم بھی ضرور حاصل کیا جائے۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ کشفی فراست اُنھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی تھی کیوں کہ بنّور کی

نورالحق مجھ پر بہت مہربان ہیں۔ وہ حضرت خواجہ عبدالباقیؒ کے مرید ہیں۔ راہِ سلوک پر بھی چلتے ہیں لیکن ابتدائی مرحلے میں ہیں۔ مَیں نے اُن کی خواہش پر دو چِلّے اختیار کیے اور بہت مشاہدہ اور فائدہ ہوا۔ اس مصروفیت کے باوجود بارہ لوگوں نے مجھ سے روحانی فیض پایا ہے۔ ان میں سے دو علمائے کرام ہیں اور ایک صاحب صحیح بخاری کے درس میں ہمارے ساتھی ہیں۔ انھیں اعلیٰ کیفیتیں حاصل ہوگئی ہیں۔ اپنے ساتھی کو مَیں نے براہِ راست تلقین دی۔

توقع ہے کہ آپ دعا میں یاد فرمائیں گے۔ حج کی نیّت لے کر کوہستان سے ہندوستان آئے ہوئے مدّت گذر چکی ہے لیکن ابھی منظوری نہیں ہوئی۔ کیا کریں تدبیر پر تقدیر غالب ہے۔ آپ اللہ کے فضل سے اُس مقام پر فائز ہوگئے ہیں جس سے آگے تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا اس لیے مَیں دوبارہ برادرانہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھ عاجز کو دعائے خیر میں یاد رکھیں کہ مَیں آپ کا پُرانا مخلص ہوں۔

جمعے کے بارے میں مستند اور مدلّل روایات لکھ کر ارسال کریں کیونکہ یہاں مخالفین اکثر مخالفت کرتے ہیں۔ کعبے کے بارے میں بھی تفصیل سے لکھیے گا۔ ہم شدّت سے منتظر ہیں۔

آپ نے ساتھیوں کے حالات پوچھے تھے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اکثر ساتھی صاحبِ استقامت ہیں۔ بعض استفادے میں مصروف ہیں اور بعض خلوت نشین ہیں۔ سب ساتھی آپ کی تصانیف سے فیض پاتے ہیں۔ آپ کے رسالوں سے ساتھیوں اور دوسرے لوگوں کا ذوق وشوق خوب بڑھا ہے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ نے بہت اچھا ارادہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مکمّل کرنے کی توفیق دے۔ مجھ ناچیز کے حالات اِس قابل نہیں ہیں

کہ کتاب میں شامل کیے جائیں۔اس عریضے کو آپ کے لیے دعاؤں پر ہی ختم کرر ہا ہوں۔

اِنھی دنوں شیخ عبداللہ کوہاٹی سے ملاقات ہوئی ہے۔ بڑی گہری باتیں اور اونچے دعوے کرتے ہیں۔حاضر جواب اور فصیح البیان ہیں۔باتوں میں دوسروں سے جیت جاتے ہیں۔وہ پہلے پہل تو ایک عام پہاڑی آدمی تھے، جسے کچھ بھی معلوم نہیں تھا لیکن اب حضرت شیخ ؒ کی صحبت کی برکت اور حرَمین کی زیارت کے طفیل انھوں نے خوب ترقّی کی ہے۔معرفت کے مشکل مسائل حل کرتے ہیں۔مریدوں کو ان سے خوب ذوق اور کیفیّت حاصل ہوتی ہے لیکن افسوس کہ نقلی و عقلی علوم سے عاری ہیں اور محض عرفان کا دعویٰ رکھتے ہیں۔خدائی علوم اور غیبی احوال کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔اس سے زیادہ لکھنا گستاخی ہوگی''۔خط ختم ہوا۔

شیخ عثمان ۱۰۷۰ھ میں حج پر آئے۔تلاوت، زیارت، درود، حدیث اور ذکر ہی میں مشغول رہتے تھے۔مَیں نے ان کے حالات جاننے کے لیے بہت اصرار کیا لیکن وہ نہ مانے۔آخر انھوں نے حضرت شیخ ؒ کے ایک خط کی زیارت کرائی۔یہ خط ان کے باطنی کمال کا گواہ ہے۔وہ خط یہ ہے:

''برادرم شیخ عثمان! آپ نے بعض بڑے اولیاء کے مزارات کی زیارت کے حقائق کے بارے میں لکھا تھا۔جس شخص کا باطن صاف ہو چکا ہو، وہ جتنا زیادہ خالی الذّہن ہوکر ان مقامات پر حاضر ہوگا، صاحبانِ مزار کے احوال کی حقیقت اُتنی ہی زیادہ ظہور کرے گی۔لیکن آپ کا علم بہت زیادہ ہے۔آپ کو کم ہی موقع ملے گا۔شہودی کیفیت طاری ہوسکتی ہے جو بہت لطیف ہوتی ہے لیکن اس کا تعلّق ادراک ہی سے ہوتا ہے۔سائل اور دیگر ہر شخص کے کمال کی دلیل یہ ہے کہ اس کا باطن ادراک سے بالاتر ہو جائے اور اسے روحانی اور ایمانی

ظہور نصیب ہو۔ اشارہ ہی کافی ہے''۔ مکتوب مکمّل ہوا۔

جب شیخ عثمان مدینہ منوّرہ پہنچے تو اُنھوں نے خصوصی مہربانیاں دیکھیں اور اُنھیں شریعت وطریقت کی پیشوائی کا حکم دیا گیا۔ بعد میں ۱۰۸۴ھ میں وہ دوبارہ حج پر آئے۔ اُن کا ارادہ تھا کہ مدینہ منوّرہ ہی میں رہیں گے۔ وہاں حاضر ہوئے تو جلد ہی واپس آ گئے۔ فرمایا کہ حضرت شیخؒ نے جلدی اجازت دے کر رخصت کر دیا ہے۔ ٹھہرنا ممکن نہیں ہے۔ واپس گئے تو بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے ملاقات کی دعوت دی اور ان کی صحبت اختیار کی۔ بادشاہ ان کا بہت معتقد ہو گیا تھا۔

شیخ قاسم سہارن پوریؒ:

حضرت شیخ آدمؒ کے اہلِ دل خلفاء میں سے ہیں۔ پیشے کے لحاظ سے بافندہ ہیں اور طریقت میں کمال اور تکمیل پا کر بھی یہی پیشہ اپنائے ہوئے ہیں۔ یوں رزقِ حلال کما کر کھاتے ہیں۔ انھوں نے شروع میں بہت سخت ریاضتیں کیں اور عجیب وغریب احوال دیکھے۔ اب اُن کے علاقے کے بہت سے لوگ ان کے مرید ہیں اور ان میں حکماء، علماء اور صالح لوگ شامل ہیں۔ آپ کے مریدوں نے بھی اچھے احوال دیکھے ہیں اور کرامتوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ اُن کی زبان سے نہیں سنا اِس لیے مَیں ان باتوں کے ذکر کی جرات نہیں کرتا۔ جب سُنی ہوئی باتوں کا بغیر تحقیق کے بیان کر دینا گناہ ہے تو تمام سُنی ہوئی باتوں کے لکھ دینے کا کیا حال ہوگا؟

مَیں نے یہاں جو کچھ تحریر کیا ہے، یا تو خود دیکھا ہے، یا معتبر اور عادل راویوں سے سُنا ہے اور اُسی وقت لکھ لیا ہے یا ذہن نشین کر لیا ہے یا راویوں کے رسائل اور خطوں

سے لکھا ہے۔ مَیں نے ساتھیوں سے کہا ہے کہ جو روایت بھی غلط ہو یا اس میں شبہ ہو یا اس کا راوی عادل نہ ہو، اسے اِس مجموعے سے نکال دیں۔ بہر حال مَیں نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ صحیح روایات لکھوں۔ ایسے ہی سوچے سمجھے بغیر نہیں لکھتا چلا گیا۔ مَیں نے کچھ مجذوب اور سر مست ساتھیوں کی بیان کی ہوئی باتیں بھی اس لیے نہیں لکھیں کہ جب دوسرے ساتھی بھی اُنھیں تسلیم نہیں کریں گے تو اغیار بھلا کہاں مانیں گے۔ لہذا مَیں نے ان کے اقوال پر اعتبار نہیں کیا ہے۔

شیخ قاسمؒ اور ان کے بعض ساتھیوں کے بارے میں عجیب و غریب روایات بیان کی جاتی ہیں۔ اگر مَیں انھیں لکھنے لگوں تو کئی دفتر درکار ہوں گے۔ لیکن مَیں نے ان تمام باتوں پر اعتماد نہیں کیا اور جب تک خود اُن سے یا کسی معتبر آدمی سے نہیں سنا، نہیں لکھا۔

جب مَیں حضرت آدم بنوریؒ سے پہلی بار ملا تو مَیں نے شیخ قاسمؒ کو بھی دیکھا تھا لیکن مَیں نے اُن کے حالات نہیں پوچھے تھے اس لیے کہ اُس وقت میرا یہ کتاب لکھنے کا ارادہ نہیں تھا۔ برادرم شیخ ابونصرؒ نے اپنے رسالے میں کسی حوالے سے لکھا ہے کہ ایک دن مَیں نے حضرت شیخؒ سے شیخ قاسمؒ کے حالات پوچھے اور بتایا کہ: "وہ بڑے صاحبِ کشف ہیں۔ اُن سے کئی کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔ اُنھیں کشفِ ارواح اور کشفِ قبور کی صلاحیّت بھی حاصل ہے۔ وہ جس آسیب زدہ مریض پر بھی توجہ ڈالتے ہیں، جنّات اور شیاطین بھاگ جاتے ہیں۔ جس بیمار کے پاس جاتے ہیں، اُسے شفا عطا ہو جاتی ہے۔ راہِ سلوک میں اُنھیں جو مشکل بھی پیش آتی ہے، وہ اولیائے کرامؒ کی ارواح سے اُس کا حل پوچھ لیتے ہیں اور رکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ لیکن جب بھی شیخ قاسمؒ آپ کی خدمت میں آتے ہیں تو یہ تمام صلاحیّتیں غائب ہو جاتی ہیں۔ پھر جب واپس وطن پہنچتے ہیں تو اُن پر دوبارہ یہی

کیفیات طاری ہوجاتی ہیں"۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا: "یہ سب کچھ بھی نہیں سراسر فضولیات ہیں۔ اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے کہ وہی اصلی مقصد ہے"۔

مصنف کہتا ہے کہ حضرت شیخؒ نے سائل کے حالات پیشِ نظر رکھ کر یہ بات فرمائی کیوں کہ شیخ ابونصرؒ یہ باتیں بیان کر کے یہ چاہتے تھے کہ انھیں بھی یہ صلاحیت حاصل ہو جائے۔ حضرت شیخؒ کا مقصد ان حالات کی نفی کرنا نہیں تھا۔ کیونکہ یہ تو سالکوں کو درکار ہوتے ہیں۔ کامل ترین مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ سالک کو یہ صلاحیتیں حاصل ہو جائیں اور پھر وہ ان سے بھی بالاتر ہو جائے اور علمی اور عرفانی حضوری کے کمال تک پہنچ جائے۔ اللہ کا ذکر راہِ سلوک کا سب سے بڑا مقصد ہوتا ہے۔ اس میں نیستی، بندگی، خوف اور ہیبت بھی شامل ہو جائے تو وہ سالک کے لیے معراج کمال ہے۔ یعنی احوال کے طالب کو اللہ کے ذکر میں مشغول ہونا چاہیے۔ دوسروں کی کیفیات یاد نہیں کرنی چاہییں۔ ذکر کے اثرات ہر شخص پر اُس کی استعداد کے مطابق ظاہر ہوں گے۔ اصلی مقصد کے مقابلے میں کشف و کرامت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ حقیقی حضوری اور علمی، عرفانی اور ایقانی کیفیت سورج کی طرح ہے اور کشف و کرامت کی مثال ستارے کی سی ہے۔ جب حقیقی سورج نکلتا ہے اور علم و حضوری کی صبح طلوع ہوتی ہے تو کشف و کرامت کے ہزاروں ستارے اس کی تابناکی کے سامنے ماند پڑ جاتے ہیں۔ پیر و مرشد کے لیے ضروری ہے کہ وہ کشف و کرامت کے طالب کو تنبیہ کرے اور کشف و کرامت کی نفی کرے تاکہ سالک اس مقام سے آگے نکل جائے اور اس کا سینہ اللہ کے سوا ہر خواہش سے پاک ہو جائے۔

شیخ ابونصرؒ ہی نے لکھا ہے کہ شیخ قاسمؒ کی ایک مرید خاتون بہت نیک اور پارسا تھی۔ وہ کہتی تھیں کہ "مجھے کبھی کبھی حضرت رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری نصیب

ہوتی ہے اور مجھے آپ ﷺ کے لنگر سے کچھ کھانا اور کھجوریں عطا ہوتی ہیں۔ مَیں اکثر وہ تبرّک کھالیتی اور تھوڑا سا بچالیتی۔ جب بیدار ہوتی تو وہ کھانا یا کھجوریں میرے پاس موجود ہوتیں جو مَیں بعض ہمسایوں کو دے دیتی''۔ ہمسائے اس راز سے وقف ہو گئے اور اس خاتون سے عقیدت رکھنے لگے۔ تبرّک کے طور پر کچھ کھجوریں حضرت شیخؒ کو بھی پیش کی گئیں۔ اس طرح یہ واقعہ بہت مشہور ہو گیا اور تواتر کی حد تک پہنچ گیا اور شیخ محمد شریفؒ، ابونصرؒ اور سعد اللہؒ جیسے معتبر ساتھیوں نے مسجد الحرام میں رمضان المبارک کے اعتکاف کے دوران مجھے بتایا۔

اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ خود مَیں نے بھی کئی بار خواب میں کچھ چیزیں دیکھیں اور بیدار ہو جانے پر بھی انھیں یا ان جیسی چیزوں کو موجود پایا۔ بعض ساتھیوں کو اس بات پر بہت تعجب ہوا اور انھوں نے حضرت شیخؒ سے اس کی حقیقت پوچھی۔ آپؒ نے کچھ دیر توجّہ فرما کر کہا: ''یوں معلوم ہوا ہے کہ جب کوئی اُمّتی سرورِ عالم ﷺ کی نیاز کے طور پر کچھ پکاتا ہے تو وہ نذر یا طعام بعینہٖ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے جایا جاتا ہے۔ اس وقت اگر کوئی شخص جسمانی طور پر اس مجلس میں موجود ہوتا ہے تو اُسے بھی اس طعام میں سے حصّہ دیا جاتا ہے۔ جس کو حقیقی اور ذاتی طور پر یہ انعام ملے، وہ بیدار ہونے پر بھی محروم نہیں رہتا۔ لیکن اگر یہ روحی یا مثالی طور پر ہو تو پھر ایسا نہیں ہوتا''۔

شیخ اسد اللہ لاہوریؒ نے مجھے مکتوب بھیجا تھا اور اس میں بعض قریبی ساتھیوں کے کچھ حالات بھی لکھے تھے۔ اس خط میں انھوں نے لکھا ہے کہ ''یہاں کے تمام ساتھیوں کو استقامت حاصل ہے سوائے شیخ قاسم اور ان کے مریدوں کے کیونکہ وہ ''ہمہ اوست'' کے قائل ہیں۔ اور وحدتِ وجود میں پختہ دعویٰ رکھتے ہیں۔ ہم گمراہوں کے عقیدے سے اللہ کی

پناہ مانگتے ہیں''۔ واضح ہو کہ کسی کامل شخص کے بارے میں ایسے الفاظ گستاخی میں شمار ہوتے ہیں۔ کیا شیخ اسداللہ لاہوریؒ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ خود حضرت شیخؒ کے زمانے میں بھی شیخ قاسمؒ کی یہی کیفیّت تھی؟ اور حضرت شیخؒ نے اِس کے باوجود انھیں خلافت عطا کی تھی۔ شیخ قاسمؒ نے حضرت شیخؒ کی محفلوں میں وحدت الوجود کے بارے میں آپؒ کا نکتۂ نظر اور دلائل سُن رکھے تھے اور حضرت شیخؒ کے علوم و معارف بھی خوب سُنے تھے، ساتھیوں کی ملامت اور اہانت کا نشانہ بھی بنے تھے۔ لیکن انھوں نے اِس حالت سے ترقّی نہ کی اور اسی مقام میں پھنس کر رہ گئے۔ صاحبِ حال کو مجتہد کی طرح معذور سمجھا جاتا ہے اور لعن طعن کا نشانہ نہیں بنایا جاتا۔ خاص طور پر جو شخص شرعی احکام کا پابند ہو اُسے تو طعن و ملامت کا نشانہ نہیں بنانا چاہیے۔ یہ کیفیّت، اصطلاح میں درمیانے درجے میں سے ہے اور کوئی انتہائی اعلیٰ مقام بھی ایسا نہیں ہے جس کا درمیانی مقام نہ ہو۔ جب حضرت شیخ بنّوریؒ نے آخر تک اُنھیں ردّ نہیں کیا تو کسی اور کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ رد کرے اور ملامت کا نشانہ بنائے؟

حضرت شیخ بنّوریؒ نے ''خلاصۃُ المعارف'' میں اِس کیفیّت کے حامل حضرات کی کچھ اس طرح تعریف کی ہے کہ مَیں نے بعض مقامات پر وجودی صوفیوں کی علمی اصطلاحات کے بارے میں کچھ اعتراضات لکھے ہیں۔ ان کی وجہ سے کسی ناقص شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان اکابر کی توہین کا سوچے یا ان کے مرتبے کو سرسری سمجھے۔ اگر سالک کے دل میں وجودی صوفیوں کے بارے میں ذرّہ بھر بھی اہانت کا احساس پیدا ہوا تو خدشہ ہے کہ وہ سالک اپنے مقام سے گر جائے گا۔ ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ ان لوگوں کے درجات کو سرسری سمجھنا بھی نقصان کا سبب بنتا ہے کیونکہ اولیائے کرام اللہ کے خاص مقبول لوگ ہیں۔ وہ حرص و ہوس اور تعصب سے پاک ہوتے ہیں۔ وہ جب تک کسی کیفیّت

کو صحیح نہیں سمجھتے ،اس کا بیان نہیں کرتے۔ اگر کسی شخص پر اُن بزرگوں کے مشاہدے کا ذرّہ بھر حصّہ بھی طاری ہو جائے تو وہ آدمی اپنے آپ کو دین اور دنیا کا بادشاہ سمجھنے لگے گا اور اس کیفیّت کے مقابلے میں اسے اپنے علوم اور عبادات بے حد حقیر معلوم ہوں گے۔ ایک دن میرے دل میں یہ شوق غالب آ گیا کہ مجھ پر حضرت شیخ محی الدّین ابنِ عربیؒ کی خاص معرفت اور کیفیّت صحیح معنوں میں منکشف ہو جائے۔ مایوسی کے بعد، غیب سے مقصد حاصل ہو گیا اور وحدت الوجود کی کیفیات یوں وارد ہوئیں کہ مَیں مغلوب ہو گیا۔ ہر چند مَیں سمجھتا تھا کہ انبیائے کرام کے علوم اور ان کی توحید کے احوال اِس کیفیت سے برتر ہیں لیکن مَیں یوں مغلوب ہو گیا تھا کہ علم اور باطنی کمال کے باوجود مجھے تمام چیزیں عینِ حق معلوم ہوتی تھیں بلکہ اللہ کے سوا کچھ بھی مشاہدے میں نہیں آتا تھا۔ اُس وقت مَیں اِس شعر کا مطلب سمجھا:

نیست کامل در دو عالم عینِ دریا ہر کہ نیست
ہر کہ او شد عینِ دریا، دان کہ مردِ کامل است

(ترجمہ) جو شخص خود عین سمندر نہیں بنتا وہ دونوں جہانوں میں کامل نہیں ہوتا۔ جو کوئی عین سمندر بن جاتا ہے، جان لو کہ وہ مردِ کامل ہے۔

اگر اللہ کا فضل و کرم شاملِ حال نہ ہوتا اور انبیائے کرامؑ کے کمالات کے دروازے نہ کُھلتے تو مجھے اُس کیفیت سے آگے بڑھ سکنے کی امید نہیں رہ گئی تھی۔'' حضرت شیخؒ کی بات ختم ہوئی۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے مکتوبات میں بھی مسلکِ وحدت الوجود کے بزرگوں کی بہت تعریفیں کی گئی ہیں۔ ہزاروں اکابر اولیاء اللہ اس کیفیت میں رہے ہیں۔ کسی صاحب

حال کی تردید کرنا اُس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک وہ تکلّفاً اس کیفیت کا دعویدار نہ ہو، ان بزرگوں کے مقصد کو الحاد اور بے دینی کی دلیل نہ بناتا ہو اور جان بوجھ کر دائرۂ شریعت سے نہ نکلتا ہو۔ اگر وہ یہ سب کچھ کرتا ہو تو پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر لازم ہے۔

ہمارے مشائخ ؒ نے اِن کیفیتوں کو اعلیٰ درجے کی کیفیتوں میں شمار کیا ہے اور اسے آخری درجہ کمال سے پہلا درجہ قرار دیا ہے اور اِس سے زیادہ کا اطلاق مناسب نہیں سمجھا۔ ان کے نزدیک کیفیتوں اور علوم میں سے کامل ترین مقام انبیائے کرام کا مقام ہے۔ اس کے بعد اولیائے کرام کے خاص الخاص مرتبے میں علمِ لدنّی کا مقام آتا ہے جس میں کوئی تکلّف نہیں ہوتا۔ ہمارے مشائخ نے یہ تمام باتیں اپنی کتابوں میں بیان فرمائی ہیں۔ صاحبِ معرفت احباب جانتے ہیں کہ وحدتِ وجود کے علوم اِتنے بلند مرتبہ ہیں کہ ان کے حامل کو گمراہ نہیں کہا جا سکتا۔ اِنھیں گمراہی سے منسوب کیا بھی نہیں جا سکتا کیونکہ ان کے دلائل میں کئی آیات اور احادیث ہیں۔ اہلِ دلِ علماء اور محقق مشائخ صدیوں سے اِنھی علوم کی تشریح کرتے چلے آتے ہیں اور انھی کی وجہ سے وحدت الوجود کا مسلک مشرق اور مغرب میں مشہور ہوا ہے۔

حضرت مجدّد الف ثانی ؒ نے اختلاف کے باوجود، اس مسلک کے بزرگوں کی بہت تعریف کی ہے اور کئی خطوں میں ان علوم کو شریعت کے مطابق قرار دیا ہے۔ آپ ؒ نے مکتوبات کی تیسری جلد کے ۹۰ ویں خط میں فرمایا ہے کہ ''ہمہ اوست'' کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام مختلف مخلوقات ایک ہی ذاتِ الٰہی کے جلوے سے پیدا ہوئی ہیں جیسا کہ کسی شخص کا چہرہ مختلف آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ مختلف آئینوں میں ظاہر ہونے والی یہ تمام صورتیں اُسی ایک شخص کی ہیں۔ ایسی صورت میں وہ ذات نہ تو ٹکڑوں میں بٹتی ہے، نہ

ہی اُن تمام شکلوں کا آپس میں اتحاد ہوتا ہے بلکہ اس شخص کی ذات ان تمام مختلف صورتوں کے باوجود اپنی اصلی حالت پر قائم رہتی ہے۔ان مختلف صورتوں کے پیدا ہونے سے اُس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ جہاں تک اُس شخص کی ذات کا تعلّق ہے تو یہ مختلف شکلیں اُس پر کوئی اثر نہیں ڈالتیں۔اس لیے اسے جز ئیہ، اتحاد، حلول یا سریان وغیرہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اُس شخص کی ذات تو ویسی کی ویسی ہی رہے گی۔ جہاں تک اللہ کی ذات کا تعلّق ہے تو اُس میں تخلیق سے پہلے بھی کائنات کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔اور ظہورِ تخلیق کے بعد بھی نہیں ہوگی۔عجیب بات ہے کہ بہت سے بزرگوں نے اِس توحید آمیز عبارت سے حُلول اور اتحاد کا مطلب لیا ہے اور ''ہمہ اوست'' کا نظریہ رکھنے والوں کی تکفیر کی ہے۔ ہمہ اوست کا عقیدہ رکھنے والے بزرگوں کے بعض عقیدت مند اِس نظریّے کی ایسی تشریح کرتے ہیں جو ان بزرگوں کے نظریات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ جہاں تک مَیں نے تحقیق کی ہے، واضح ہوا ہے کہ اِس شطحیہ عبارت میں حُلول اور اتحاد کی بات نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو ظہور کے اعتبار سے ہے، وجود کے اعتبار سے نہیں۔ پہلے کے صوفیائے کرام نے بھی ''ہمہ اُوست'' اور ''سُبحانی'' کہا ہے۔ جب شیخ بزرگوار محی الدّین ابنِ عربی ؒ کی باری آئی تو آپ ؒ نے کمال معرفت سے اس مسئلے کو تفصیل سے واضح کیا۔ کچھ علماء اور صوفیاء نے بات نہ سمجھی۔ اسے غلط قرار دیا اور طعن وملامت کی۔ اِس مسئلے میں شیخ ابنِ عربیؒ کی اکثر تحقیقات برحق ہیں اور انھیں بُرا بھلا کہنے والے غلطی پر ہیں۔ وحدتِ وجود کے مسئلے میں حضرت ابنِ عربیؒ کی تحقیق سے اُن کی عظمت اور علمیّت کا اندازہ لگانا چاہیے۔ اُن کا ردّ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ مسئلہ بعد میں آنے والے لوگوں کے انکار کی وجہ سے زیادہ واضح ہو رہا ہے اور حُلول واتحاد کے شبہات سے دُور ہوتا جاتا ہے۔

''ہمہ اوست'' کا ایک اور مطلب بھی ہے جس میں حُلول اور اتّحاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا وجود ہی نہیں ہے، نہ یہ کہ سب کا وجود ہے اور اللہ کی ہستی سے متّحد ہے۔ یہ بات تو کوئی بے وقوف بھی نہیں کہتا تو بھلا بزرگانِ دین کیسے کہہ سکتے ہیں؟ چوں کہ محبت کے غلبے میں محبوب کے سوا ہر چیز اِن بزرگوں کی نظروں سے گر جاتی ہے اور اللہ کے بغیر کوئی وجود انھیں دکھائی ہی نہیں دیتا تو وہ ''ہمہ اوست'' پکار اُٹھتے ہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ جو موجود دکھائی دیتا تھا، خیالی تھا اور برحق وجود صرف اللہ ہی کا ہے۔ اِس طرح اِس قول میں حُلول یا اتّحاد وغیرہ کا کوئی شائبہ نہیں رہتا۔ مزید یہ کہ ایسے کلمات مناسب نہیں ہوتے کیوں کہ بہت سے ناسمجھ لوگ اِن کی وجہ سے شبہے میں پڑ جاتے ہیں۔ مَیں ایسے اقوال کو ترجیح دیتا ہوں جو اللہ کی تقدیس اور تنزیہ کے شایانِ شان ہوں اور ایسی عبارات کے بارے میں مَیں نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں تفصیل سے لکھا ہے، ان سے استفادہ کرنا چاہیے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ ''ہمہ اوست'' کہنے والے صوفیائے کرام کائنات کو اللہ کے وجود کے ساتھ متّحد نہیں سمجھتے اور حُلول اور اتّحاد کے قائل نہیں ہیں۔ اُن کی عبارات کے ظاہر سے اتّحادِ وجودی کا شبہ ہوتا ہے لیکن ان کی مراد ہرگز یہ نہیں ہے کیوں کہ ایسا عقیدہ کُفر اور بے دینی ہے۔ اِس بنا پر ''ہمہ اوست'' کا مطلب ''ہمہ از اوست'' قرار پاتا ہے کیوں کہ ہر چیز کا سایہ اُسی چیز کی وجہ سے ہوتا ہے اگرچہ صوفیا اپنی باطنی کیفیت کے غلبے میں ''ہمہ اوست'' کہتے ہیں لیکن حقیقت میں اُن کی مراد ''ہمہ از اوست'' ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں اُن کے اقوال کو بُرا بھلا کہنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ (مکتوبات کے آخر تک یہ بحث جاری ہے۔)

حضرت مجدد الفِ ثانیؒ نے اپنے اِسی خط میں اپنی رائے کا خلاصہ تحریر فرمایا ہے اور توحیدِ وجودی کی کیفیت کو درمیانے درجے کے سالکوں کا احوال قرار دیا ہے اور اُن پر لعن طعن کرنے والوں کی تردید کی ہے۔

خواجہ جمال الدینؒ کے نام لکھے جانے والے مکتوب نمبر بارہ میں بھی آپؒ نے لکھا ہے کہ یہ مسئلہ عجیب اَحوال و معارف کا حامل ہے لیکن اس مقام پر ٹھہر جانا اور اِسی کیفیت کو کافی سمجھ لینا مناسب نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اِس معاملے میں اکثر مشائخ کی رائے ناقص یا باطل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ باطل وہ ہوتا ہے جس میں ذرّہ بھر بھی سچّائی نہ ہو۔ جب کہ یہ احوال و معارف محبت کے غلبے سے جنم لیتے ہیں۔ یہ غلبۂ محبت کچھ اِس طرح ہوتا ہے کہ ان مشائخ کی چشمِ بصیرت میں غیر اُللہ کا نام و نشان تک نہیں رہتا اور غیر اور غیریّت کا نام اور وجود انھیں بُھول جاتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ مستی اور کیفیت کے غلبے کی وجہ سے ماسوی اللہ کو معدوم ہی جانیں گے اور انھیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نظر نہیں آئے گا۔ ایسے میں باطل کیا ہے؟ ایسی حالت میں حق کا غلبہ اور باطل کی نفی ہوتی ہے۔ یہ بزرگ ہستیاں اللہ کی محبت میں اپنا آپ قربان کر چکی ہوتی ہیں اور غیرِ خدا کا نام و نشان تک ختم کر چکی ہوتی ہیں۔ باطل ان کے سائے سے بھی بھاگتا ہے۔ ان کی ساری کوششیں اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہیں اور اللہ ہی کے لیے ہوتی ہیں۔ ظاہر پرست لوگ ان کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ ظاہری مخالفت کے سوا ان کی سمجھ میں اور کچھ نہیں آتا اور وہ ان کے کمالات سے کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ بات یہ ہے کہ اِن احوال و معارف کے علاوہ کچھ ایسے کمالات بھی ہیں جن کے سامنے اِن احوال کی حیثیت وہی ہے جو سمندر کے سامنے قطرے کی ہوتی ہے:

آسمانِ نسبت بہ عرش آمد فرود
ورنہ بس عالی ست پیشِ خاک سود

(ترجمہ) عرش کے مقابلے میں آسمان نیچے ہے ورنہ زمین کے مقابلے میں تو بہت اونچا ہے۔ (حضرت مجددؒ کی تحریر مکمّل ہوئی)

مجھ ناچیز نے توحیدِ وجودی کے بارے میں ایک الگ رسالہ لکھا ہے۔ کبھی مَیں اس حالت میں ہوتا ہوں اور اسی میں مگن ہوتا ہوں اور کبھی اس سے ادنیٰ اور اس سے اعلیٰ درجات پر نظر ڈالتا ہوں۔ میری رائے میں زیادہ کامل وہی ہے جس میں زیادہ سے زیادہ کیفیات جمع ہوں۔

صادق و امین محمد مصطفیٰ ﷺ، آپ کی آل، اصحاب اور پیروکاروں پر درود و سلام ہو۔ ہم پر، آپ پر اور تمام مسلمانوں پر اللہ کی رحمت ہو!

شیخ بازید قصوریؒ:

آپؒ صاحبِ حال اور فارغ البال درویش ہیں۔ اُنھوں نے ساری عمر ترکِ دنیا اور تجرید میں گذاری ہے۔ جب حضرت سیّد آدم بنوریؒ کی خدمت میں آئے تھے تو علائق کی طرف توجّہ رکھتے تھے۔ اِسی لیے حضرت شیخؒ نے آپ پر خصوصی توجّہ کی۔ انھوں نے اس کے زیرِ اثر اُسی وقت ترکِ دنیا اور تجرید اختیار کر لی کچھ اِس طرح کہ اب انھیں دنیوی تعلّقات ترک کیے ہوئے پچاس سال ہو چکے ہیں۔ اِس عرصے میں اُنھوں نے کبھی دنیا کے معاملات کی طرف رجوع نہیں کیا۔ اگرچہ آپ کے تمام عزیز رشتہ دار اور ساتھی صاحبِ ثروت لوگ ہیں لیکن آپ کو اُمراء سے ذرّہ بھر بھی مناسبت نہیں ہے بلکہ بہت سے اُمراء

آپؒ کی صحبت میں رہ کر ترک وتجرید اختیار کر چکے ہیں۔آپؒ بادشاہ، امراء اور خوانین میں بہت مقبول ہیں۔فقیروں اور مسکینوں کی مدد کے لیے قرض لیتے ہیں اور اُمراء کے ہاں جا کر قرض ادا کرا دیتے ہیں۔انھیں جو نذر، رقم یا لباس ملتا ہے، رات نہیں ہونے دیتے، اُسی روز کسی مستحق کو دے دیتے ہیں۔محتاجوں پر مشکل وقت آتا ہے تو اُمراء کو تحریری حکم دیتے ہیں کہ اُن کی حاجت پوری کر دی جائے یا خود جا کر اُن کا مسئلہ حل کر دیتے ہیں۔انھوں نے اپنے آپ کو پوری طرح درویشوں کے لیے وقف کر رکھا ہے۔تقویٰ، زہد و عبادت، سلوکِ طریقت اور باحقیقت معارف کا پیکر ہیں۔بیعت وارشاد کا سلسلہ دوسروں پر چھوڑ رکھا ہے خود ترکِ دنیا اختیار کیا ہوا ہے جو سب عبادتوں کا حاصل ہے۔

برادرم شیخ اسد اللہؒ نے ہمیں ایک خط میں لکھا ہے کہ شیخ بازید، بایزید ثانی ہیں اور ترک وتجرید اور غریبوں کو فائدہ پہنچانے میں سب سے آگے نکل گئے ہیں۔ان کے بہت سے عجیب وغریب احوال ہیں، اگر سب لکھے جائیں تو کئی دفتر بن جائیں گے۔سب سے بڑی خوبی شریعت کی پابندی، ترکِ دنیا اور مسکینوں کے لیے مفید ہونا ہے، جو ان میں موجود ہے۔بے شک سب سے اچھا وہی ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔مَیں نے ان کے تفصیلی حالات دریافت نہیں کیے کہ زیادہ لکھ سکوں۔ان کے احوال مشہور ہیں۔اللہ انھیں سلامت رکھے۔

شیخ بازید یوسف زئیؒ:

آپؒ، حضرت شیخؒ کے صاحبِ حال درویشوں میں سے ہیں۔حضرت شیخؒ کے وصال کے بعد حرمین چلے آئے اور میرے ساتھ رہے اور ضروری دینی علوم سیکھے

رہے۔ انھوں نے اپنے کچھ حالات بھی بیان کیے کہ مَیں نے شروع میں شیخ جمالؒ سے تربیت پائی۔ اچانک میرے دل میں حضرت شیخ آدمؒ کی محبت پیدا ہوگئی۔ مَیں نیند اور بیداری میں دیکھے بغیر ہی آپؒ کا دیدار کرتا رہتا تھا۔ آخر بے اختیار ہوکر آپؒ کی طرف روانہ ہوا۔ گجرات پہنچا تھا کہ مجھے چوری کے الزام میں پکڑ کر حاکم کے پاس لے جایا گیا۔ حاکم سمجھدار آدمی تھا۔ اُس نے مجھے کچھ نہ کہا اور مدّعیوں کے ساتھ لاہور روانہ کر دیا۔ راستے میں مجھے حضرت شیخؒ کی زیارت ہوئی۔ آپؒ نے مجھے اُن لوگوں سے چھڑا لیا۔ مَیں اُن سے دُور چل رہا تھا اور اُنھیں دِکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ شور و غل مچا رہے تھے کہ چور بھاگ گیا۔ مَیں اُن لوگوں کے قریب بھی گیا لیکن اُنھوں نے مجھے نہ پہچانا۔ شاید حضرتؒ کی کرامت سے آن کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا تھا کہ مجھے پہچان ہی نہیں رہے تھے۔

بنّور حاضر ہوا تو حضرت شیخؒ بہت مہربانی سے پیش آئے اور مجھے عمدہ کیفیّات حاصل ہوئیں۔ انھی دنوں حضرت شیخؒ حج کے لیے روانہ ہوئے اور مجھے وطن کی طرف رخصت کیا۔ میرے دل میں بھی اس مقدّس سرزمین کا شوق پیدا ہوگیا۔ آخر مَیں چالیس ساتھیوں کے ہمراہ چوری چُھپے وطن سے روانہ ہوا۔ بنجر راستے میں نو ساتھی پیاس کے مارے جاں بحق ہوگئے۔ آخر دوستوں کے ساتھ جہاز میں سوار ہوئے۔ جس دن موافق ہوا نہیں چلتی تھی، ہمیں پانی نہیں دیا جاتا تھا۔ پیاس کی وجہ سے جہاز میں چند دن بہت تکلیف سے گذرے۔ جہاز ایک جزیرے پر لنگر انداز ہوا تو ہم نے باہر آ کر دعا کی اور حضرت شیخؒ کو وسیلہ بنایا۔ فوراً بارش برسنے لگی۔ ہم نے سب برتن پانی سے بھر لیے۔ ہوا نہ ہونے کی وجہ سے ہم کئی دن مختلف جزیروں میں پڑے رہے۔ آخر حضرت شیخؒ کو پکارا۔ اُسی وقت آپؒ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا: ''دوستو! جلدی تیار ہوکر جہاز پر چلے جاؤ کہ موافق ہوا

چلنے لگی ہے''۔ ابھی ہم ٹھیک سے تیار بھی نہیں ہوئے تھے کہ جہاز کا عملہ پکارنے لگا کہ جہاز روانہ ہو رہا ہے، جلدی آیئے، موافق ہوا چل پڑی ہے۔ آخر بہت طویل راستہ چند دنوں میں طے کر کے ہم ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں سے کچھ لوگ خشکی کا راستہ اختیار کرتے تھے اور بعض لوگ سمندری راستہ۔ مجھے ایک آواز سنائی دی کہ اگر سمندری راستہ اختیار کرو گے تو اِس سال حج نہیں کر سکو گے۔ آخر ساتھیوں سے الگ ہو کر کچھ لوگوں کے ساتھ بصرہ کی طرف روانگی ہوئی۔

عراق کے علاقے میں ایک رات شیعہ ڈاکوؤں کے ایک مسلح گروہ نے ہم پر حملہ کر دیا۔ مایوسی کے عالم میں ہم نے حضرت شیخؒ کو یاد کیا۔ اُسی وقت آپؒ کی زیارت ہوئی۔ آپؒ نے ایک لاٹھی پکڑ رکھی تھی۔ اُسی سے آپؒ ان ظالموں کے گھوڑوں کو مارنے لگے۔ آخر کار ڈاکو بھاگ نکلے۔ کچھ دیر بعد اُنھوں نے پھر دھاوا بول دیا۔ حضرت شیخؒ دوبارہ اُنھیں لاٹھی سے پیچھے دھکیلتے رہے۔ ایسا کئی بار ہوا کہ ڈاکو فرار ہو جاتے اور تھوڑی دیر بعد واپس آ کر حملہ کر دیتے اور حضرت شیخؒ ظہور فرما کر اُنھیں بھگا دیتے۔ اُن بدبختوں نے بہت زور لگایا لیکن حضرت شیخؒ کی امداد کی برکت سے وہ ڈاکہ ڈالنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

رمضان کے مہینے میں ہم لوگ بغداد پہنچے وہاں ایک رات مَیں نے ایک بُرا خواب دیکھا اور جان گیا کہ حضرت شیخؒ کی زیارت نہیں کر سکوں گا۔ پھر شوال کے مہینے میں خواب میں دیکھا کہ آپؒ وضو کر رہے ہیں۔ فارغ ہو کر آپؒ نے مسکراتے ہوئے مجھے کہا کہ ''میرے پاس آؤ تا کہ تمھاری دست بوسی کروں۔ پھر تمھیں میرے مصافحے کا موقع نہیں ملے گا۔'' اس قسم کے خوابوں کی وجہ سے مجھے رونا آ جاتا تھا۔ جب مَیں حرمین پہنچا تو آپؒ کی

وفات کی خبر ملی۔ جدائی کے خیال سے مَیں مغموم ہو گیا۔ پھر آپؒ کے مزار پر حاضری دی تو کچھ تسلّی ہوئی اور آپؒ کی طرف سے بہت لطف و کرم پایا۔

مکاشفہ:

شیخ بازید یوسف زئیؒ نے بیان کیا کہ مَیں شہدائے احد کے مقبرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ مجھ پر بے کیفی کی حالت طاری ہو گئی۔ مَیں نے حضرت شیخؒ کی طرف توجہ کی۔ اچانک وادی کی طرف سے کسی بہت بڑے لشکر کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ مَیں ڈر گیا لیکن مَیں نے صبر کیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کی مرقد کے سامنے ہوں۔ رسولِ ﷺ خدا، صحابہ کرامؓ اور حضرت شیخؒ سب موجود ہیں۔ مسجد نبوی جنّت کا کوئی باغ بن گئی ہے۔ درختوں پر پکے ہوئے پھل لگے ہیں۔ مجھے انگور کھانے کا حکم ہوا۔ مَیں نے ازراہِ ادب نیچے نیچے سے انگور توڑ کر کھائے۔ حکم ہوا کہ اونچائی پر لگے ہوئے انگور کھاؤ۔ وہ انگور کھاتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔ وہ ذوق وشوق مجھے کافی دیر تک محسوس ہوتا رہا۔

مکاشفہ:

اُنھی سے روایت ہے کہ مَیں نے مدینہ منوّرہ میں ایک رمضان میں چلّے کا ارادہ کیا۔ راتوں کو مسجد نبوی سے نکال دیا جاتا تھا۔ مجبوراً مَیں بابُ السلام یا بابُ الرّحمان میں رات گذارتا تھا۔ ایک دن خیال آیا کہ شیخِ حرم سے رات کو ٹھہرنے کی اجازت لے لوں۔ پھر مَیں نے اپنے آپ سے کہا کہ مطالبہ مناسب نہیں ہے، اب جو تکلیف بھی ہو، اُٹھانی چاہیے۔ اگر نبی کریم ﷺ کی رضا ہوئی تو مجھے اجازت مل جائے گی ورنہ میرا مطالبہ بے فائدہ ہے۔ یہ خیال آتے ہی مَیں نے دیکھا کہ بابُ السّلام کا دریچہ کھل گیا ہے اور مَیں

مسجد نبوی میں موجود ہوں۔ پھر مَیں اچانک روضۂ رسول ﷺ میں پہنچ گیا۔ بابُ الحجرات کھلا اور مَیں کھڑکی میں سے ہوتا ہوا، غلاف کے اندر حُجرۂ خاص میں پہنچ گیا۔ مجھے عجیب وغریب کیفیتیں نصیب ہوئیں۔ فجر کی اذانیں شروع ہوئیں تو دربارِ رسالت ﷺ سے واپسی کا اشارہ ہوا اور مَیں مواجہہ شریف کی طرف سے باہر آ گیا۔ اُس وقت مجھے کیفیت میں کچھ افاقہ محسوس ہوا۔ کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ مَیں کیسے گیا اور آیا۔ البتہ واپسی کے وقت ایسا لگتا تھا کہ میرا جسم باہر بابُ السّلام ہی میں رہ گیا تھا اور میری روح مجسّم ہو کر ان مرحلوں سے گذری تھی۔ بہت غور وفکر کے بعد اندازہ ہوا کہ جسم کے بغیر روح ہی کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہے اور اس کی برکتوں کا اثر جسم پر بھی ہوا اور جسم کو بھی کامل حضوری عطا ہو گئی۔

مکاشفہ:

اُنھی سے روایت ہے کہ مَیں راتوں کو بابِ جبرائیلؑ کے سامنے کھڑے ہو کر مرقدِ نبوی کی طرف متوجہ رہا کرتا تھا۔ ایک رات حضرت رسالت مآب ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ کے ساتھ صحابۂ کرامؓ بھی تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مجھ پر کرم فرمانے اور باطنی نعمت ادا کرنے کا حکم دیا۔ جب کچھ افاقہ ہوا تو مَیں نے اپنے آپ میں کیفیت کا غلبہ دیکھا۔ واللہ اعلم۔

شیخ بازید یوسف زئی ایسے بہت سے واقعات اور کرامات بیان کیا کرتے تھے۔ مَیں نے اُن کے سامنے بس یہی باتیں لکھ لی تھیں اور باقی چھوڑ دی تھیں۔ چوں کہ وہ صاحبِ حال اور راست گو آدمی ہیں اس لیے مَیں نے مناسب نہ سمجھا کہ یہ کتاب اُن کے ذکر سے خالی رہے۔ چناں چہ مَیں نے کچھ باتیں تحریر کیں۔

شیخ سعدی پنجابی لاہوریؒ:

آپ حضرت شیخؒ کے بڑے خلفاء میں سے ہیں۔ برادرم شیخ اسد اللہؒ نے اُن کے ابتدائی حالات اِسی قدر بتائے ہیں، جنھیں مَیں مختصراً لکھتا ہوں۔ اِس سے زیادہ ان کے حالات مَیں نے نہیں پوچھے۔ پہلے دن شیخ اسد اللہؒ نے بیان کیا کہ شیخ سعدیؒ شروع میں نوکری کرتے تھے۔ آغاز میں انھوں نے شیخ اسد اللہؒ سے تربیت پائی اور عجیب احوال سے گذرے۔ پہلے پہل اُن کے مالک نے تلقین لی اور بہت ذوق وشوق حاصل کیا۔ پھر اُس نے شیخ اسد اللہؒ سے التماس کی کہ میرے ملازم کو بھی تلقین فرمایئے۔ شیخ نے کہا کہ اگر مَیں نے اُسے تلقین دی تو وہ تمھاری خدمت کے قابل نہیں رہے گا۔ مالک نے کہا ایسا نہیں ہوگا۔ شیخ اسد اللہؒ کا بیان ہے کہ جب مَیں نے شیخ سعدیؒ کو تلقین دی تو وہ مدہوش ہوگئے۔ کئی شب وروز سرمستی کی حالت میں مستغرق رہے۔ اپنی جگہ سے اُٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔ نماز کے وقت مَیں اُنھیں اُٹھاتا اور وہ نماز ادا کر لیتے۔ اس کے بعد پھر وہی محویّت طاری ہوجاتی۔

اِس عرصے میں اُنھیں انبیاء، اولیاء اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے بہت فیض پہنچا۔ ان سب نے شیخ سعدیؒ پر بہت لطف وکرم کیا اور برکتوں سے نوازا۔ شیخ سعدیؒ بتاتے تھے کہ کئی اولیائے کرامؒ مجھ سے توجہ اور برکات طلب فرماتے تھے۔ شیخ اسد اللہؒ کا بیان ہے کہ جب شیخ سعدیؒ کی کیفیت نے کمال درجے کی ترقّی حاصل کرلی اور مَیں نے اپنے آپ میں اُن پر تصرف کی قوّت نہ دیکھی تو انھیں اپنے پیرومرشد حضرت سیّد آدم بنّوریؒ کی خدمت میں لے گیا۔ حضرت شیخؒ میرے مُریدوں سے ملے اور سب سے حال احوال پوچھا لیکن شیخ سعدیؒ سے کچھ بھی نہ کہا۔ پھر ایک دن مجھ سے فرمایا: ''اے اسد اللہ! تمھارے ساتھیوں

میں سے یہ لڑکا بہت استعداد کا مالک ہے۔اس کی تربیت مَیں کروں گا"۔اس کے بعد وہ حضرت شیخؒ کی تربیت میں روز بہ روز ترقّی کرنے لگے۔اس کے بعد جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو اُن کے توجہ کرنے سے دور ہو جاتی تھی۔آسیب زدہ لوگوں پر اُن کی توجہ کا بہت زیادہ اثر ہوتا تھا اور جنّات اُن کے تصرف سے بھاگ جاتے تھے۔اولیاء اللہ میں سے وہ جس کی طرف بھی توجہ کرتے، اُن کی روحیں حاضر ہو جاتیں۔بعض بزرگانِ دین کی روحوں سے اُنھیں خلافت بھی ملی۔

ایک بار شیخ سعدیؒ نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ جنت میں اپنی امّت کے اولیائے کرامؒ کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔آنحضرت ﷺ نے حضرت بنّوری سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمھاری صحبت میں چار قطب ہیں۔فلاں کا مرتبہ یہ ہے اور فلاں اس مقام پر فائز ہے۔

لاہور میں جن دنوں حاسدوں نے بادشاہ کو حضرت شیخؒ کے خلاف بھڑکایا ہوا تھا، شیخ سعدیؒ نے توجہ کی تو غیب سے اُن کے ہاتھ میں ایک تلوار آگئی۔شیخ سعدیؒ نے وار کردینا چاہا کہ اچانک حضرت شیخؒ نے آکر اُن کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ بادشاہِ اسلام کے بارے میں تحمل ضروری ہے اور اس کی بھلائی چاہنا واجب ہے۔اس کے بارے میں ہرگز بُرا نہ سوچنا کیوں کہ اس کے وجود کی بدولت امن وامان قائم ہے اور اس کو نقصان پہنچانا، ساری دُنیا کو نقصان پہنچانا ہے۔

جب شیخ سعدیؒ پہلی بار حج پر جا رہے تھے اور کئی دوستوں کے ساتھ ایک بڑے جہاز میں سوار تھے، مخا سے گذرے تو احرام باندھنے والی جگہ پر جہاز رک گیا۔موجوں کے اونچے اونچے ریلے آرہے تھے اور لگتا تھا کہ جہاز ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔میر منصور بدخشیؒ

نے ساتھیوں سے توجّہ کی التجا اور جہاز کے لیے تباہی سے بچاؤ کی درخواست کی۔ ساتھیوں نے توجہ شروع کی تو اچانک شیخ سعدیؒ کو الہام ہوا کہ جہاز میں ہم جنس بازی کی گئی ہے، اِس لیے یہ تباہ ہو جائے گا۔ سب کی سماجت پر اُنھوں نے پھر توجہ کی۔ اولیائے کرامؒ نے حاضر ہو کر سفارش کی لیکن قبول نہ ہوئی۔ تیسری بار شفاعت کی گئی تو قبول ہو گئی اور حکم ہوا کہ جہاز چالیس دن حرکت نہیں کر سکے گا۔ پھر التجا کی گئی تو چالیس پہر کا حکم ہوا۔ آخر اسی طرح ہوا چالیس پہر کے بعد جہاز روانہ ہوا۔

ایک دن میر منصورؒ نے جہاز میں شیخ نورالدین سے پوچھا کہ حضرت شیخؒ نے حج کر لیا ہو گا یا نہیں؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ مَیں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپؒ حج ادا نہیں کر سکے۔ شیخ سعدیؒ نے کہا کہ مَیں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپؒ نے حج کر لیا ہے اور آپؒ کے تمام درویش خیریت سے حرَمین میں پہنچ گئے ہیں۔ مصنّف کہتا ہے کہ یہی آخری بات صحیح ہے کہ شیخ بنوریؒ نے حج ادا کر لیا تھا۔ ساتھیوں نے اِس طرح کی بہت سی روایات بتائی اور لکھی ہیں۔ خاص طور پر شیخ اسداللہؒ نے اپنے سامنے یہ باتیں لکھوائیں۔ مَیں نے انھی پر اکتفا کیا۔ ان کے دو برسوں کے حالات یہی تھے جو مَیں نے لکھے ہیں۔ اُن کے تیس برسوں کے احوال ابھی مَیں نے نہیں سُنے کہ لکھ سکوں۔ ۱۰۷۶ھ میں شیخ سعدیؒ دوبارہ حج کے لیے آئے اور آپؒ نے شیخ محمد اولیاءؒ کے ہمراہ دو حج اور کیے۔ اکثر مُریدین اُنھیں سپرد کیے جاتے تھے اور انھیں بہت فوائد حاصل ہوتے تھے۔ مَیں نے دوبارہ ان کے حالات نہیں پوچھے کہ تحریر کر سکوں۔ اب ۳۵ برسوں سے لاہور میں رشد وہدایت میں مصروف ہیں۔ سالکوں کے پیشوا اور مخلوق کے لیے بہت مفید ہیں۔ ان کے بہت سے عجیب حالات اور کرامات بیان کی جاتی ہیں۔ اگر صحیح ثابت ہو جائیں تو لکھ لی جائیں!

سلامتی ہے اُن کے لیے جنھوں نے ہدایت کی پیروی کی۔ خاص طور پر ہم پر اور آپ پر اللہ کی رحمت اور برکات ہوں۔ (آمین)

مصنّف:

شیخ محمد امین قدیم کا بیان ہے کہ جب میں سرہند سے حج کے لیے نکلا تو راستے میں کچھ عرصہ حضرت سیّد آدم بنوریؒ، میر نعمانؒ اور شیخ عبدالحیؒ کی صحبت میں گذارا۔ حاسدوں نے مشہور کر دیا کہ امین قدیم نے تنزّل اختیار کر لیا ہے اور شیخ آدمؒ اور شیخ نعمانؒ سے وابستہ ہو گیا ہے۔ اب میں حاسدوں کی رائے کے خلاف، ان احوال و معارف کی تفصیل لکھتا ہوں جو مجھے حاصل ہوئے ہیں۔ اِس ذکر سے میری نیّت شکر بجا لانا اور نعمت کا اظہار کرنا ہے کیوں کہ نعمت کا اظہار بھی شکر ہے اور حدیث میں ہے کہ نعمت کا ذکر، شکر ہے اور اس کا چُھپانا کفر ہے۔ نیز ارشاد ہے کہ جب تمھیں کوئی اچھی چیز ملے تو اپنے بھائیوں کو بتاؤ۔

میرا سالِ ولادت ۱۰۲۰ھ ہے۔ مَیں نے خواجہ عبدالباقیؒ اور مجدد الف ثانیؒ کا زمانہ دیکھا ہے اور ان کے تقریباً چالیس خلفاء اور صوفیوں سے مل کر اُن کی صحبت میں رہا ہوں۔ میرے والد مرحوم شیخ علیؒ، حضرت شیخ خلیل اللہ بدخشیؒ کے خاص درویشوں میں سے تھے۔ شیخ خلیل اللہؒ کبرویہ سلسلے کے پیشوا تھے۔ مَیں اپنے والد کے ساتھ ہمیشہ "اورادِ فتحیہ" پڑھا کرتا تھا۔ مَیں بالغ ہوا ہی تھا کہ والدِ بزرگوار نے مجھے شیخ سلطان محمد فرخاریؒ سے بیعت کرا دیا۔ آپؒ حضرت شیخ مقتدا کے خلیفہ اعظم تھے۔ میرے والد خاصے عمر رسیدہ تھے۔ بدخشان کے علاقے تالقان سے جلدی ہی نکل آئے۔ فرماتے تھے کہ اِس علاقے کی تباہی و بربادی قریب ہے، فتنہ و فساد سے پہلے ہی نکل آنا چاہیے۔ ایسا ہی ہوا اور بلخ اور بدخشان

کے علاقے ہندوستان کی فوجوں اور اُزبکوں کی شورش کی وجہ سے کافی عرصہ تباہی کا نشانہ بنے رہے۔

والدین کی زندگی میں مَیں کعبہ اور مسجدِ حرام کو خواب میں دیکھا کرتا تھا اور مجھے حج پر جانے کا بہت شوق تھا۔ مَیں نے پختہ ارادہ کیا ہوا تھا کہ والدین کی وفات کے بعد حج کے لیے چلا جاؤں گا۔ ایک رات مَیں نے خواب میں دیکھا کہ والدِ گرامی وفات پا گئے ہیں۔ انھی دنوں ماں باپ رحلت کر گئے۔ ان کی وفات کے بعد مَیں گھر بار چھوڑ چھاڑ کر حرمَین کے ارادے سے روانہ ہوا۔ کابل، جلال آباد اور پشاور میں کئی بزرگوں سے ملا اور فیض پایا۔ لاہور میں علماء اور مشائخ کی زیارت کے لیے ایک ماہ قیام کیا۔ خواجہ خاوند محمودؒ مجھ پر بہت لطف و کرم فرماتے تھے۔ لاہور کے کچھ بزرگ مرشدِ سرہند کی تعریف کرتے تھے اور بعض حضرات مرشدِ بنّور کی۔ آخر مَیں بہت ذوق و شوق سے سرہند کے صاحبزادگان کی ملاقات کے لیے چل پڑا۔ سرہند سے دو منزلیں پہلے مَیں نے خواب میں حضرت خواجہ محمد معصومؒ کی زیارت کی۔ آپؒ نے مجھ پر تصرف فرمایا اور ذکرِ قلبی القاء کیا۔ بیداری پر مَیں نے اپنے آپ کو صاحبِ ذکر پایا۔ جوں جوں سرہند قریب آتا جا رہا تھا، دل کی تپش بڑھتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ تینوں بھائیوں سے بہت اچھے انداز میں ملاقات ہوگئی۔ تینوں بہت مہربانی سے پیش آئے۔ مجھے خواجہ محمد معصومؒ میں زیادہ کشش محسوس ہوئی اور مَیں اُن کی طرف کھنچتا چلا گیا۔ دوسرے دن خصوصی تلقین ملی کچھ اِس طرح کہ پانچوں لطائف ذاکر ہو گئے۔ دس دن کے بعد سلطانِ ذکر کا غلبہ ہوگیا۔ اور ظاہر اور باطن سے ذکر شروع ہوگیا بلکہ کائنات کے ذرّے ذرّے سے ذکر سُنائی دینے لگا۔ خواجہ محمد معصومؒ ہر روز پوچھتے، توجہ دیتے، حاضرین میں تعریف کرتے، بشارتیں دیتے، ماسوی اللہ کو بھول جانے اور فنائے قلبی و نفسی اور فنا و بقا کا

ذکر فرماتے اور اسے دل میں نقش کر دیتے۔

احوال کے غلبے اور مقامات کے طے کر چکنے کے بعد آپؒ نے پہلے مجھے ''لوائح'' کا درس دیا اور مکتوباتِ مبارک سے بھی بہت سے علوم سکھائے اور خفی اور اخفیٰ کی طرف متوجہ کیا۔ اس کے بعد آپؒ نے مجھے طریقت کی تعلیم دینے کا حکم دیا اور سالکوں کی راہنمائی کی اجازت دے کر لاہور روانہ کر دیا۔ وہاں آپؒ کی برکت سے رُشد وارشاد کے بہت آثار ظاہر ہوئے۔ وہاں مجھ پر حرمین کا شوق غالب آ گیا اور مَیں واپس سرہند آ کر دینی علوم سیکھنے لگا اور تینوں بھائیوں سے استفادہ کرنے لگا۔

جب مَیں نے سُنا کہ حضرت سیّد آدم بنوریؒ حج پر روانہ ہو گئے ہیں تو مَیں نے بھی بے اختیار ہو کر صاحبزادگانِ گرامی سے اجازت چاہی۔ خواجہ محمد معصومؒ نے اپنی خاص ٹوپی، خاص لباس، مصلّا اور تبرکات دے کر دوسری مرتبہ خلافت عنایت فرمائی۔ حرمین کے سفر میں شیخ بنوریؒ کی صحبتیں خوب میسّر آئیں۔ نمازیں باجماعت ادا ہوتی رہیں۔ حقائق ومعارف پر بات چیت چلتی رہی۔ مَیں نے بہت سی کرامات دیکھیں اور برکات وترقیات پائیں اور روحانی علوم کی بہت سی باریک باتیں سمجھیں۔ ایسی حالت میں حرمین پہنچے۔ کئی بار حج اور زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ عنائتیں، مہربانیاں اور ذوق وشوق پایا۔

شروع شروع میں جب مَیں کعبے کی طرف توجہ کر کے اپنے آپ کو اس میں فنا کر دیتا تو خود کو اور اُسے فانی پاتا۔ اُس وقت مجھے کائنات کی ہر چیز کا وجود ایک ہی نور کی وجہ سے دِکھائی دیتا۔ گویا کعبہ ایک پردہ تھا جس میں داخل ہو کر مَیں ایک ایسی دُنیا میں داخل ہو جاتا جس کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ کبھی مجھ پر کعبے میں سے اپنی حقیقت منکشف ہوتی۔ کبھی اچانک ہی مجھے اس شعورِ کونی سے نکال کر حضورِ حقیقی میں پہنچا دیا جاتا اور کبھی حقیقتُ الحقائق

تک لے جا کر سیر فی اللہ میں غرق کر دیا جاتا۔ کبھی مَیں ذات وصفات کے ساتھ بقا حاصل کر کے، احاطہ کر لینے والے نور میں محو ہو جاتا۔ کبھی مجھ پر وجودِ حقیقی کا ظہور ہوتا اور مقامِ مسجودیّت دکھائی دیتا۔ کبھی تعیُّنِ اوّل کی شان مظہرِ مسجودیت معلوم ہوتی اور یہی مقام حقیقتِ کعبہ اور حقیقتِ احمدی محسوس ہوتا۔ یوں لگتا تھا کہ ذاتِ مطلق کا پہلا تعیّن مسجودیّت اور معبودیّت سے ہے اور تعیّنِ ثانی عابدیّت اور ساجدیّت سے۔ اِسی مشاہدے کی روشنی میں حقیقتِ کعبہ کو فوق الحقائق کہا جا سکتا ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے مقامِ مسجودیّت کو حقیقتِ کعبہ کا سرچشمہ فرمایا ہے اور مقامِ عابدیّت کو حقیقتِ انبیاء کا منبع قرار دیا ہے۔ یہ موضوع رسالہ ''حقیقۃ الکعبہ'' میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، یہاں اپنے ابتدائی حالات کا مختصر بیان مقصود ہے۔ حضرت آدم بنوریؒ نے حقیقتِ کعبہ کو نورِ اوّل کے تعیّنات میں سے ایک تعیّن قرار دیا ہے۔ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ایک قول میں حقیقتِ کعبہ اور حقیقتِ احمدی کو متّحد بیان کیا ہے۔ لہذا اس مقام کو فوق الحقائق فرمایا ہے جب کہ ایک اور قول میں حقیقتِ محمدی کو فوق الحقائق قرار دیا ہے اور حقیقتِ قرآن وحقیقتِ نماز کو حقیقتِ کعبہ سے برتر کہا ہے۔ جو شخص آپؒ کی اصطلاحات سے واقف ہے وہ اس معاملے میں اختلاف نہیں کر سکتا کیونکہ عالمِ ارواح کی تربیت کے حوالے سے حضرت نبی کریم ﷺ کا نام احمد ﷺ ہے اور عالمِ اجسام کی تربیت کے حوالے سے آپ ﷺ کا اسمِ گرامی محمد ﷺ ہے۔ آپ ﷺ کی ذات جامعیّت عظمیٰ اور مظہریّتِ کبریٰ ہونے کے لحاظ سے حقیقتُ الحقائق ہے اور کائنات کی تمام حقیقتیں مثلاً حقیقتِ کعبہ وغیرہ اس کا حصہ ہیں۔ پس کعبہ حقیقت الحقائق یعنی حقیقتِ محمدی ﷺ کے بہت سے اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ اس مسئلے پر مفصّل تحقیق ''مکتوباتِ معصومیہ'' اور ''رسائلِ امینیہ'' میں ملتی ہے۔

اکثر کعبہ شریف کی صورت مجھ پر کسی محبوب کی طرح جلوہ گر ہوتی اور مَیں بے اختیار ہو کر عاشقوں کی طرح اس کے گرد گھومنے لگتا اور اسے چُومتا رہتا۔ کبھی کعبے کی اصلیّت اور حقیقت کا ظہور ہوتا اور یوں لگتا جیسے ذاتِ کامل کا ظہور ہوا ہے۔ حضرت امام ربانیؒ کا قول اس بات کی تائید کرتا ہے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ طواف کے وقت یہ نیّت کرنی چاہیے کہ محبوبِ حقیقی پر قربان ہو رہا ہوں۔ رُکنِ یمانی کو چھوتے ہوئے یہ سمجھنا چاہیے کہ گویا محبوب کے پاؤں کو ہاتھ لگا رہا ہوں۔ حجرِ اسود کو چُومتے ہوئے یہ محسوس ہونا چاہیے کہ محبوب کے ہاتھ چُوم رہا ہوں۔ التزام کے وقت یہ یقین رکھنا چاہیے کہ محبوب پر قربان ہو گیا ہوں اور اس کا وصال حاصل ہو گیا ہے۔

جب آدمی خانہ کعبہ میں داخل ہوتا ہے، اس پر نظر پڑتی ہے اور جب اُسے چُھوتا اور چُومتا ہے تو اُن ساعتوں میں بہت سے مشاہدے ہوتے ہیں جو اہلِ نظر سے مخفی نہیں ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادگان کے کچھ رسائل اور مکاشفے اِس بات کی تائید کرتے ہیں۔ صوفیا نے کعبہ کو آئینہ حق اور رازِ مسجودیّت کا مظہر کہا ہے اور اس کی حقیقت کو حقیقتُ الحقائق پا کر اسے افضل قرار دیا ہے۔ بات وہی ہے بس اصطلاح مختلف ہے۔ ان کے نزدیک حقیقتِ احمدیؐ اور حقیقتِ کعبہ عالمِ ارواح کی تربیت کرتی ہیں اور حقیقتِ محمدؐ عالمِ اجسام کی تربیت کرتی ہے۔ ان کا ایک اور قول یہ ہے کہ حقیقتِ محمدیؐ، حقیقتُ الحقائق ہے اور سب سے برتر اور افضل ہے۔ مکتوباتِ معصومی اور مکتوباتِ سعیدی میں اِس کا بیان ملتا ہے۔

شروع میں جب مَیں نے فنا و بقا اور کثرت میں وحدت کے مشاہدے کے بارے میں حضرت شیخؒ کو بتایا تو آپؒ نے فرمایا کہ ولایتِ خاصّہ کا کمال یہی ہے۔ آخری

احوال کو آپؒ نے ''ولایتِ اخص'' اور ''ولایتِ خاص الخواص'' قرار دیا۔ مَیں نے خواب میں بھی کئی بار کعبہ معظمہ کی زیارت کی ہے۔ ایک بار مَیں نے خواب میں دیکھا کہ کعبے کے اندر بیٹھا ہوا ہوں اور وہ اتنا لطیف ہے کہ شیشے کی طرح اندر اور باہر کا منظر دیکھا جا سکتا ہے۔ باہر کا سارا منظر اندر دکھائی دے رہا ہے۔ ایک بار مَیں نے دیکھا کہ لوگ خانہ کعبہ میں داخل ہونے کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں لیکن خانہ کعبہ کی سیڑھی موجود نہیں ہے جس کے ذریعے لوگ اندر آ سکیں۔ آخر مَیں کعبے کے دروازے میں کھڑا ہو جاتا ہوں اور باری باری سب کے ہاتھ پکڑ کر اُنھیں اندر داخل کر رہا ہوں۔ اِس خواب سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ ایک بار مَیں نے دیکھا کہ کعبے کی عمارت گر گئی ہے اور مَیں اکیلا اس کی تعمیر میں لگا ہوا ہوں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کعبے کی عمارت گر جانے سے دین میں لوگوں کی سُستی ظاہر ہوتی ہے اور میرے تعمیر کرنے سے یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ مَیں دین کی خدمت بجا لاؤں گا۔ چنانچہ دوسری بار مَیں نے خواب میں دیکھا کہ کعبہ کی نئی عمارت بہت خوبصورت بنائی گئی ہے اور ہم اسے دیکھنے کے لیے اندر داخل ہوئے ہیں۔ اس خواب کے بعد جلد ہی رومی بادشاہ معماروں کو لایا۔ بیت اللہ کی چھت نئی بنائی گئی۔ حطیم کی تعمیر دوبارہ ہوئی اور مسجدِ حرام کی مرمّت بھی ہوئی۔ اللہ کا شکر ہے کہ مَیں بھی اِس کام میں شریک تھا اور خواب میں تعمیر سے بیداری میں تعمیر تک پہنچ گیا۔ مجھے اکثر تجربہ ہوا ہے کہ مکاشفات کے مقابلے میں خواب زیادہ سچے ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ سچے خواب قرآن و حدیث سے ثابت ہیں اور خیال و گمان سے دُور ہوتے ہیں جب کہ مکاشفات میں وہم و گمان کا عمل دخل ہو سکتا ہے۔

فائدہ:

اکثر لوگ پوچھتے تھے کہ کعبے کو سیاہ غلاف کیوں پہنایا جاتا ہے۔ مَیں اس کی طبّی شرعی اور عقلی وجہ بیان کرتا تھا کہ کعبے کو دیکھنا ثواب ہے اور سیاہ رنگ کا دیکھنا نہ صرف یہ کہ آنکھوں کو نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ بینائی میں اضافہ کرتا ہے۔ چوں کہ لوگوں کو زیارتِ کعبہ کا حکم دیا گیا ہے اور اسے ثواب اور رحمت کا باعث قرار دیا گیا ہے، اس لیے غلافِ کعبہ کا سیاہ ہونا ہی مناسب ہے تاکہ مُضر نہ ہو۔

حضرت شیخ ابنِ عربیؒ نے فرمایا ہے کہ کعبے نے ماتمیوں کا سا سیاہ لباس اِس لیے پہن رکھا ہے کہ غافل، جاہل اور فاسق لوگوں کے حالات کی وجہ سے غمگین ہے۔ روم کے شیخ الاسلام ابوالسعود افندی نے ایک فتوے میں مندرجہ ذیل شعر کہنے والے (مولانا جلال الدین رومیؒ) کو کافر قرار دیا ہے:

دل بہ دست آور کہ حجِ اکبر است　　　از ہزاران کعبہ یک دل بہتر است

(ترجمہ) کسی کا دل جیت لو کہ یہ حجِ اکبر ہے۔ ہزاروں کعبوں سے ایک دل بہتر ہے۔

طبرانی نے حضرت انسؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس سے اس شعر کے مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ ''جس نے کسی مومن کو تکلیف دی یا اسے قتل کیا، اُس نے گویا کعبہ ڈھا دیا۔'' اور ''جس نے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائی، اُس نے گویا بیتُ اللہ کو گرادیا۔'' کیوں کہ مشبہّ کے مقابلے میں مشبہّ بہ زیادہ قوی ہوتا ہے۔ (اس حدیث میں کعبہ مشبہّ ہے اور مسلمان مشبہّ بہ)

کسی نے کیا عمدہ شعر کہا ہے:

مردُمِ دیدہ کعبہ ، دیدہ مطاف
مُژہ ھا میل ھا است بر اطراف

(ترجمہ) آنکھوں کی پُتلیاں کعبہ ہیں اور آنکھیں جائے طواف ہیں۔ پلکیں اِردگرد لگے ہوئے جنگلے ہیں۔

مَیں نے اللہ کے ایک نیک بندے کو دیکھا ہے جس نے حجرِ اسود کی تعریف میں ایک شعر کہا اور اُسی رات خواب میں دیکھا کہ حجرِ اسود کو چوم رہا ہے۔

اِس سلسلے میں فتوحات ، رسائل مکاشفات اور تواریخ میں ایسی اور بہت سی حکایات دیکھی جاسکتی ہیں۔ بہت سی ایسی روایات ہیں جو کعبے کی روحانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ کعبے کی فضیلت کے بارے میں بہت سی آیات واحادیث بھی ملتی ہیں۔ یہاں ایسے ہی بات سے بات نکلتی چلی گئی۔ مَیں نے عربی اور فارسی میں طواف کی اقسام، کعبے کے حقائق و اسرار، انسان اور کعبہ کے فضائل اور دونوں کی افضلیّت کے موضوع پر رسالے لکھے ہیں۔

جن دنوں مَیں شیخ محمد شریف مرحوم کے ساتھ مل کر کتاب ''خلاصۃُ المعارف'' کی تصحیح کر رہا تھا، مجھ پر احاطہ، ترقّی ،معیّت ،سریان اور اقربیّت کی حقیقت اچھی طرح واضح نہیں ہوتی تھی۔ ایک رات مَیں نے خواب میں حضرت شیخ بنّوری ؒ کو بہت مہربان پایا۔ آپؒ مجھے ساتھ لیے ہوئے کعبے کے اندر چلے گئے۔ اس دوران میں مجھ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ تمام مشکلات حل ہوگئیں اور مَیں نے اپنے آپ کو اور ہر ذرّے کو محیط اور ساری پایا۔ ہرایک کی دوسرے کے ساتھ معیّت اور اقربیّت ہے۔ اِس کا بیان ذوقی ہے، لسانی نہیں۔ اُسی رات مَیں نے رُکنِ یمانی کی طرف سے فرشتوں کا نزول دیکھا، کچھ اس طرح کہ اس کے بیان سے قاصر ہوں۔ صرف اِتنا بتا سکتا ہوں کہ وہ عالَمِ لطیف سے

جتنا نیچے آتے جاتے تھے، اُتنا ہی کثیف ہوتے جاتے تھے۔

ابتدائی زمانے میں کافی عرصہ مجھے یوں محسوس ہوتا رہا کہ بیت اللہ کے اردگرد حلقہ باندھے ہوئے لوگ ایک دوسرے کو سجدہ کررہے ہیں۔ گویا وہ خود ساجد بھی ہیں اور مسجود بھی۔ طواف میں بھی یہی کیفیت معلوم ہوتی تھی۔ کبھی دعا کے دوران یوں لگتا کہ ہزاروں ہاتھوں نے مجھے اٹھا رکھا ہے اور مجھ سے یا میرے وسیلے سے دعا مانگ رہے ہیں۔ جب کبھی مَیں بیت اللہ کے آس پاس، خاص طور پر ملتزم، حطیم، مستجار، مقامِ ابراہیمؑ اور زمزم کے مقام پر دعا کرتا تو قبولیت کی بشارت سنائی دیتی۔ کبھی مَیں عمرہ پر جاتا تو الہام ہوتا کہ جو کوئی مکہّ سے درود و سلام کہتا ہوا عمرہ کے مقام پر جائے اور وہاں کھڑے ہو کر مدینہ شریف کی طرف منہ کر کے یہ تصور کرے کہ روضہ رسول ﷺ کے سامنے کھڑا صلوٰۃ و سلام پڑھ رہا ہوں، اُسے زیارتِ مدینہ کا ثواب مل جائے گا۔ اور جو کوئی احرام باندھے ہوئے خلوصِ دل سے لبیّک کہتا ہوا کعبہ میں جائے، ظاہری و باطنی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے طواف و سعی کرے اور بال کٹوا کر مطاف میں شکرانے کے دو نفل پڑھے، اُسے حج کا ثواب مل جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ آتے جاتے ہوئے مسلسل درود اور تلبیہ میں مشغول رہے اور فضول گفتگو نہ کرے۔

برسوں سے مَیں اکثر لوگوں کو اپنی نمازیں ضائع کرتا ہوا دیکھتا تھا۔ لوگ تعدیلِ ارکان، قومہ، جلسہ، اخلاص اور دل کی حضوری کا خیال نہیں رکھتے تھے حالاں کہ یہ فرائض میں سے ہیں۔ مَیں رحم اور شفقت کی بنا پر ہمیشہ التجا کیا کرتا تھا کہ اے اللہ! اِن بے چاروں کی نماز اکثر علماء کے نزدیک جائز نہیں اور بعض کے نزدیک ناقص ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں ان کا حال کیا ہے؟ مجھے ہمیشہ یہی الہام ہوتا: ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ''

[۹/۱۲۰] (اللہ احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا) ان لوگوں کا ''احسان'' یہ ہے کہ خدا کی بارگاہ میں سجدہ کرتے ہیں۔ منہ اور ماتھے جیسے اعلیٰ اور افضل اعضاء کو اللہ کے حضور میں عاجزی کرتے ہوئے زمین پر رکھتے ہیں۔ یہ انکسار اور ذلّت کا اشارہ ہے، اور نچلے دھڑ کے قبیح اعضاء کو اللہ کے لیے اوپر کرتے ہیں جو خلافِ عقل ہے۔ چناں چہ اس نیت کی بنیاد پر اور یہ دو ذلّتیں اختیار کرنے کی وجہ سے ان کا عمل قبول ہو جاتا ہے۔ اِس قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ: ''مَنْ تَوَاضَعَ لِـلّٰہ رَفَعَهُ اللّٰه ''(جس نے اللہ کے لیے عاجزی اختیار کی، اللہ اس کا مرتبہ بڑھا دیتا ہے) نیز حدیث میں ہے کہ تم ایسے زمانے میں ہو کہ احکامات کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دو گے تو ہلاک کر دیے جاؤ گے اور جلد ہی ایک ایسی قوم آئے گی کہ اگر اس کے لوگ احکامات کا دسواں حصہ بھی بجا لائیں گے تو نجات پا جائیں گے''۔
قرآن کریم میں ہے: ''یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لاَ یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ ''[۲/۱۸۵]
(اللہ تعالیٰ تمھارے لیے آسانی کا اردہ فرماتا ہے، سختی کا نہیں)
اس کے بعد میں نے ''مناسک زاد الحج'' میں پڑھا کہ ایک حدیث کے حوالے سے لکھا گیا تھا کہ جو حج قبول نہ ہو؛ وہ ستر سالہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور مقبول حج کا ثواب تو بے حساب ہے۔ اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ نامقبول عمل کا بھی فائدہ ہوتا ہے۔ پس عام لوگوں کی نماز جو حضوری، علم اور اعتدال کے کمال سے خالی ہوتی ہے، نیت، مشقت اور ذلت کی وجہ سے نچلی سطح کی قبولیت پا لیتی ہے، امید ہے کہ ایسی نمازیں ان کی کوتاہی کا کفارہ اور ان کے نقصان کی تلافی ہو جائیں گی اور یہ اللہ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے۔

اِس قسم کے الہام اور مکاشفے مَیں نے ''مناقبِ معصومیہ'' میں تھوڑے سے لکھے ہیں۔ مَیں نے بے عقل عورتوں کے احوال پر بھی بہت عنائتیں دیکھی ہیں۔ اللہ عورتوں کے

ساتھ حساب کتاب میں زیادہ تر فضل فرماتا ہے اور مُردوں کے معاملے میں کبھی فضل فرماتا ہے اور کبھی عدل۔

مَیں ۱۰۵۳ھ میں حضرت شیخ بنّوری کی صحبت میں مدینہ منورہ میں اعتکاف میں رہا اور بہت فضل وکرم دیکھا۔ اگر لکھنے بیٹھوں تو کئی دفتر ہو جائیں گے۔ ان میں سے کچھ باتیں مَیں نے کتاب ''نتائج الحرمین'' کے دوسرے اور تیسرے حصے میں لکھ دی ہیں۔ خاص طور پر حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت شیخ کا مصافحہ جو برکت ہی برکت اور فیض ہی فیض تھا۔ یہاں تک کہ آخری دور میں حضرت شیخ مصافحہ کے ذریعے ہی تربیت فرمایا کرتے تھے۔ جب بھی آپ درویشوں کے ساتھ مصافحہ کرتے، وہ لوگ اپنے آپ کو کسی اور ہی دنیا میں پاتے تھے۔ ان دنوں میں آپ غائبانہ مصافحہ کے ذریعے اُن مُریدوں کی تربیت بھی کرتے رہتے تھے جو بہت دور رہتے تھے جیسا کہ شیخ محمدؒ، شیخ بنوریؒ اور شیخ بازیدؒ کے حالات میں کچھ بیان کیا گیا ہے۔

مَیں جب بھی حضرت شیخ بنّوریؒ کے مزار کی زیارت کو جاتا، طرح طرح کی مہربانیاں دیکھتا۔ مجھے یوں لگتا جیسے آپؒ کے روضے کے اوپر آسمان تک ایک نورانی گنبد بنا ہوا ہے جس کے ذریعے برکتیں اور درجات نازل ہو رہے ہیں۔ گویا نبی کریم ﷺ کے دونوں قدم حضرت شیخؒ کی قبر تک پہنچتے تھے اور حضرت شیخؒ کو امیر المومنین عثمان غنیؓ، صحابہ کرامؓ اور اولیاء کی صحبت نصیب تھی۔

ایک رات مَیں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخؒ کی قبر کھل گئی ہے اور گنبد اور پتھر کی عمارت گر گئی ہے اور آپؒ اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کر رہے ہیں۔ کچھ عرصے کے بعد کچھ لوگوں کی زبانی پتہ چلا کہ جنت البقیع کی کھڑکیاں اور نئی عمارتیں گرادی گئی ہیں۔

ایک دن مکہ شریف میں خلاصۃُ المعارف کی تصحیح کے دوران کشف ہوا کہ خواجہ محمد مرحوم کی والدہ ننگے سر رو رہی ہیں۔ مَیں نے اُسی وقت شیخ محمد شریف ؒ کو بتایا۔ انھوں نے کہا کہ ہوسکتا ہے مائی صاحبہ کے فرزند فوت ہوگئے ہوں۔ اُسی سال حج کے دنوں میں خبر مل گئی کہ خواجہ محمد مرحوم اور ان کی ہمشیرہ بنّور میں وفات پا گئی ہیں۔

۱۰۶۸ھ میں مَیں حرمین میں سرہندی صاحبزادگان کی صحبتوں میں محرمِ راز رہا اور ان حضرات کے مکاشفات بکثرت سننے کا موقع ملا۔ جب یہ حضرات مدینہ منوّرہ میں جنّت البقیع کی زیارت کے بعد حضرت بنّوری ؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے آئے تو حضرت بنّوری ؒ نے آگے بڑھ کر استقبال کیا اور اپنے مرشد زادوں کے ساتھ کمال شوق و محبت اور عاجزی سے پیش آئے اور اسرارِ غیبی بیان کرتے رہے۔ خاص طور پر حضرت شیخ محمد سعید ؒ نے مراقبے کے بعد حضرت بنّوری ؒ کی بلندیِ درجات کا بہت ذکر کیا اور فرمایا کہ عجیب بات ہے کہ شیخ بنّوری ؒ نے پہلی ملاقات ہی میں کہا ہے کہ جلدی وطن واپس جایئے اور تاریکیاں اور فتنے زائل کیجیے۔ اِس بات پر خود مجھے بھی حیرت ہوئی کہ شیخ ؒ کے پیرزادے بیس سال بعد آئے ہیں۔ پہلی مجلس ہی میں اُنھیں یہ کہنا عجیب سا لگتا ہے۔ آخر حضرت شیخ ؒ کی بات کا راز کُھلا کہ صاحبزدگانِ گرامی کی روانگی کے بعد ہندوستان میں فوجوں کا فتنہ وفساد اور وبا اور طاعون کی تاریکیاں پھیل گئی تھیں۔ ہزاروں لوگ جنگوں میں مارے گئے اور قحط اور وباؤں سے ہزاروں گھر برباد ہوگئے۔ شاہ جہان اور داراشکوہ کی سلطنت ختم ہوگئی اور دنیا والوں کے لیے نشانِ عبرت بن گئی۔ اِس مکاشفے سے سب کو حضرت بنّوری ؒ کی کرامت کا یقین ہوگیا نیز سب کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ حضرت مجدّد الف ثانی ؒ کے صاحبزادگان قطب مدار ہیں۔ اِس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ یہ حضرات قطبِ عالم، مدارِ ہند اور سلطنت کا ستون تھے لہذا

ان کے نکلتے ہی ملک میں بہت فتنے پھیل گئے۔

۱۰۵۲ھ میں حج کے بعد جب مَیں مدینہ پہنچا تو مجھ پر بہت عنایات ہوئیں۔مَیں نے سُنا کہ بعض لوگ مکّہ کو افضل کہتے ہیں اور بعض مدینہ کو۔کچھ لوگ مومن کو کعبے سے افضل کہتے اور کچھ کعبے کو مومن سے افضل قرار دیتے۔بعض کامل مومن کو کعبے سے افضل کہتے اور گناہگار مومن کے بارے میں خاموش رہنے کو بہتر جانتے۔ہر فریق اپنا نقطۂ نظر عقلی ونقلی دلیلوں کے ساتھ بیان کرتا۔مَیں نے یہ تمام اقوال، دلائل کے ساتھ عربی اور فارسی میں الگ کتاب میں لکھ دیے۔یہ کتاب تقریباً اَسّی اوراق پر مشتمل ہے۔اس سلسلے میں مَیں نے کئی استخارے کیے۔ایک رات مَیں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت نبی کریم ﷺ ہاتھ میں عصا پکڑے بابُ الوفود یعنی بابُ الرّوضہ سے منبر پر تشریف لائے ہیں۔آپ ﷺ کا لباس سفید ہے اور عصا کالے رنگ کا ہے۔لوگوں کی اتنی بھیڑ ہے کہ یوں لگتا ہے جیسے عید کا دن ہے۔مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ مَیں منبر سے دور ہوں اور اچھی طرح سے خطبہ نہیں سُن سکوں گا۔ہجوم اتنا ہے کہ تِل دھرنے کی جگہ بھی نہیں ہے۔کسی کا اپنی جگہ سے ہلنا ناممکن لگتا ہے۔مَیں اِسی غم میں تھا کہ اچانک حضرت رسولِ کریم ﷺ کی طرف سے ایک آدمی آیا۔اُس نے مجھے اُٹھا کر عین منبر کے پاس لا کھڑا کیا۔مَیں نے اوّل سے آخر تک خطبہ سُنا۔اگر چہ خطبے کا موضوع اور انداز، بیان نہیں ہوتا لیکن اس کا لُبِّ لباب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے حمد وثنا کے بعد اپنی تعریف بہت زیادہ فرمائی۔آپ ﷺ نے نہایت فصیح وبلیغ انداز میں کائنات پر اپنی فضیلت ثابت کی۔آپ ﷺ کے تصرّف سے یہ بات حاضرین کے ذہن نشین ہوگئی۔اس کے بعد آپ ﷺ منبر سے اتر کر حُجرۂ خاص میں چلے گئے۔مَیں منبر شریف کے پاس حیران کھڑا رہا کہ اِس خواب کی میرے استخارے سے کیا

مناسبت ہے؟ آنحضرت ﷺ نے اپنی جو مدح فرمائی ہے اُس سے تو یہی مراد ہے کہ آپ ﷺ بے مثال اوصافِ حمیدہ کے مالک ہیں۔ نیز یہ کہ محض آپ ﷺ کی افضلیت پر بھی ایمان لایا جائے کیونکہ انبیاءؑ بھی آپ ﷺ ہی سے ہیں، آپ ﷺ سے جدا نہیں ہیں۔ تمام انبیاء کا خمیر ایک ہی ہے۔

اس خواب کی کیفیت کئی دن مجھ پر طاری رہی۔ مَیں نے فضیلتِ انسان یا کعبہ کے حوالے سے جو کچھ لکھ رکھا تھا، اس کے بارے میں خانۂ کعبہ میں اور روضۂ رسول ﷺ کے سامنے توجّہ کی۔ الہام ہوا کہ دلائل کے ساتھ لکھا گیا ہے اور اسے رضا حاصل ہے۔ کعبہ یا انسان کی فضیلت کا مسئلہ مکتوباتِ معصومی اور مکتوباتِ سعیدی میں وضاحت سے بیان ہوا ہے۔

۱۰۶۷ھ میں فقیر نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادگان کے ساتھ حج اور عمرہ ادا کیا۔ ان حضرات نے مجھ پر بہت عنایات کیں۔ عرب، عجم اور روم کے لوگوں نے ان حضراتؒ سے بہت فیض پایا۔ صاحبزادگانؒ نے حرمین کے مکاشفوں کے بارے میں کئی رسالے لکھے ہیں۔ مدینہ منوّرہ میں ان پر بہت عنایات ہوئیں۔ خاص طور پر خواجہ محمد معصومؒ کو کئی خلعتیں عطا ہوئیں۔ خلعت سے مُراد عطا کرنے والے کی نسبتوں میں سے کوئی نسبت ہوتی ہے جو مخصوص خلعت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ان حضراتؒ کی صحبت میں رہتے ہوئے مَیں نے ایک سچے خواب میں دیکھا کہ روضہ شریف میں مجلس جمی ہوئی ہے۔ خواجہ محمد معصومؒ شمعِ محفل ہیں اور محراب شریف کے پاس بیٹھے ہیں۔ آپؒ کے صاحبزادگان، ساتھی اور یہ فقیر بھی پاس ہی بیٹھے ہیں۔ مَیں آپؒ سے تین درجے دور بیٹھا ہوں اور نبی کریم ﷺ کی طرف متوجّہ ہوں۔ اچانک مجلس میں کچھ خلعتیں اور ایک انگوٹھی نمایاں

ہوئی۔ حضرت خواجہ معصومؒ نے اپنے منجھلے بیٹے خواجہ محمد نقشبندؒ کو حکم دیا کہ وہ خلعتیں تقسیم کریں۔ انھوں نے تعمیل کی۔ مجھے بھی بخیے والا ایک لباس عطا ہوا۔ اُسے پہنتے ہی مجھ پر ایک بہت اونچی اور خاص نسبت کا غلبہ ہو گیا۔ مَیں نے غور سے انگوٹھی کو دیکھا تو اس پر لفظِ ''مجدّد'' لکھا ہوا پایا۔ آخر حضرتؒ نے وہ انگوٹھی اپنے صاحبزادے خواجہ عبید اللہؒ کو دے دی۔

کچھ دن بعد مجھے خیال آیا کہ حضرت مجددّ الف ثانیؒ اور میاں شیخ تاجؒ آپس میں برابری کا دعویٰ کرتے تھے۔ ان دونوں کے روحانی مرتبے میں کیا فرق ہے؟

اسی اثنا میں ایک رات مَیں نے ایک سچّا خواب دیکھا کہ حضرت مجددّ الف ثانیؒ نے ایک بہت بڑی عمارت تعمیر کی ہے جو وسعت اور عظمت میں خانہ کعبہ کی طرح ہے۔ حضرتؒ کے صاحبزادگان اپنے تمام مریدوں کے ساتھ اس عمارت کی چھت پر مراقبہ کر رہے ہیں۔ مَیں بھی مراقبے کے حلقے میں داخل ہوں۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کے ہلنے جُلنے سے اس عمارت کی چھت ڈولنے لگتی ہے۔ مَیں انتہائی پریشانی میں کام کرنے والے خادموں پر اعتراض کرتا ہوں کہ انھوں نے اِس چھت پر گارے کا لیپ اچھی طرح سے نہیں کیا۔ مجھے اس بات پر بھی بہت حیرت ہوتی ہے کہ یہ خامی صاحبزادہ صاحبان کے علم میں بھی ہے اور پھر بھی وہ اس کی مرمت اور مضبوطی کا حکم نہیں دیتے۔ اس کا کیا سبب ہو سکتا ہے؟

اِسی حالت میں مجھے حویلی کے صحن میں میاں شیخ تاجؒ دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اپنے مریدوں کے ساتھ ذکرِ جہر کر رہے ہوتے ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ یہ اکابر نقشبندی بزرگوں میں سے ہو کر بھی مکّہ شریف میں اپنے سلسلے کی روایت کے خلاف ذکرِ جہر کیوں کر رہے ہیں۔ مَیں انھی حیرتوں میں گم تھا کہ اچانک اللہ کی طرف سے مجھ پر القا ہوا کہ یہ عظیم الشان عمارت حضرت شیخ احمد فاروقیؒ کے خصوصی سلسلہ طریقت کی علامت

ہے۔آپؒ نے کمال ہمّت سے اپنی طریقت کی اِس عمارت کی تکمیل خود فرمائی ہے لیکن چھت کا کچھ کام باقی رہ گیا ہے جس کی تکمیل آپؒ کی اولاد اور ساتھیوں کے ذریعے ہوگی اور یہ بلند چھت ان حضرات کی کوششوں سے انتہائی مضبوط ہو جائے گی۔صورتِ حال واقعی اِسی طرح کی ہے۔آپؒ کی اولاد اور خلفاء کے احوال، اعمال اور علمی کمالات کی وجہ سے اس بلند عمارت کی مضبوطی روز بہ روز بڑھ رہی ہے اور لگتا ہے جیسے اِن حضرات کے ذمّے محض اس کی مضبوطی ہی ہے اور اس کی تزئین و آرائش آپؒ کے مُریدوں کے مُریدین کے ذمّے ہے۔ نیز یہ القا بھی ہوا کہ حضرت مجددؒ الف ثانیؒ کے یہ پیر بھائی میاں شیخ تاجؒ اپنے مقام میں ابھی تک سلوک و مجاہدہ جاری رکھے ہوئے ہیں اور کبھی ذکرِ جہر اور کبھی ذکرِ خفی کے ذریعے اپنی تکمیل کرتے رہتے ہیں۔

ایک رات مَیں نے حضرت خواجہ محمّد معصومؒ کو خواب میں دیکھا کہ آپؒ فرما رہے تھے کہ میرے والد تمام اولیاء سے افضل ہیں۔دوسری بار دیکھا کہ ان کے ساتھ مل کر کھیر کھا رہا ہوں اور آپؒ بہت لطف و کرم فرما رہے ہیں۔حضرت مجددؒ کی زیارت بھی ہوئی۔آپؒ نے مجھ پر بہت توجّہ فرمائی یہاں تک کہ مَیں مغلوب الحال ہوگیا۔

جن دنوں یہ حضرات حرمَین کی حاضری کے ارادے سے جہاز پر سوار تھے، اُن دنوں دشمنوں نے افواہیں پھیلا دیں کہ سب حضرات غرق ہوگئے ہیں۔مَیں یہ دردناک خبر سن کر افسردہ ہوگیا اور ان کی طرف توجّہ کی۔مجھے بالکل واضح دکھائی دیا کہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ سمندر پر مُصلّا بچھائے چلے آتے ہیں۔آپؒ مکّہ پہنچے اور پھر مدینہ کو روانہ ہوگئے۔ اِس مشاہدے سے مجھے یقین ہوگیا کہ تمام حضرات سلامتی سے حج اور زیارت کی سعادت حاصل کریں گے۔

حج کے بعد مَیں نے آپؒ کو ایک بہت خوبصورت عمارت میں بیٹھا دیکھا جس میں بہت عمدہ قالین بچھے ہوئے تھے۔ مَیں بہت قریب ہو کر آپؒ کی خدمت میں بیٹھا ہوں اور کعبہ کے حقائق بیان کر رہا ہوں اور آپؒ تسلیم فرما رہے ہیں۔

ایک بار مَیں نے شیخ محمد سعیدؒ کو خواب میں بہت مہربان پایا۔ آپؒ نے فرمایا کہ "ہم سب بھائی اور ساتھی سلامتی اور عزت سے سمندر سے نکل آئے ہیں لیکن برادرم محمد معصومؒ ہم پر سبقت لے گئے ہیں"۔ اور حقیقت بھی یہی تھی۔ اسی طرح مَیں نے اِن حضرات کو متعدد بار خواب میں مدد کرتے ہوئے، فائدہ پہنچاتے ہوئے اور بشارتیں دیتے ہوئے پایا۔ اللہ تعالیٰ ان سب رحم فرمائے اور ان سے راضی ہو۔

مصنّف کہتا ہے کہ اللہ کے فضل کا اظہار اور اس کی نعمتوں کا شکر واجب ہے۔ ان کا چھپانا کفرانِ نعمت ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ مَیں بچپن ہی سے ظاہری و باطنی علم کا طالب تھا۔ مجھ میں دینی لدُنّی علم کی رغبت تھی، ایمان کی تکمیل اور توحید عرفانی کا شوق تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے ان سب میں سے مقدر کے مطابق حصّہ ملا، کچھ اس طرح کہ میرے دل میں ان کے بارے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہا۔ مجھے فقہاء کے چاروں مسلکوں اور صوفیاء کے چاروں سلسلوں سے آگاہی ہوئی اور مَیں مکمل طور پر انھیں جان گیا۔ مجھے سارے برحق لگتے تھے۔ اگرچہ برحق کسی ایک ہی مسلک کو کہا گیا ہے۔ لیکن مَیں کیا کرتا کہ مجھے سارے ہی چار پہلوؤں کے حامل دکھائی دیتے تھے۔ جیسے کعبہ شریف کہ جس کے چار رکن اور چار اطراف ہیں اور اس کا ہر رخ حقیقت تک پہنچانے والا ہے اور بجا ہے کہ اللہ کی طرف جانے والے راستوں کی تعداد مخلوق کی سانسوں کے برابر ہے۔ اس کثرت کے باوجود مجھے حنفی مسلک اور نقشبندی مسلک بہتر اور برتر لگتا تھا۔ کسی مسلک کا دوسرے پر اعتراض مجھے فضول لگتا تھا۔

مصنّف کی رائے ہے کہ متضاد مسلکوں کی یہ جامعیّت سب کی سب حضرت سرورِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف وکرم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کے طفیل تھی جن میں سے ہر ایک اپنے وقت کا قطب تھا۔ خاص طور پر چار اولیائے کرامؒ نے مجھ پر اتنی عنایات کیں کہ اگر لکھی جائیں تو مکمل نہ ہوں۔

سب سے پہلے، بالغ ہوتے ہی میرے والد مجھے مخدوم شیخ سلطان بدخشیؒ کی خدمت میں بیعت کرانے کے لیے لے گئے تھے۔ سب صوفیوں نے کہا کہ شیخؒ نوجوانوں کی بیعت نہیں کیا کرتے۔ شیخ نے دس روزہ خلوت اختیار کی ہوئی تھی۔ آپؒ نے مجھے بلوالیا اور میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر زانو بہ زانو بٹھایا، تلقین دی، فیض پہنچایا اور مرید کرلیا۔ آپؒ نے مجھ پر اتنی عنایات کیں کہ آپؒ کے درویش حیران رہ گئے کیونکہ آپؒ نے اِس سے پہلے کسی نوعمر کو مرید نہیں کیا تھا۔ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہے عطا کرتا ہے۔

دوسرے شیخ حضرت خوجہ خاوند محمودؒ تھے۔ مَیں ۱۰۴۷ھ میں لاہور میں ان کی خدمت میں پہنچا۔ آپؒ نے بھی مجھ پر بہت لطف وکرم کیا۔ بظاہر یہ کہ ملتے ہی بغل گیر ہوئے۔ گرم چادر کندھے سے اتار کر زمین پر بچھائی اور مجھے اس پر بٹھایا۔ خصوصی کھانا اور شربت منگوا کر اپنے ہاتھوں سے مجھے کھلایا۔ حاضرین نے بہت حیرت کا اظہار کیا کہ ہم نے ایسی مہربانی آج تک کسی پر ہوتے نہیں دیکھی جیسی اِس جوان کے معاملے میں دیکھی ہے۔ اِس میں کیا حکمت ہوگی؟ باطنی کشش کا ظاہری رویّے پر قیاس کرلینا چاہیے۔

تیسرے یہ کہ جب مَیں سرہند پہنچا تو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادگان نے اِتنی ظاہری اور باطنی مہربانیاں فرمائیں کہ بیان سے باہر ہیں۔ خاص طور پر میں حضرت خواجہ محمد معصومؒ کی سینکڑوں توجہات اور تصرفات کا شاہد ہوں جو آپؒ نے خلوتوں، جلوتوں اور

تلاوت کے لمحوں میں فرمائے۔ ایسی حالت میں مَیں نے خود کو مطلوب و مقصود پایا۔ جب مَیں نے حَرَمَین کے لیے اجازت چاہی تو آپؒ نے توجہات کے ساتھ ساتھ تبرّکات بھی عنایت کیے اور کئی عقیدت مندوں کو لکھا کہ ''برادرم ملاّ محمد امین بدخشی ہمارے مقبولوں کے مقبول ہیں۔ ظاہری و باطنی کمالات حاصل کر چکے ہیں۔ ان کی صحبت اور خدمت کو غنیمت جانیے'' وغیرہ وغیرہ۔

چوتھے یہ کہ جب مَیں خواجہ معصومؒ سے رخصت لے کر حَرَمَین شریفین کے لیے روانہ ہوا تو شاہ آباد میں حضرت سیّد آدم بنوریؒ سے بڑے احسن طریقے سے ملاقات ہوئی۔ آپؒ نے بہت عنایتیں فرمائیں اور بشارتیں دیں اور فرمایا کہ آپ میں بہت استعداد اور قابلیت ہے۔ بہت جلد کمال کو پہنچ جائیں گے۔ آپؒ کی محبت اور کشش سے مسحور ہو کر مَیں ڈیڑھ سال آپؒ کی خدمت میں رہا۔ ایک دن کے لیے بھی الگ نہیں ہوا۔ اگر مَیں کبھی اِدھر اُدھر ہوتا تو آپؒ فوری طور پر مجھے بلوا لیتے۔ میری موجودگی کے بغیر کوئی گفتگو اور مجلس نہیں ہوا کرتی تھی۔ مَیں نے آپؒ کی زبان سے بہت حقائق و معارف سُنے۔ طرح طرح کی کیفیتیں دیکھیں۔ آپؒ کے ساتھ مل کر حج اور زیارتِ روضۂ رسول ﷺ سے مشرف ہوا۔ چند دنوں کے بعد آپؒ مجھے مواجہہ شریف کے سامنے لے گئے اور اپنی دستار مبارک میرے سر پر رکھ کر ارشادِ عالم کی اجازت عطا فرمائی اور کہا کہ اگر کامل مرتبہ اور تصرّف چاہتے ہو تو اپنے وطن چلے جاؤ ورنہ حَرَمَین تو گوشہ نشینوں کا ٹھکانا ہے۔

مَیں نے آپؒ کی دیگر عنایات اور آپؒ کی صحبت کے فوائد کی کچھ تفصیل نتائج الحرمین کے دوسرے اور تیسرے حصّے میں بیان کی ہے۔ یہاں اللہ کی نعمت کا اظہار مقصود ہے کہ اللہ نے اپنے خاص کرم سے مجھ مسکین کو دنیا کا طالب نہیں بنایا بلکہ بچپن ہی سے مجھے

شریعت، طریقت اور حقیقت کی لگن عطا فرمائی۔ مجھے پچاس برس حرمین شریفین میں رکھا۔ مَیں نے بغیر کسی معاوضے اور اجرت کے بہت سے لوگوں کی تربیت کی اور خود ملّا عیسیٰ، مُلّا یوسف، مُلّا مختار، مُلّا چالاک پشاوری، مُلّا عبدالحکیم، مُلّا عبدالسّلام، مُلّا سعید خان، مُلّا سعداللہ خان لاہوری، شیخ محمد بابلی، مُلّا محمد مصری، شیخ عیسیٰ مغربی، امام علی، زین العابدین طبری، شیخ تاج الدّین مالکی، شیخ الاسلام محمد مکّی، شیخ عبدالرحمان خیاری اور مُلّا نافع مدنی جیسے عظیم علما اور محدّثین کی صحبتوں میں رہ کر اعلیٰ علوم کی سندیں حاصل کیں۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ حرمین کے اکابر کے پاس ساز و سامان کی کمی بھی نہیں ہے۔ان کی روزانہ آمدنی اور یومیّہ وظیفے بھی لگے ہوئے ہیں۔اس سب کچھ کے باوجود وہ ہمیشہ تنگ دستی اور غریبی کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔اس لیے ہمیشہ محتاج ہی رہتے ہیں۔جب کہ مجھ جیسے درویشوں نے ضرورتوں اور آمدنی کے بغیر بھی ہمیشہ امیری اور اطمینان کا اظہار کیا۔اس لیے مخلوق سے بے نیاز رہے اگر اہلِ حرمین بھی شکر ادا کریں اور نعمتوں کا اظہار کریں تو لوگوں سے فارغ اور ہمیشہ بے نیاز رہیں اور کبھی محتاج نہ ہوں۔لیکن کیا کیا جائے کہ اکثر لوگ محتاج ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ لالچ اور مانگے بغیر رزق ہی نہیں ملے گا۔اِسی گمان کی وجہ سے ان کے لیے مصیبت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ ان کے گمان کے مطابق ہی معاملہ فرماتا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مَیں یہاں اپنے بزرگوں کی کچھ ایسی کرامات لکھوں جو مَیں نے خود دیکھی ہیں۔جو کرامات مَیں نے خود نہیں دیکھیں بلکہ معتبر ساتھیوں سے سُنی ہیں، ان میں سے تھوڑی سی کرامتیں مَیں نے باب الکرامات میں لکھ دی ہیں۔ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

حاجی نورالدین مرتاضؒ فرماتے تھے کہ جب مَیں حج پر جارہا تھا تو ہمارا جہاز شدید موجوں اور طوفان کی وجہ سے غرق ہونے لگا۔ لوگ بہت زیادہ سہم گئے اور بھاری سامان پانی میں پھینکنے لگے تاکہ جہاز پر بوجھ کم ہوجائے۔ اس دوران میں مَیں نے سرہندی صاحبزادگان کی طرف توجّہ کی اور ان سے مدد مانگی۔ اچانک مَیں نے دیکھا کہ شیخ محمد سعیدؒ اور شیخ محمد معصومؒ مدد کے لیے آئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جہاز نہیں ڈوبے گا۔ جب مَیں نے یہ بشارت سُنی تو اعلان کردیا کہ کوئی شخص بھی اپنا سامان پانی میں نہ پھینکے کیونکہ جہاز غرق نہیں ہوگا۔ کچھ ہی دیر بعد موجیں ختم ہوگئیں۔ ہم سب ہلاکت سے بچ گئے اور حج کی سعادت حاصل کرلی۔

مصنّف کہتا ہے کہ مَیں اور حاجی نورالدینؒ ایک ہی موسم میں سورت کی بندرگاہ پر پہنچے۔ وہ بڑے جہاز میں سوار ہوئے اور مَیں خضری جہاز میں۔ پہلی منزل ہی میں ہمارا جہاز اچانک رک گیا۔ سب پر موت کا خوف طاری ہوگیا۔ لوگ اپنا مال واسباب سمندر میں پھینکنے لگے۔ مَیں انتہائی خلوصِ دل سے سرہندی حضراتؒ کی طرف متوجّہ ہوا۔ پہلی نظر ہی میں مَیں نے دیکھا کہ حضراتؒ تشریف لائے ہیں اور رجال الغیب کو حکم دے رہے ہیں کہ جہاز کو اس مصیبت سے نجات دلانے میں مدد کریں۔ آخر جہاز کیچڑ سے نکل آیا اور تیر کی سی تیزی سے روانہ ہوگیا۔

دوسری بار یہی جہاز ایک چٹان سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا اور اس کا زیادہ تر حصّہ ڈوب گیا۔ لوگ زندگی سے مایوس ہوگئے۔ مَیں نے پھر حضراتؒ کی طرف توجّہ کی دیکھا کہ بہت مشفقانہ انداز میں کھڑے ہیں، افسوس کا اظہار کررہے ہیں، تقدیر کے سامنے حیرت زدہ ہیں اور لوگوں کو بچانے کی کوشش کررہے ہیں۔ آخر ان حضرات کے طفیل لوگ سلامت بچ

گئے اور ۱۰۵۲ھ میں حج سے مشرف ہوئے۔

عجیب اتفاق یہ ہے کہ نور الدّین مرتاضؒ کا جہاز سلامت رہا لیکن وہ لوگ پہلا حج نہ کر سکے اور ہمارا جہاز اگرچہ ٹوٹ گیا لیکن ہم نے حج کر لیے اور اللہ کا شکر ہے کہ نقصان کی بہت تلافی ہو گئی۔

مصنّف کا بیان ہے کہ مَیں نے شروع میں تالقان بدخشان میں اپنے والدِ مرحوم سے تربیت پائی اور پھر شیخ سلطان محمد بدخشیؒ اور کچھ دوسرے حضراتؒ کی صحبت سے فیض پایا۔ اس کے بعد مَیں سرہند کے لیے روانہ ہوا تو میرا سینہ روز بہ روز کُھلتا گیا اور دل کا سوز وگداز بڑھتا گیا۔ مجھے ایک رات خواب میں حضرت خواجہ معصومؒ کی زیارت ہوئی۔ مجھے بے حد روحانی ذوق وشوق نصیب ہوا۔ جب مَیں آپؒ کے دیدار سے مشرف ہوا تو آپؒ نے خوش آمدید کہتے ہوئے مجھے قلبی تلقین فرمائی اور اتنی توجّہ اور عنایت سے نوازا کہ مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے مَیں مطلوب ہوں۔ دس دن تک مجھ پر جذبۂ ذکر کا اِتنا غلبہ رہا کہ مجھے یوں لگتا تھا جیسے میرے جسم اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ ذکر کر رہا ہے۔ طرح طرح کی تجلیّات اور کثرت میں وحدت کا مشاہدہ روز بہ روز بڑھتا جاتا تھا۔ یہاں تک تھوڑے ہی دنوں میں ذکر الاذکار، فنائے نفس وقلب و لطائف کا ظہور ہوا۔ پھر فنا، بقا، اشیاء کی حقیقت، احاطہ، معیت، ارادۂ وہمی اور عدم کے آئینے میں عارضی کمالات کا مشاہدہ نصیب ہوا۔ پھر سائے سے حقیقت، حقیقت سے حقیقتوں کی حقیقت، طرح طرح کے اسرار و رموز اور عروج ونزول کے مرتبوں تک رسائی ہوئی۔ ان تمام کیفیتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

حضرت خواجہ معصومؒ کی کرامات اور آپؒ کے کمالِ انصاف کے بارے میں بیان کرتا ہوں کہ میں نے ۱۰۵۰ھ میں تواتر سے سُنا کہ حضرت آدم بنوریؒ مرشدِ کامل ہیں اور

ماضی وحال کے مشائخ سے برتر ہیں۔ مریدوں کو فوری تربیت کے مرحلے سے گزار کر جلد ہی عرفانی اور شہودی کمال تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہ جان کر میرے دل میں بے اختیار آپؒ کی صحبت کی رغبت پیدا ہوگئی۔

ایک دن میں رمضان المبارک کے اعتکاف کے دوران حضرت معصومؒ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ آپؒ میرے دل کی خواہش جان گئے اور فرمایا: ''میاں شیخ آدمؒ بہت بڑے بزرگ ہیں۔ آج کل کے دور میں بڑی فضیلت والے ہیں۔ اُن کے مرید کثرت سے ہیں جو ان کی خدمت میں رہتے ہیں۔ اِن دنوں ہم اپنے فرزندوں کی تعلیم میں مشغول ہیں۔ اگر آپ کو اُن کی خدمت میں حاضری کی خواہش ہے تو کوئی رکاوٹ نہیں ہے''۔

جواب میں میری طرف سے خاموشی دیکھ کر آپؒ نے مزید رغبت دلائی جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ آپؒ کی طرف سے یہ ترغیب ازروئے امتحان نہیں بلکہ نصیحت اور شفقت کی بنا پر ہے، لیکن میں آپؒ کی خدمت سے رخصت نہ ہوا۔ کافی مدّت کے بعد مَیں حج کے لیے روانہ ہوا تو حضرت معصومؒ نے مجھے اپنی خصوصی برکات سے نوازا اور تعلیم، تلقین اور تربیت کی اجازت بھی عطا کی۔ پھر مَیں آپؒ کے حکم اور اجازت سے ۱۰۲۸ھ میں حضرت آدمؒ کے حضور میں حاضر ہوگیا اور آپؒ نے مجھے خاص عمامہ اور بیعت کی اجازت بخشی۔

اِن صحیح روایات کے بیان سے واضح ہوگیا کہ میں حضرت معصومؒ کی اجازت اور رضا سے حضرت آدمؒ کی خدمت میں پہنچا۔ مَیں نے دونوں حضرات کو خود پر مہربان پایا اور دونوں سے طرح طرح کے فوائد حاصل کیے۔ ان حضرات کی وفات کے بعد بھی مَیں ان سے فیض پاتا رہا۔ اگر اس کی تفصیل لکھوں تو کئی دفتر درکار ہوں گے۔ کتاب ''مناہج الحرمین ومناقب الحضرات'' میں کسی قدر وہ باتیں تحریر کی جاسکی ہیں۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربیؒ نے فرمایا ہے کہ: ''مَیں نے ستر مشائخ کی صحبت سے فیض پایا ہے، اُن میں سے پانچ عارفِ کامل، خواتین تھیں''۔

حضرت غوثِ اعظمؒ کا ارشاد ہے: ''مَیں بارہ مشائخ سے کسبِ فیض کر کے کمال کو پہنچا۔ اگر مَیں زیادہ مشائخ سے استفادہ نہ کرتا تو بلند مرتبوں تک نہ پہنچ پاتا''۔

شہد کی مکھی ستتر پودوں کا رَس چُوس کر شمع اور شہد جیسی دو نعمتیں پیدا کرتی ہے۔ شمع روشنیاں بکھیرتی ہے اور شہد بیماروں کے لیے باعثِ شفاء ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے: ''فِيْهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاس'' (شہد میں لوگوں کے لیے شفا ہے) (۱۶/۶۹) کامل لوگ ہوس اور نفسانیت سے پاک ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں بعض مشائخ کی ناپسندیدگی کی جو روایات نقل کی جاتی ہیں یا خامی کی نشان دہی کرتی ہیں یا حُسنِ نیت کی آئینہ دار ہیں۔

مَیں پانچ سال حضرت خواجہ معصومؒ اور حضرت آدم بنوریؒ کی خدمت میں رہا ہوں۔ مَیں نے کسی میں بھی ناپسندیدہ کام اور نفسانی خواہش نہیں دیکھی، بلکہ ان میں سے ہر ایک اپنے مریدوں کو دوسرے کی ترغیب دیتا تھا۔ جیسا کہ حضرت معصومؒ نے مجھ ناچیز کو حضرت آدمؒ کی طرف راغب کیا، اسی طرح حضرت آدمؒ بھی کئی لوگوں کو حضرت معصومؒ کی طرف رغبت دلاتے تھے۔ مَیں نے حضرت آدمؒ کو کئی بار اپنے مُریدوں سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ: ''ہمارے مرشد زادے ظاہری و باطنی کمالات سے آراستہ ہیں۔ جو کوئی اُن کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے، اُس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ بلکہ اگر کوئی صاحب چاہیں تو مَیں خود ساتھ لے جا کر سفارش عرض کروں گا''۔ کامل لوگ مریدوں کا فائدہ چاہتے ہیں اور جھوٹے دعویدار اپنی اپنی دکانیں چمکانا چاہتے ہیں: ''قُلْ كُلٌّ'' يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ '' (کہ دیجیے کہ ہر شخص اپنے طریقے پر چلتا رہے) (۱۷/۸۴)۔ ''وَالسَّلَامُ

عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی'' (اور سلامتی اُسی کے لیے ہے جو ہدایت پر چلے) (۲۰/۴۷)۔

دونوں حضرات سے دیکھی جانے والی کرامات، بابِ کرامات میں لکھی گئی ہیں۔ ناچیز نے حضرت معصومؒ کی جو کرامات دیکھی ہیں، اُن میں سے بعض جلد ہی تحریر کی جائیں گی۔ مَیں نے حضرت آدمؒ کی جو کرامات دیکھیں، اُن میں سے بعض یہ ہیں:

جن بابرکت دنوں اور خوش نصیب ساعتوں میں یہ ناچیز حضرت آدم بنوریؒ کی سراپا مسرت محفلوں میں حاضر ہوا تو میں نے سابقہ ذکر اذکار کے ساتھ ساتھ، آپؒ کے مخصوص اندازِ تربیت سے بھی فیض پایا اور کئی برکات حاصل کیں۔ انھی دنوں میں بہت سے علمائے کرام اور مشائخ عظام بھی حاضرِ خدمت ہو کر فیض یاب ہوتے تھے۔ خاص طور پر ہم چار لوگ اکٹھے، حضرتؒ کی صحبت میں خصوصی تلقین سے مشرف ہوئے۔ ان میں سے ایک صاحب ایک مشہور و معروف عالمِ دین اور علمِ معقولات اور فلکیات میں اپنے عہد میں بے مثال تھے۔ دوسرے بزرگ علمِ تصوف میں مشہور اور بلند مرتبہ شیخِ طریقت تھے اور اوراد و وظائف اور ریاضت و عبادت میں کوئی اُن کا ثانی نہیں تھا۔ تیسرے صاحب عالم و فاضل اور فقیہ تھے اور تازہ فارغ التحصیل ہوئے تھے۔ وہ پرہیز گاری اور عبادت میں بڑے ثابت قدم تھے۔ ایک دن آپؒ نے ہم چاروں کو استخارے کی ہدایت فرمائی تاکہ خصوصی نشست میں علمِ عرفان کی تعلیم دے سکیں۔ اگلے دن ہم چاروں خصوصی مجلس میں حاضر ہوئے۔ بیٹھتے ہی آپؒ نے پہلے صاحب کو اُٹھا دیا اور فرمایا: ''آپ استخارہ کیے بغیر ہی چلے آئے ہیں، اِس لیے فی الحال آپ کی موجودگی مناسب نہیں ہے۔'' پھر دوسرے صاحب کو بھی اُٹھا دیا اور کہا: ''آپ آتے ہوئے تمباکو پی کر آئے ہیں۔ آپ دونوں کی صحبت کسی اور وقت پر موقوف کی جاتی ہے۔'' ناچار وہ دونوں اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے چلے گئے۔ ہم دونوں جو پہلی ہی

مجلس میں یہ کرامت دیکھ کر بے حد خائف ہو گئے تھے، بعد میں پُر سکون ہوتے گئے۔ اُس محفل کی برکات کا کیا بیان کروں، یوں لگتا تھا جیسے آپؒ نے اپنے علوم کے خزانوں کی کُنجی ہم دونوں کو عطا فرما دی تھی۔ آپؒ نے توجّہ اور مہربانی سے یوں تعلیمِ تصوُّف دی کہ کوئی حجاب بھی باقی نہ چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ ہماری جانب سے آپؒ کو بہترین جزا عطا فرمائے۔

کرامت:

جب آپؒ بندرگاہ سورت پر پہنچے تو حاکموں نے آپؒ کو خضری جہاز میں سوار کیا۔ آپؒ نے جہاز کو دیکھتے ہی افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا: ''یہ جہاز ٹوٹ جائے گا۔'' ایسا ہی ہوا اور وہ جہاز بیس دنوں کے بعد ڈوب گیا۔ جب آپؒ بندرگاہ قنفذہ پر پہنچے تو حج میں صرف چھ دن باقی تھے اور مکہ معظّمہ بارہ منزلوں کے فاصلے پر تھا۔ قافلے روانہ ہو چکے تھے۔ کوئی اونٹ نہیں ملتا تھا۔ حاکموں نے بہتیری کوشش کی لیکن کوئی اونٹ نہ مل سکا۔ آپؒ کے تمام ساتھی اس سال حج سے مایوس ہو گئے۔ کچھ ہی دیر بعد حضرت آدم بنوریؒ بہت خوش وخرم ہو گئے اور فرمایا: ''مجھے حضرت رسالت مآب ﷺ نے بشارت دی ہے کہ میں اِسی سال حج کی سعادت حاصل کروں گا۔'' سب لوگ حیران ہوئے کہ وقت کم ہے، سفر بہت زیادہ ہے اور سواری مل نہیں رہی، بھلا حج کیسے کریں گے؟ ہم سب اِسی حیرت میں گم تھے کہ اچانک تیس اونٹ مل گئے۔ اُسی وقت سب ساتھیوں سمیت سوار ہوئے۔ رات دن سفر کرتے ہوئے آخر کار حج کی سعادت حاصل ہو گئی۔

جب آپؒ مدینہ طیبہ پہنچے تو آپؒ نے اپنے انتقال کی اطّلاع دی۔ صحت و عافیت کی حالت میں قبر اور کفن کی تیاری کرتے رہے۔ جب بسند عہ نامی کنوئیں پر پہنچے تو فرمایا کہ:

"مجھے اس کنوئیں کے پانی سے غُسل دینا"۔ اس کے بعد آپؒ نے وراثت کی تقسیم کے سلسلے میں وصیت تحریر فرمائی۔ آپؒ کو حضرت سرورِ کائنات ﷺ سے کئی بشارتیں ملیں اور آنحضرت ﷺ سے مصافحے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ آپؒ نے امیر المومنین عثمان غنیؓ سے اپنی قبر کے لیے جگہ مانگی۔ فرماتے تھے کہ اُنھوں نے اپنی قبر کے قریب جگہ عنایت کی ہے۔ ان سب باتوں کے بعد آپؒ نے چالیس دن اعتکاف اختیار کیا اور رمضان المبارک کے بعد، تیرہ شوال کو جمعہ کے دن وفات پائی اور حضرت عثمان غنیؓ کے مزارِ انور کے پاس مدفون ہوئے۔

جب آپؒ مدینہ طیبہ میں چلّہ کش ہوئے تو آپؒ کے پہلے روزے کی افطاری کے لیے مَیں نے تبرکاً حضرت رسالت مآب ﷺ کے باغ کی کھجوریں پیش کیں۔ آپؒ اس بابرکت افطاری سے بہت مسرور ہوئے اور خلوت میں چلے گئے۔ مَیں بھی افطار کے لیے اپنے ٹھکانے پر چلا آیا لیکن مجھے بے ساختہ یہ خیال آیا کہ آپؒ کے پہلے روزے کا کچھ تبرک مجھے بھی مل جاتا تو مَیں کتنا خوش نصیب ہوتا۔ یہ خیال آتے ہی مَیں نے عہد کر لیا کہ جب تک وہ تبرک نہیں ملے گا، افطار نہیں کروں گا۔ اسی اثنا میں آپؒ کے حکم پر، آپؒ کا خادم مجھے بُلانے آ گیا۔ جب میں حاضر ہوا تو آپؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: "آپ کہاں تھے؟ سب لوگ منتظر تھے"۔ ساتھ ہی اپنے کھانے میں سے کچھ نوالے اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیے اور پھر از راہِ کرم اکثر اپنا تبرک عطا فرماتے رہتے تھے۔

مدینہ منورہ ہی میں ایک بار ارشاد فرمایا: "مجھے میر منصور بدخشی کے احوال پر رحم آیا، چنانچہ مَیں نے توجہ کی تو اسی اثنا میں الہام ہوا "**هُوَ مِنْ اَهْلِ السَّعادة** "یعنی وہ خوش بختوں میں سے ہے۔" راقم کہتا ہے کہ مجھے بے اختیار یہ خیال آیا کہ اگر مجھ جیسا نا اہل

شخص بھی اتفاقاً حضرتؒ کو یاد آ جائے تو امکان ہے کہ کوئی بشارت مل جائے، لیکن اس آرزو کا پورا ہونا بھلا میری قسمت میں کہاں۔ لیکن:

با کریمان کارھا دشوار نیست

(ترجمہ) اہلِ کرم لوگوں کے لیے کوئی کام بھی مشکل نہیں ہوتا۔

اُسی دن اچانک عشاء کی نماز کے بعد آپؒ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: ''مطمئن رہیے۔ وہ الہام مجھے آپ ہی کے بارے میں ہوا تھا۔'' مزید ارشاد کیا: ''میرے تمام مخلصین اہلِ سعادت ہیں لیکن مَیں بعض ایسے لوگوں کی سعادت مندی کے بارے میں مشکوک تھا جو فقیری کا لباس پہن کر عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ مَیں نے انھیں بھی سعادت مند ہی پایا''۔ ''مِن اھل'' کے الفاظ بھی اسی امر کی دلالت کرتے ہیں۔

حضرت شیخ آدم بنوریؒ کی وفات کے بعد نیک لوگوں نے بہت سے اچھے خواب دیکھے اور خوشگوار بشارتیں پائیں۔ مَیں نے بشارات کے باب میں، اُن میں سے کچھ لکھی ہیں۔ خود مجھ حقیر نے ایسے بہت سے خواب دیکھے اور آپؒ کی طرف سے خصوصی نوازشات پائیں اور عجیب و غریب بشارتوں سے سرفراز ہوا۔ آپؒ کی گفتگو سے میرے بہت سے مشکل مسئلے حل ہو گئے۔ مجھے خاص طور پر ''سریان'' اور ''احاطہ و معیّتِ ذاتی'' کے مسئلے میں بہت تردد تھا اور وجدانی طور پر اس کا حل معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ ۱۰۶۰ھ میں اچانک ایک دن میں نے آپؒ کو بیت اللہ شریف کے اندر موجود پایا اور آپؒ سے گفتگو کی۔ آن کی آن میں ان مسائل کے اسرار و رموز مجھ پر واضح ہو گئے۔ سریان اور احاطۂ معیّت کا مسئلہ کچھ یوں حل ہو گیا کہ مَیں نے اپنے آپ کو صاحبِ سریان اور اجزا کی صورت میں اشیاء کو محیط پایا

اور کئی دن اسی طرح ان کیفیتوں کا غلبہ رہا۔

مَیں آپؒ کی بعض کتابوں میں غور کرتا تو مجھے کچھ مسائل میں اختلاف کا احساس ہوتا۔ آخر مَیں اسے اپنا وہم سمجھ کر اُدھر سے توجہ ہٹا لیتا تھا۔ پھر مَیں علمِ حدیث کی طرف راغب ہوا اور نقلی علوم اور احیاء العلوم کی طرف بھی خاصا رُجحان رہا۔ مجھے تقلید اور پیروی ہی میں بہتری معلوم ہوئی۔ اس کے باوجود طبیعت عرفان اور وجدان کے ذوق میں پرواز چاہتی ہے۔ دیکھیں اللہ کو کیا منظور ہوتا ہے۔ یا اللہ مجھے ایسا عمدہ مقصود عطا فرما جو تیرے شایانِ شان ہو۔

مَیں مُدتوں اس کتاب کی تصنیف سے پہلو تہی کرتا رہا۔ اگر چہ کچھ احباب مناقب تحریر کرنے کی ترغیب دیتے اور اسے بزرگوں کا معمول اور عاشقوں کی نشانی قرار دیتے اور عام مریدوں کے لیے ان مناقب آدمیّہ کو بہت مفید کہتے تھے لیکن اس کے باوجود میں اپنے آپ کو سُست پاتا تھا۔ لہذا کئی بار مَیں نے روایات قلمبند کرنے کا یہ سلسلہ روک دیا اور پرانی تحریروں کو وقت کا ضیاع سمجھ کر توبہ تائب ہوا۔ حالاں کہ مَیں استخارے کیا کرتا تھا اور ان میں کئی بار حضرتؒ نے مجھے یہ کام جاری رکھنے کا حکم دیا اور خوشی کا اظہار فرمایا جیسا کہ اپنی زندگی میں حکما تصنیف وتالیف کی ترغیب دلاتے تھے۔

خاص طور پر ایک رات کو مَیں نے اپنے آپ کو حضرتؒ کے ہمراہ جنّت کے باغوں میں دیکھا جو بہت سجے ہوئے تھے۔ روشیں، آبشاریں، تختے اور فرش سب بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ مَیں نے دیکھا کہ حضرت آدمؒ یہی کتاب ''نتائج الحرمین'' ہاتھ میں لیے ہوئے پڑھ رہے ہیں، تعریف کرتے ہوئے حاضرین کو دِکھا رہے ہیں اور دعا فرماتے ہیں۔ نیز کچھ یوں بھی فرماتے ہیں کہ: ''جنت کے یہ باغات ''نتائج الحرمین'' ہی کے طفیل ہیں''۔

اور ایسے بہت سے خواب کئی بار دیکھے گئے۔

اسی طرح بعض احباب نے بھی فقیر کے بارے میں عجیب وغریب بشارتیں ملاحظہ کیں اور حضرت نبی کریم ﷺ اور حضرت شیخ آدمؒ کو اس احقر پر نورانی عنایات کرتے ہوئے دیکھا۔ نیز یہ بھی دیکھا کہ احباب میں یہ مناقب پڑھے جارہے ہیں اور آپ حضرات انھیں سُن کر خوشی کا اظہار فرما رہے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے بعد نبوت میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا سوائے بشارتوں پر مبنی خوابوں کے۔ کوئی مومن اپنے بارے میں ایسے جو خواب بھی دیکھے گا وہ صحیح ہوں گے اور مومن کے خواب، نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں''۔

(بخاری)

شروع شروع میں جب احباب ''مقاماتِ احمدیہ ومناقبِ آدمیہ'' لکھنے پر اصرار کرتے تھے تو مَیں کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا تھا کہ نجانے مرضی ہوگی یا نہیں! چنانچہ مَیں استخارے کیا کرتا، عمدہ بشارتیں پاتا اور لکھنے کا حکم بھی ہو جاتا تھا۔ اس کے باوجود سُستی اور نالائقی سے غفلت ہو جاتی تھی۔ اللہ کا ایک احسان یہ ہوا کہ ایک استخارے میں مَیں نے خود کو حضور نبی کریم ﷺ کی خصوصی مجلس میں حاضر پایا۔ مراقبے اور فیض رسانی کے بعد آپ ﷺ نے طعام طلب فرمایا۔ ہر پلیٹ میں تھوڑے تھوڑے چاول اور شوربا دکھائی دیتا تھا، اتنا سا کہ چمچوں کا سرا ڈوبا ہوا نہیں تھا لیکن ایسی برکت ظاہر ہوئی کہ ہم جتنا بھی کھاتے تھے، کھانا ختم ہونے میں ہی نہیں آتا تھا۔ کھانے کے دوران مَیں کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کی توجہ احقر کی طرف ہے اور مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہے۔ مَیں بار بار دیکھتا ہوں کہ شاید آپ ﷺ کسی اور طرف دیکھ رہے ہوں لیکن آپ ﷺ میری طرف ہی متوجہ تھے۔ مَیں اتنا

سرمست تھا کہ خواب وخیال میں بھی کیف وسرور محسوس کر رہا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے وضو والا لوٹا میرے حوالے کر دیا۔ مَیں سبزہ زاروں میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ دوڑا دوڑا جا رہا تھا کہ مارے خوشی کے میرے آنکھ کُھل گئی۔ مَیں نے خود کو علم، عرفان، حدیث اور اُصولِ حدیث سے لبریز پایا اور مَیں تعلیم وارشاد پر اس حد تک قادر ہو گیا کہ اہلِ زبان عرب بھی مجھ سے استفادہ کرتے تھے اور ان علوم کے بارے میں میری پینتالیس تصانیف مشہور ومعروف ہوئیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہی سے تھا۔

مَیں جن دنوں مکہ مکرمہ میں یہ مجموعۂ مناقب تصنیف کر رہا تھا، مَیں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کی انگلیاں چُوس رہا ہوں۔ مدینہ منورہ میں ایک خواب میں ناچیز نے آنحضرت ﷺ کو روضۃ الجنت کے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ نے مجھ مسکین کو اپنے قریب بُلا کر سارا خطبہ سُنایا۔ یہ واقعہ پہلے بھی بیان ہوا ہے۔ جان لیجیے کہ اس کتاب میں یہ روایت دوبارہ بیان ہوئی ہے۔ ایسی بات کا دُہرایا جانا بُرا نہیں لگتا کیونکہ اس میں فائدہ ہی فائدہ ہوتا ہے۔ اس میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی پیروی بھی ہے کیونکہ قرآن اور احادیث کی کتابوں میں بہت سی آیات اور احادیث کا تکرار کیا گیا ہے۔ خاص طور پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں تو پانچ ہزار حدیثوں کا تکرار ہے۔ ہر باب کی مناسبت سے، سند کے طور پر، ایک ایک حدیث کا کئی کئی بار بعینہٖ اعادہ کیا گیا ہے۔

اور قرآن کریم میں بھی انبیاء کے قصے، مثالیں اور عبرت کی آیتیں بیسیوں مقامات پر دُہرائی گئی ہیں۔ اس میں کئی حکمتیں ہیں جو امام رازیؒ کی تفسیرِ کبیر میں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض کا ذکر میں نے ''رسالۂ جمعہ'' کے آخر میں کیا ہے۔ یہاں مقامِ اختصار ہے۔ حضرت خواجہ معصومؒ اور حضرت شیخ آدمؒ کی عنایات میں سے کچھ خصوصی

امتیازات کا ذکر کیا جاتا ہے:

ا۔ حضرت خواجہ معصومؒ نے خلافت و اجازت عنایت فرما کر مجھے لاہور روانہ کیا۔ جہاں رشد و ہدایت کا سلسلہ خوب پھیلا۔

۲۔ آپؒ نے اپنے خاص تبرکات عطا کر کے حرمین شریفین کی طرف رخصت فرمایا۔ مَیں نے طالبانِ طریقت کے عجیب و غریب احوال دیکھے۔

۳۔ جب دونوں بھائی حرمین شریفین میں آئے تو حضرت خواجہ معصومؒ نے اپنی دستارِ خاص مجھ فقیر کو بخشی اور بیعت و ارشاد کی عام اجازت مرحمت فرمائی اور حضرت مولانا محمد سعیدؒ نے خصوصی مصافحہ فرما کر اجازت عطا کی۔

۴۔ حضرت آدم بنوریؒ نے مدینہ طیبہ میں روضۂ رسول ﷺ کے سامنے اپنی دستار مبارک اس فقیر کو دی اور عام اجازت عطا کر کے فرمایا کہ: ''اپنے اصلی وطن چلے جایئے اور سلسلۂ طریقت جاری کیجیے''۔ پھر آپؒ نے شیخ اسد اللہ کو اجازتِ عام دے کر لاہور کی طرف رخصت کیا اور اپنا کُرتا اُنھیں عطا فرمایا۔ اس کے بعد اُن تمام ساتھیوں کو خلافت دے کر اپنے اپنے وطن کی طرف روانہ کر دیا جن میں اہلیت تھی۔ آپؒ نے کسی کو بھی حرمین میں رہنے اور سلسلہ چلانے کا حکم نہیں دیا۔ یہ آپؒ ہی کی کرامت ہے کہ حرمین میں کسی دوسرے کے سلسلۂ طریقت چلانے میں رضا نہیں ہے۔

حضرت خواجہ نقشبندؒ تین بار حج کے لیے آئے لیکن آپؒ نے رشد و ہدایت یا تصرف کا اظہار نہیں کیا۔ حضرت غوثِ اعظمؒ، شیخ ابنِ عربیؒ، شیخ الکبیر یمانیؒ اور شیخ تاجؒ وغیرہ برسوں حرمین میں مقیم رہے لیکن ان حضراتؒ نے کعبے اور روضۂ رسول ﷺ کے احترام میں رُشد و ہدایت یا کرامت وغیرہ کا اظہار نہیں کیا۔ حضرت آدم بنوریؒ قطب الارشاد اور

قطبُ الاقطاب تھے، اس کے باوجود آپؒ حرمین میں ارشادِ عام نہیں کرتے تھے۔ جن بعض لوگوں کو آپؒ نے وہاں تلقین فرمائی وہ بھی کمال کو نہ پہنچے۔ کمال حاصل نہ کر سکنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ طالب صادق نہیں ہوتا، اگر طلب سچی ہو تو رزق پاکیزہ نہیں ہوتا، اگر یہ بھی ہو تو پھر خلوص، عشق، محبت اور ریاضت میں کمی ہوتی ہے۔ یہ سب خصوصیات ارکانِ رشد وہدایت ہیں۔ مَیں نے شیخ جمال مرحوم کے احوال پر مشتمل فصل میں یہ مسئلہ تفصیل سے لکھا ہے۔

شیخ تاجؒ فرماتے تھے کہ مَیں تیس سال حرمین میں مقیم رہا اور بالکل فارغ رہا۔ مجھے کوئی طالب نہ ملا جس کی مَیں تربیت کرتا۔ اگر اتفاق سے کوئی طالب مل بھی جاتا تو اس میں رُشد اور اثر قبول کرنے کی بھرپور صلاحیت ہی نہ ہوتی تھی۔ جب مَیں نے یمن، بصرہ اور ہندوستان کا رُخ کیا تو بہت سے سالک مل گئے اور اُنھوں نے خوب استفادہ کیا۔ جب مَیں دوبارہ مکہ معظمہ آیا تو پھر اُسی طرح خاموشی، آرام اور مریدوں کے ہجوم سے خلاصی پائی۔

اس معاملے میں یہ حکمت ہے کہ حرمین کے مالک خود ہادی اور مرشد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''هُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ'' ((کعبہ) ہر ایک کے لیے ہدایت ہے) (۳/۹۶) حاضر مُرشد کے ہوتے ہوئے کسی اور مُرشد سے ہدایت کی طلب رکھنا مناسب نہیں ہے۔ اگر کسی اور سے طلب رکھی جائے گی تو اُس کا مکمل فائدہ نہیں ہوگا۔ حضرت شیخ محمد سعید عمریؒ نے اپنے مکاشفات میں لکھا ہے کہ: ''جو شخص خلوصِ نیت سے کعبے کو وسیلہ بنالے، اُسے کسی اور مُرشد کی ضرورت نہیں رہے گی''۔

مجھ فقیر نے حرمین میں کچھ لوگوں کی تربیت کرنی چاہی اور اُنھیں کمال تک

پہنچانے کی کوشش کی لیکن اکثر لوگوں میں استعداد نہ پائی۔ اگر کسی میں استعداد ہوتی تھی تو وہ اطاعت نہیں کرتا تھا یا معذرت کر لیتا تھا۔ بعض نے اطاعت تو کی لیکن صبر نہ کیا۔ کچھ لوگوں نے صبر کیا لیکن خود ہی اپنے پیرومرشد بن بیٹھے۔ کچھ سچے طالب خواہشاتِ نفس کی نفی کر کے کمال کو پہنچ گئے لیکن جلد ہی وفات پا گئے۔ مَیں ایک طالبِ صادق کو تلقین وارشاد کیا کرتا تھا۔ وہ روز بہ روز ترقی پر ترقی کرتا جاتا تھا۔ وہ پاکیزہ رُوحوں کی عجیب وغریب کہانیاں بیان کرتا اور خواجگانِ بزرگوار کی مہربانیوں کا ذکر کرتا۔ لگتا تھا جیسے ہمیشہ سے ہی اولیاء کا ہم نشین ہے۔ محویّت اور مشاہدے میں کمال کی حالت میں وہ علم اور عرفان کی طرف مائل نہیں ہوتا تھا۔

عناد رکھنے والے ایک آدمی نے ایک ملحد اور فاسق کو آزمائش کے لیے فقیر کے پاس بھیجا۔ مَیں نے اُس کی طرف توجہ نہ کی۔ جب وہ بکثرت آنے جانے لگا تو میں اُس کی طرف کچھ متوجہ ہوا۔ میرے ساتھ اُس کی پہلی ملاقات ہی سے بدگوئی کرنے والوں نے زبان درازی شروع کر دی کہ مَیں نے ایک بدکار شخص کو مرید کر لیا ہے اور بہت ہی بُرا کیا ہے۔ آخر جب اُنھوں نے اُس مرید کی صلاحیت، ثابت قدمی اور محویّت دیکھی تو حیران ہو کر تعریفیں کیا کرتے تھے۔ اُس شخص کے صدق اور اخلاص میں اضافہ ہوتا گیا اور وہ ایک ایک کر کے گناہوں سے تائب ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ مراقبہ اور مشاہدہ کے علاوہ اسے اور کوئی کام نہیں تھا اور وہ اذکار، نیک کاموں اور طواف کے سوا اور کسی کام میں مصروف نہیں ہوتا تھا۔ وہ دوسرے بے دین اور آوارہ لوگوں کو بھی ملامت کیا کرتا اور اپنے احوال، ذوق وشوق اور توفیق پر شاکر تھا۔

بلخ کے ایک قاضی زادے بھی کچھ عرصہ خلوص اور محبت سے میری صحبت میں

رہے۔ اُنھیں توحید اور عرفان کے علوم سے وافر حصہ ملا۔ وہ رسمی وحدت الوجود کے ماننے والوں کی مذمت کرتے اور خود عرفان اور وحدتِ شہود کی عجیب تشریح کیا کرتے تھے۔ اُنھیں وجد اور کشف و کرامت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور وہ عرفانی مراقبے، شہودی توجہ اور شرعی استقامت کے علاوہ کسی اور چیز سے آرام نہیں پاتے تھے۔

اسی طرح ایک عرب نوجوان فقہ اور نحو کا طالبِ علم تھا اور کبھی کبھی مراقبہ بھی کرلیا کرتا تھا۔ آہستہ آہستہ اُس کی یہ حالت ہوگئی کہ اُس نے دُنیا اور دکان کا کام چھوڑ دیا۔ غذا، لباس اور میل جول کی خواہش بھی ترک کردی۔ اُسے مراقبے اور مشاہدے کے بغیر اور کسی عمل سے سکون نہیں ملتا تھا۔ اُس نے دیگر علوم چھوڑ کر سلوک اور تصوف کی کتابوں کا مطالعہ شروع کردیا۔ اُس کے والدین اور بھائی ناراض ہوگئے کہ مَیں نے اُن کے بیٹے کو تباہ و برباد کردیا ہے اور دُنیا کے کام کا نہیں چھوڑا۔ آخرکار انھوں نے بڑی سختی سے اُس نوجوان کو میرے پاس آنے سے روک دیا۔ وہ بیچارہ مجبور ہوکر بھاگ نکلا۔ اب وہ درویشوں کی سی حالت میں کبھی مدینہ شریف میں ہوتا ہے اور کبھی مصر میں۔ اُس کا دل دُنیا اور اس کے معاملات سے اُچاٹ ہوچکا ہے اور وہ آخرت کے کاموں ہی میں مگن رہتا ہے۔

فقیر نے اپنے بعض جاننے والے عرب بوڑھوں اور نوجوانوں کو ذکر کی تلقین کی۔ پہلے پہل دل پر ذکر کا غلبہ ہوا اور کیفیات ظاہر ہونے لگیں۔ وہ نادان حیران ہوکر پشیمانی کا اظہار کرنے لگے۔ وہ کہتے تھے کہ ہمارے دل راتوں کو حرکت میں رہتے ہیں اور ہم سو بھی نہیں سکتے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم پر کوئی آسیب مُسلّط ہوگیا ہے۔ خدا کے لیے ہمیں اس مصیبت سے نجات دلایئے وگرنہ ہم پاگل ہوجائیں گے۔ مَیں اُنھیں بہت سمجھاتا تھا کہ یہ قلب جاری ہونے اور باطنی ذکر کی نعمت ہے جو ہر کسی کے حصے میں نہیں آتی۔ اللہ کے

طالب اس نعمت کی طلب میں سالہا سال سفر کرتے ہیں اور پھر بھی حاصل نہیں کر پاتے۔ وہ لوگ باطنی ذکر کی نعمت حاصل کرنے کے لیے بے شمار دولت خرچ کرتے ہیں لیکن تم لوگ اس نعمت کی قدر و قیمت نہیں جانتے ہو اور اس کے چھن جانے پر راضی ہو۔ بڑی بد نصیبی اور گھاٹے کی بات ہے۔ اُن لوگوں نے ایک فقیہ مُلا سے شکایت کی کہ ہمارے دل مُتحرک رہتے ہیں اور ہم نیند اور آرام سے محروم ہو گئے ہیں۔ ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم آسیب زدہ تو نہیں ہو گئے۔ شیخ محمد امین نے ہم پر یہ بلا مسلط کی ہے اور کہتا ہے کہ یہ ذکر قلبی ہے اور دائمی فریضہ ہے۔ حضورِ قلب کے بغیر تمام نیک اعمال بے کار ہیں۔ اُس نادان مُلا نے شاگردوں کے مجمع میں ہم پر اعتراض کیا کہ ذکرِ قلبی کا کوئی ثواب نہیں ہے۔ صوفی اور درویش لوگ اس کے حصول پر اتنا زور کیوں دیتے ہیں اور اتنا مجاہدہ کیوں کرتے ہیں؟ یہ لوگ خواہ مخواہ ہی مراقبے اور قلبی ذکر پر فخر کرتے ہیں اور لوگوں کو اس مصیبت میں ڈال کر علم کی طلب سے روک دیتے ہیں۔ قرائت اور کلمۂ شہادت تمام اذکار سے افضل ہے اور ان کا بھی دل میں پڑھنا جائز نہیں ہے اور اس کا کوئی ثواب نہیں ملتا۔ جیسا کہ شیخ جزریؒ نے فرمایا ہے۔

مَیں اُس مُلا کی ان باتوں سے بہت رنجیدہ ہوا اور مَیں نے نااہلوں اور اس زمانے کے طالبوں کو تلقین و توجہ دینے پر افسوس کیا۔

راقم کہتا ہے کہ حضرت شیخ آدم بنوریؒ نے بھی تفسیرِ سورۂ فاتحہ کے شروع میں اس ناچیز کی نیکی اور صداقت کا بیان فرمایا ہے۔ آپؒ نے تحریر فرمایا ہے: ''مَیں نے میر منصور اور شیخ محمد امین جیسے خلوص میں سچے ساتھیوں کی درخواست قبول کرتے ہوئے تفسیر سورۂ فاتحہ کا آغاز کیا۔'' ایک اور جگہ پر آپؒ نے ہمیں ''یارانِ صداقت نشان'' اور ایک مقام پر اپنے دستِ مبارک سے ''یارانِ واصل'' تحریر فرمایا ہے۔ جیسا کہ خُلفاء کے باب میں، خلافت

پانے والوں کے اسمائے گرامی کے ساتھ مختصراً لکھا گیا ہے۔

حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے بھی اپنے مکتوبات میں شروع سے ہی فقیر کو عمدہ القاب سے یاد فرمایا۔ خاص طور پر اپنے خط نمبر ۱۱۹ میں میرے آغاز کے احوال کا ذکر کیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

''برادرِ عزیز محمد امین بدخشی کا محبت نامہ موصول ہو کر فرحت و مسرت کا باعث ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ذوق، شوق اور توفیق میں اضافہ فرمائے! آپ نے لکھا ہے کہ آج کل ہر وقت مشاہدۂ فنا اور تغیر کائنات کی کیفیت طاری رہتی ہے اور تجدیدِ مظاہر کا خصوصی کشف ہوتا ہے۔ محترم! نیستی کا مشاہدہ، عدم سے معتبر ہوتا ہے اور یہ فنا سے پہلے کا درجہ ہے۔ تغیر کائنات ہر لحہ تجدیدِ مظاہر سے عبارت ہوتا ہے اور اس کا تعلق سالک کے شہود سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل مَیں نے تنہائی میں آپ کو بتائی تھی۔

علاوہ ازیں آپ نے لکھا ہے کہ آپ پوری کائنات کو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ کے مظاہر پاتے ہیں اور آئینہ مظاہر میں ذاتِ واحد کے علاوہ اور کچھ دِکھائی نہیں دیتا اور کثرت میں وحدت کا جلوہ نظر آتا ہے۔ محترم! مشائخ کے نزدیک یہ جلوہ اور ایسا مشاہدہ نشانِ کمال ہے اور حقیقتوں کی حقیقت تک رسائی کے لیے کُھلنے والا دروازہ ہے۔ یہ کیفیت اچھی اور مبارک ہے اور کمال تک پہنچانے والی ہے۔۔۔۔''

آپؒ کے اس مکتوب میں آخر تک بہت سے عرفانی سوالات و جوابات ہیں۔ ان میں سے ایک جواب یہ ہے:

''جان لیجیے کہ اللہ کے سوا ہر چیز کی حقیقت، فنا ہے۔ البتہ ہر چیز اللہ کے جلوۂ کمال کی وجہ سے ممتاز ہو گئی ہے۔ پس تمام چیزوں میں موجود کمالات، اللہ سے مُستعار لیے گئے

ہیں۔ تمام اشیاء کی ذاتی حیثیت فنا کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ جب صوفی پر یہ جلوۂ مُستعار غالب آتا ہے تو وہ کمالات کی اِن پرچھائیوں کو اصل کے عین مطابق پاتا ہے اور خود کو سراپا فنا دیکھتا ہے۔ اسے اپنے آپ میں بقا نامی کوئی خصوصیت دکھائی نہیں دیتی۔ اس عالم میں وہ حقیقی فنائے کامل سے مشرف ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو عینِ حق نہیں سمجھتا کیونکہ اُس کی خود پرستی زائل ہو چکی ہوتی ہے اور انانیت کا خاتمہ ہو چکا ہوتا ہے۔ اس مقام پر وہ ''انا الحق'' وغیرہ جیسی کوئی بات نہیں کرتا۔ فنا ہو جانے والی ذات بھلا موجودِ حقیقی جیسی کیسے ہو سکتی ہے؟ دونوں میں کہاں کا اتحاد اور کیسا اشتراک؟ غیر اللہ کی نفی سے مُراد یہ ہے کہ خیر اور کمال میں کسی بھی مخلوق کی اللہ کی ذات کے ساتھ شراکت کی نفی کی جائے۔ شرکت کی یہ نفی ایسی کیفیت میں مکمل طور پر حاصل ہوتی ہے۔ شرکت کی ایسی نفی کے لیے ہرگز ضروری نہیں ہے کہ ہم عینیت کے قائل ہوں اور خطرات سے دوچار ہو جائیں''؟ حضرتؒ کے مکتوب کا خلاصہ ختم ہوا۔

نیز اِس فقیر کی بہت سی تصانیف ہیں مثلاً نتائج الحرمین ومناقبُ الحضرات ومناقب احمدیہ ومعصومیہ وآدمیہ (عربی اور فارسی)، رسالۂ حقیقیہ درمفاصلہ بین الانسان والکعبہ (عربی اور فارسی)، رسالہ جمعہ بھی اسی طرح ہے، رسالہ فقہ ضروریہ درمذاہب اربعہ، مناسکُ الحج والعمرہ وفضائلھما، آدابُ الزیارات، رسالہ فقراتِ عرفانیہ وشجرات الطریقۃ، رسالہ مشاجرات المدنیہ وردالحاسدیہ وجواب الکشاشیہ، اختصار التاریخ فی فضایل الحرمین الشریفین، منتخب احادیث الجوامع والمسانید حضرات، رسالۂ مکتوبات۔

مَیں نے مکتوبات میں سے دو مکتوب لکھے ہیں جن میں موعظت ونصیحت اور خواجگان کے سلسلۂ طریقت کے فضائل کا بیان ہے۔ پہلا خط مَیں نے سرہند میں کابل کے

مُریدین کے لیے لکھا تھا اور وہ یہ ہے۔

اِس مکتوب میں دنیا کی مذمت کا بیان ہے، نیز بتایا گیا ہے کہ مومنوں کی تین قسمیں ہیں، احوالِ قیامت کا ذکر ہے، ضرورتِ مُرشد اور نقشبندی سلسلے کے فضائل کا بیان ہے، اس کا ذکر بھی ہے کہ ظاہر پرست لوگ خرمن پر ریجھے ہوئے ہیں، نیز ان لوگوں کی تردید بھی کی گئی ہے جن کا کہنا ہے کہ کامل مُرشد نہیں ملتا۔ اس خط میں یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی میں کوئی نہ کوئی مرشد پیدا فرماتا ہے، نیز مشائخ کے منکر غافلوں کی بدنصیبی کا بیان بھی ہے:

''سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالن ہار ہے۔ حضرت محمدِ امین ﷺ پر درود و سلام ہو جو افضل ترین مخلوق ہیں، نیز آپ ﷺ کی آلؓ، اصحابؓ اور پیروکاروں پر، ہم پر اور آپ پر۔ (آمین)

اے ہوشمند عزیز! اپنی کم ہمتی پر مشفق ماں کی طرح کب تک کانپتے رہو گے اور اپنی کم عقلی پر سانپ کی طرح کب تک پیچ و تاب کھاتے رہو گے؟ کچھ کر گزرنے کا وقت تو گزرا جاتا ہے۔ ہر گزرتا ہوا لمحہ، زندگی کی بنیاد کی ایک اینٹ کم کیے جاتا ہے اور ہر گزرتا ہوا پَل اس عمارت کا کچھ حصہ گرائے جاتا ہے اور موت کو قریب تر لا رہا ہے۔ دُنیا کی فضولیات کی طرف ہرگز ہرگز راغب نہ ہونا اور اس کے عارضی ٹھاٹ باٹھ پر فریفتہ نہ ہو جانا۔ اس کی تروتازگی میں نہ پھنسنا اور اس کی گھٹیا خوشیوں پر مسرور نہ ہونا۔ اس کی فانی نعمتوں اور لذتوں میں مبتلا نہ ہونا اور اس کی مرغن اور میٹھی غذاؤں کا اسیر نہ ہو جانا۔ دُنیا کے لال پیلے ملبوسات کا فریب نہ کھانا، عُمرِ عزیز کو فضولیات میں نہ گنوانا اور چند روزہ زندگی کو بے ہودگی اور نامرادی میں ضائع نہ کر دینا۔ کیونکہ دُنیا اگرچہ ظاہری طور پر بہت میٹھی اور خوشگوار ہے لیکن

حقیقت میں زہرِ قاتل ہے۔ اس کا مال واسباب سب باطل ہے۔ اس کا طالب نامراد اور اس کا شیدائی پاگل ہے۔ دُنیا کا معاملہ سونے میں لپٹی ہوئی غلاظت کی طرح ہے اور اس کی مثال یوں ہے جیسے شکر میں زہر ہو۔ کوئی عقلمند اِس نکمی چیز کا گاہک نہیں بنتا اور کوئی بالغ نظر اس گھٹیا جنس پر فریفتہ نہیں ہوتا۔

چیست دنیا ؟ خاک دانی کہنہ و ویرانہ ای
غصّہ جایی، محنت آبادی ، ملامت خانہ ای
ہر لئیمی ، ناسزایی ترکِ دنیا کی کند؟
سرفرازی را رسد دریا دلی مردانہ ای
حالِ دنیا را پرسیدم من از فرزانہ ای
گفت یا خوابی ست یا بادی ست یا افسانہ ای
باز گفتم حالِ آن کس گو کہ دل دروی بست
گفت یا غولی ست یا دیوی ست یا دیوانہ ای

(ترجمہ) دُنیا کیا ہے؟ مٹی کی ایک پُرانی اور ویران سرائے ہے۔ درد وغم کی جگہ ہے اور ملامت کا گھر ہے۔

کوئی نامعقول کمینہ شخص دُنیا کو نہیں چھوڑ سکتا۔ سربلند اور عالی ظرف لوگ ہی ترکِ دُنیا کرتے ہیں۔

مَیں نے ایک عقلمند سے دُنیا کی حقیقت پوچھی تو اُس نے کہا: خواب ہے یا ہوا یا کوئی افسانہ ہے۔

پھر مَیں نے دنیا سے دل لگانے والے کے بارے میں، پوچھا تو وہ کہنے لگا: دنیا کا

طالب بھوت ہے یا شیطان ہے یا پھر دیوانہ ہے۔

''دُنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے'' اِسی کے نقصان کی طرف اشارہ ہے اور ''ترکِ دُنیا تمام عبادتوں کی بنیاد ہے'' میں بھی اسی کا بیان ہے۔ دُنیا کا طالب اَبدی موت کا شکار ہے اور اس سے پرہیز کرنے والا دائمی زندگی پالیتا ہے۔

خدا کا فرمان ہے کہ مَیں نے جب سے دُنیا کو تخلیق کیا ہے، ایک بار بھی اُس کی طرف نہیں دیکھا۔ نیز ارشاد ہے کہ دُنیا کی قدر و قیمت اگر میرے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو مَیں کافروں کو پانی کا ایک گھونٹ بھی ہرگز نہ دیتا۔

اگر دُنیا رسولِ کریم ﷺ کی نظروں میں کوئی اہمیت رکھتی یا انبیاء اور اولیاء اسے اختیار کرتے تو آیات و احادیث میں اس کی تعریف کی جاتی یا علماء اور مشائخ کی کتابوں میں اس کی توصیف ہوتی۔ لہٰذا علماء کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ میرا ترکہ اپنے زمانے کے سب سے زیادہ عقلمند شخص کو دیا جائے تو اُس کا مال و اسباب زاہد شخص کو دینا چاہیے کیونکہ اُس نے دنیا کا مال و اسباب ترک کر کے سب سے زیادہ عقلمندی کا ثبوت دیا ہے۔

اہلِ نظر کو چاہیے کہ وہ چشمِ بصیرت سے دیکھیں اور غور کریں کہ انسان کی تخلیق کا بنیادی سبب کیا ہے۔ ''بے شک جنوں اور انسانوں کو اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔'' (۵۱/۵۲)۔ نیز اچھی طرح سوچ بچار کرنی چاہیے کہ موت اور قیامت تو طے شدہ حقیقتیں ہیں۔ ''کہہ دیجیے کہ تم پر موت کا فرشتہ مقرر کر دیا گیا ہے جو تم سب کو موت کی نیند سُلائے گا۔'' (۳۲/۱۱) ''اور بے شک قیامت کی گھڑی آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں'' (۲۲/۷)۔ اور یہ بھی خوب ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ آخرت کا ثواب و عذاب بھی

دیکھنا ہی پڑے گا۔ ''جس نے مثقال برابر نیکی بھی کی ہوگی، اُس کا صلہ پائے گا'' (۹۹/۷)۔ دُنیا کی زندگی تو ایک سانس سے زیادہ کی نہیں ہے اگر اسے بھی دُنیا حاصل کرنے کی تگ ودو میں گزار دیا جائے تو افسوس کا مقام ہے۔ ایسا شخص کل قیامت کے دن کیا معافی مانگے گا اور بارگاہِ الٰہی میں کیا مُنہ لے کر جائے گا۔ یہ دنیا مسائل کا گڑھ اور آزمائش کی جگہ ہے۔ اگر بے بس انسان آج اس کے انجام سے خبردار نہیں ہوگا تو کل کو اُسے حسرت اور ندامت کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ مرنے کے بعد آدمی کی سب سے بڑی آرزو یہی ہوگی کہ اُسے ایک بار دنیا میں واپس بھیجا جائے تاکہ وہ نیکیاں زیادہ کرے اور گناہوں کی تلافی کرے۔ لیکن کیا فائدہ کہ تلافی کا کوئی امکان نہیں ہوگا اور صد حسرت وافسوس کہ اُس کی بیماری لاعلاج ہو چکی ہوگی۔

آن را کہ ھمچو مرگ بُود واقفی زِ پس
وان را کہ ھمچو گور بُود منزلی زپیش
برخود اگر بگرید و کمتر کُند نشاط
باشد بہ نزدِ عین بصیرت بہ جایِ خویش

(ترجمہ) جس شخص کے پیچھے موت جیسا پہچاننے والا پڑا ہوا ہو اور قبر جیسی منزل جس کے سامنے ہو، اگر وہ اپنے آپ پر روتا رہے اور بہت کم خوشی منائے تو اہلِ بصیرت کے نزدیک بہتر ہے۔

تاہم جہاں تک ممکن ہو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ یہ چند روزہ زندگی شریعت کے مطابق گزاری جائے تاکہ اسے فوز وفلاح نصیب ہو اور وہ قیامت کے عذاب وعتاب سے بچ جائے۔

کار این ست وغیر ازین همہ ہیچ

(ترجمہ) کام تو بس یہی ہے، باقی سب کچھ ہیچ ہے۔

اے عزیز! جان لو کہ علمائے کرام اپنی بات کو مثال سے واضح کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کسی بادشاہ نے غلّے کا ایک بہت بڑا ڈھیر لگا رکھا ہے اور لوگوں کو صلائے عام دے رکھی ہے۔ بعض نادانوں نے یہ خبر پاتے ہی چیونٹیوں اور ٹڈیوں کی طرح دوڑ لگا دی۔ کچھ کم ظرف اور تر دامن لوگوں نے خود میں زحمت اُٹھانے اور نفس کی مخالفت کرنے کی ہمت نہ پائی ۔ ان میں طلب پیدا نہ ہوئی اور وہ دامنِ غفلت ہی میں پڑے رہے۔ کچھ آرام طلب لوگوں نے دل میں طلب کی تڑپ پاکر قدم بڑھائے۔ اُنھیں راستے ہی میں کہیں دانہ مل گیا اور وہ بڑی صعوبت اُٹھا کر وہ دانے اپنے ٹھکانے پر لے گئے اور اُنھیں اپنی عمر بھر کی خوراک سمجھتے رہے۔ بعض لوگوں نے انتہا درجے کی ہمت کی، سفر کی سختیاں برداشت کیں، نفس کی مخالفت کی، تلخی کو خوشگوار سمجھتے ہوئے غلے کے ڈھیر تک جا پہنچے۔ ذوق وشوق کی کثرت کی وجہ سے وہ اُس خرمن اور اُس کے مالک کی محبت میں مبتلا ہو گئے اور قرب کے بلند مرتبوں تک جا پہنچے۔ اُنھوں نے اوروں کو بھی جتنا چاہا، وہ غلّہ عطا کیا۔

اب سمجھ لو کہ وہ بادشاہ اللہ تعالیٰ ہے اور غلّے کا ڈھیر بہشت اور اللہ کی برکات ہیں۔ جن لوگوں میں غفلت کی وجہ سے طلب ہی پیدا نہ ہوئی وہ عوام النّاس ہیں جو محض کلمۂ طیّبہ پڑھ لینے سے ہی اپنے آپ کو پاک صاف سمجھنے لگتے ہیں۔ وہ لوگ جو کم ہمتی سے بہت آگے تک نہیں جاتے ہیں، علمائے ظاہر ہیں۔ انھیں اس ڈھیر میں سے جتنا کچھ بھی مل گیا ہے، اُسی پر مطمئن ہو کر بیٹھ رہے ہیں۔ جو لوگ ہمت کر کے، ہدایت کی روشنی میں خرمن تک جا پہنچے ہیں، وہ اولیاء اور مشائخ ہیں۔ یہ لوگ ہر طالبِ صادق کو اُس کی استعداد کے مطابق،

اُس خرمن میں سے حصہ دیتے ہیں، گمراہوں کو راہِ راست پر لانے اور غافلوں کو حضوری تک پہنچانے کا سبب بنتے ہیں۔

ایک بزرگ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مراقبے کے دوران میری چشمِ بصیرت پر سے دنیا کا حجاب اٹھا دیا اور مجھے آخرت کے حُسن و جمال کا مشاہدہ کرایا۔ مَیں نے جنت کی نعمتیں اور مختلف لوگوں کے درجات اور مرتبے دیکھے۔ پھر مَیں نے دوزخ اور اس کے عجیب و غریب عذاب دیکھے۔ دوزخ کے دہانے پر مَیں نے ایک عجیب اور ڈراؤنا جال دیکھا۔ اس جال کے آس پاس دانے پھینکے گئے تھے اور ایسی دُھول اُڑ رہی ہے کہ وہ جال کسی کو دکھائی نہیں دیتا۔ بہت سے لوگ اُس جال کے گرد جمع ہیں اور پوری توجہ سے وہ دانے چُننے میں مشغول ہیں اور کسی طرح بھی سیر نہیں ہو رہے ہیں۔ ایک سات سروں والا اژدھا اُس جال کے پاس منہ کھولے بیٹھا ہے اور لوگوں کو فوج در فوج نگل رہا ہے۔ لوگ اُس سے غافل ہیں اور بچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ وہ اژدھا جن لوگوں کو نگلتا ہے، وہ دوزخ میں جا گرتے ہیں اور طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کوئی اُن کی فریاد سُننے والا اور پُرسانِ حال نہیں ہے۔

مَیں نے چند ایسے لوگوں کو بھی اس مصیبت میں گرفتار دیکھا جو میرے ہاتھ پر تائب ہوئے تھے لیکن اس وعدے پر قائم نہیں رہ سکے تھے۔ مَیں نے انھیں ملامت کی اور شفاعت کر کے اس عذاب سے نجات دلائی۔

اب جان لو کہ وہ عجیب جال دُنیا اور وہ ناپاک دانے دُنیا کا مال و اسباب ہیں، جنھیں لوگ لالچ کے مارے جمع کیے جاتے ہیں اور اُن کا جی نہیں بھرتا۔ لوگوں پر چھایا ہوا گرد و غبار، غفلت کی کثرت اور لوگوں کا دُنیا میں مشغول ہونا ہے۔ وہ اژدھا موت ہے جو

غافلوں کو نگل کر دوزخ میں پھینکے جاتا ہے۔ اے بھائی جب آدمی کے حالات اتنے خراب ہیں تو بہتری اِسی میں ہے کہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر اللہ کو کثرت سے یاد کیا جائے۔ موت کو زیادہ سے زیادہ یاد کر کے دُنیوی مال واسباب کی محبت سے نجات حاصل کی جائے، لاحول پڑھ کر اپنے آپ کو شیطان کے جال سے چھڑایا جائے۔ صبر وقناعت کی لاٹھی سے نفسِ امارہ کے اژدھے کی سرکوبی کی جائے اور مُرشدِ کامل سے وابستہ ہو کر زنگ آلود دل سے حرص وہوس کا غبار صاف کیا جائے تاکہ دوزخ اور اُس کے عذاب اور آخرت کی بدنصیبی سے نجات مل جائے۔

بی پیر مرو تو در خرابات
ھر چند سکندرِ زمانی
رو خدمتِ پیرِ دُور بین کُن
تا روزِ حساب در نمانی

(ترجمہ) تُم اگر زمانے کے سکندر بھی ہو تو مرشد کے بغیر میخانے میں بھی نہ جاؤ۔ جاؤ اور کسی دُور اندیش مرشد کی خدمت کرو تاکہ قیامت کے دن رُسوائی سے بچ جاؤ۔

اے عزیز! جسم کے پنجرے میں کب تک قید رہو گے اور نفسِ امارہ کی غلامی میں کب تک کمربستہ رہو گے۔ کب تک شیطانی اداؤں پر فریفتہ ہو کر جسمانی لذتوں اور نفسانی شہوتوں میں مبتلا رہو گے اور دُنیا کی فضولیات میں مسرور رہو کر، فانی زندگی پر مغرور ہو کر کب تک مرتبہ ومنصب اور آرام وسکون کے طالب بنے رہو گے۔

دنیا کا معرکہ شیطانوں کی جولان گاہ اور آدمی کی آزمائش کا مقام ہے، تم یہاں نامردوں کی طرح کیوں گھوم پھر رہے ہو؟

شرمت بادا اگر چنین خواهی زیست
ننگت بادا اگر چنین خواهی مُرد

(ترجمہ) ایسی زندگی سے تمھیں شرم آنا چاہیے اور ایسی موت سے تمھیں عار محسوس ہونا چاہیے۔

تم کسی مرشد کے دامن سے کیوں وابستہ نہیں ہوتے اور کسی پیر کامل کی توجہ کے قلعے میں پناہ کیوں نہیں لیتے تاکہ تمھیں اس کی پرواز کے درجات سے حصّہ ملے اور تم اس کی مہربانیوں کی بارش سے فائدہ اٹھا سکو اور آج کے بعد سے خوش قسمتی کا سورج تم پر چمکے اور غیبی نعمت اور لاریبی تجلیّات کے دروازے تمھارے دل کے غنچے کے لیے کُھل جائیں اور تمھارے باطن کی زمین میں ارادت کی روشنی، خوش بختی کے درخت کا بیج بن جائے:

از صحبت پیر برخوری زود
سرمایۂ خدمتش دھد سُود

(ترجمہ) تم پیر کی صحبت سے جلدی فائدہ اٹھاؤ۔ پیر کی خدمت کا سرمایہ تمھیں فائدہ پہنچائے گا۔

اگر اُس علاقے میں کوئی ایسا راہنما مل جائے تو غنیمت جانیے اور اس کی پیروی اور اطاعت کیجیے وگرنہ ہندوستان کا عزم کر لیجیے اور مخدوم زادگان کے آستانے پر پہنچ جایئے کیونکہ کہ وہ حضرات ولایت کے بادشاہ اور بارگاہِ عنایت کے ستون ہیں۔ اُن کی ہمت کا ہُما قُربِ الہیٰ کے کوہِ قاف کی چوٹی کے علاوہ کہیں نہیں بیٹھتا اور ان کی درویشی کا عنقا سدرۂ کبریا کے سوا اور کہیں آسودہ نہیں ہوتا۔ یہ حضرات عالَمِ وحدت کے شاہباز ہیں، ان کا مَشربِ مُحمدی، مذہب حَنفی اور مَسلک نقشبندی ہے۔ یہ قُطبُ الاقطاب اور مُرشدِ زمانہ

ہیں۔

اے بھائی! جو شخص بادشاہوں کے قُرب کا طالب ہوتا ہے، جب تک وہ بادشاہ کے کسی مقرب کو وسیلہ نہیں بناتا، اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اِسی طرح جب تک کوئی طالبِ خدا کسی ایسے پیشوا سے وابستہ نہیں ہوتا، قُربِ الٰہی حاصل نہیں کرسکتا۔ کیونکہ بادشاہوں کی خدمت کے آداب صرف مقربین ہی جانتے ہیں اور قُربِ الٰہی کے بھیدوں سے صرف مرشدِ کامل ہی آگاہ ہوتا ہے۔ جب اللہ کی عنایت ہوتی ہے تو خوش نصیب سالک ایسے مرشد کو ڈھونڈ لیتے ہیں۔ جو اُن کے دلوں کی کھیتی کو نصیحتوں سے سیراب کرتا ہے اور وہ نیکیوں کی طرف مائل ہوجاتے ہیں اور ان کا باطن فیوض وتجلّیات کا مرکز بن جاتا ہے:

اے دریغا! عاشقانِ عہدِ ما
جُملہ درخواب اندوکس بیدار نیست
ازشرابِ وحدت وجامِ حضور
جُملگان مست اندوکس ھُشیار نیست

(ترجمہ) ا۔ افسوس کہ ہمارے عہد کے تمام عُشاق سوئے ہوئے ہیں، کوئی بھی بیدار نہیں ہے۔

۲۔ وحدت کی شراب اور حضوری کے جام سے سبھی مست ہیں، کوئی بھی ہوش میں نہیں ہے۔

اگرچہ بعض علماء نے اُس خرمن سے کچھ حصہ لے لیا ہے اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں اور اُسی پر قناعت کرگئے ہیں، اُنھیں بہت زیادہ ثواب تو ملتا ہے لیکن وہ قُربت کے درجے تک نہیں پہنچتے اور پوری طرح توحید کے اسرار ورموز سے آگاہ نہیں ہوسکتے:

محرمی باید ، برو در بارگاہ

(ترجمہ) محرمِ راز بننا چاہتے ہوتو اندر بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ۔

اے بھائی! آج کل کے کچھ لوگ غفلت کی وجہ سے یہ گمان کرتے ہیں کہ پُرانے بزرگوں اور قدیم مشائخ جیسے اولیائے کرام موجودہ زمانے میں موجود نہیں ہیں۔ اس بنا پر وہ مرشد کی صحبت سے محروم رہ جاتے ہیں اور غفلت ہی میں زندگی گذار دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ نادانی کی وجہ سے ہے۔ اولیائے کرام کو جو کچھ بھی حاصل ہوا ہے، اطاعتِ رسول ﷺ ہی سے حاصل ہوا ہے۔ اطاعت اور ولایت کا راستہ بند نہیں ہوا۔ اللہ کے اسما اور صفات وہی ہیں جنھوں نے قدیم اولیا کی تربیت کی تھی۔ انسانی استعداد بھی اسی طرح موجود ہے۔ عقلمند آدمی جان لیتا ہے کہ یہ سلسلہ رُک نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہر صدی میں کسی مجدّد مرشد کو مُریدوں کی تربیت کے لیے مخصوص فرما دیتا ہے اور اُسے ولایت عطا فرما کر سرچشمۂ ہدایت بنا دیتا ہے۔ پُرانے بزرگوں کے حالات و واقعات کی طرح اس کی خصوصیات اور کرامات بھی مقدور بھر ظاہر ہوتی ہیں:

خورشید نہ مُجرم، ار کسی بینا نیست!

(ترجمہ) اگر کوئی شخص نابینا ہے تو اس میں سورج کا کوئی قصور نہیں۔

لہٰذا سب لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ اپنے زمانے میں ایسے مردِ کامل کو تلاش کریں۔ اُسے ڈھونڈ لیں تو اُس سے وابستہ ہو جائیں تا کہ شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت سے بہرہ یاب ہو سکیں اور قیامت کے دن ندامت و حسرت کی آگ میں نہ جلیں۔ اُس وقت ندامت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا:

گر تُرا عشق است ، پیر آید پدید
قُفلِ درونت را کلید آید پدید

(ترجمہ) اگر تجھ میں عشق موجود ہے تو تجھے پیر مل جائے گا۔ تیرے باطن کے تالے کی کُنجی مل جائے گی۔

بعض اہلِ غفلت جہالت کی وجہ سے اپنے زمانے کے مشائخ کے منکر ہوتے ہیں۔ یہ بدنصیب لوگ ہیں۔ جس میں کامل عقل اور ایمان کا نور ہے، وہ انبیاء اور اولیاء کے حالات کو یاد کرے کہ جو مخالفوں کی شرارتوں سے لمحہ بھر بھی آسودہ نہیں ہوتے تھے:

ای برادر! غلامِ مَردان باش
گردِ ایشان چو چرخ گردان باش
سّرِ حق است ہر ولی بہ جہان
بی گمان سرّ بود زِ عام نہان

(ترجمہ) ا۔ اے بھائی! کامل مردوں کے غلام بن جاؤ۔ اُن کے گرد آسمان کی طرح طواف کرتے رہو۔

۲۔ ہر ولی دنیا میں اللہ کا راز ہوتا ہے اور بے شک راز عام لوگوں سے چُھپا ہوا ہوتا ہے۔

قدیم بزرگوں کے زمانے میں بھی بہت سے ایسے لوگ ہوتے تھے جو ان کے منکر اور غیر مُعتقد ہوتے تھے۔ جب اِن حضرات نے عالَمِ بالا کا سفر اختیار کیا تو اُس وقت بہت سے چاہنے والے جدائی کی آگ میں تڑپنے لگے:

ا۔ شرحِ شان حیف است با اھلِ جہان
ھمچو رازِ عشق باید درنہان
۲۔ لیک گفتم وصفِ شان تا رَہ بَرند
قبل زان کز فوتِ شان حسرت خورند
۳۔ کارِ پاکان را قیاس ازخود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر، شیر

(ترجمہ) ا۔ دنیا والوں کے سامنے اُن کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔ انھیں تو عشق کے بھید کی طرح چُھپانا چاہیے۔

۲۔ لیکن مَیں نے ان کے اوصاف بیان کر دیے ہیں تا کہ لوگ انھیں ڈھونڈ لیں، اِس سے پہلے کہ ان کے فوت ہو جانے پر حسرت زدہ ہوں۔

۳۔ پاک لوگوں کے معاملے کو اپنے جیسا نہ سمجھو۔ لکھنے میں تو شیر (شیر ببر) اور شِیر (دودھ) ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔

پس اے طالبو! کچھ غور کرو۔ جان و دل سے کی جانے والی اِن نصیحتوں کو انصاف کی نظر سے دیکھو۔ طلب کے راستے میں مردانہ وار قدم اٹھاؤ، عشق کے سوا ہر چیز کو خیر باد کہہ دو۔ اپنے آپ کو اِس فانی دنیا سے نجات دلا دو۔

اے اللہ ہمیں استقامت کے راستے پر ثابت قدم رکھ اور ندامت سے بچا۔

دوسرا خط:

اِس میں خود کو ملامت اور دنیا کی مذمّت کی گئی ہے۔ نیز یہ بیان کیا گیا ہے کہ سب کچھ چھوڑ

چھاڑ کر حرمین کا ارادہ کرلیا گیا ہے۔

افسوس ہزار افسوس:

دریغ عمرِ عزیزم بہ این وآن بگذشت

(ترجمہ) افسوس میری پیاری زندگی اِدھر اُدھر کی فضولیات میں گذر گئی۔

نامہربان آسمان کی نارسائیوں کی شکایت کرنا اللہ سے غفلت کی نشانی ہے۔ ہر حال میں راضی رہنا چاہیے۔ اپنی بے توفیقی اور بے حاصلی کا کیا بیان کروں۔ مجھ گناہگار سیاہ کار سے کوئی کام ایسا نہیں ہوتا جو بارگاہِ الٰہی کے قابل ہو اور مجھ نادان سے کوئی ایسا عمل سرزد نہیں ہوتا جو اللہ کی عبادت کے لائق ہو۔ میرے اعمال کا حاصل خود رائی اور ہوس رانی اور میرے روز وشب کا مقصد پیٹ کی پوجا اور اپنے مُنہ میاں مٹھو بننا ہے۔ مَیں نفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہوں۔ میری عبادت میں دِکھاوے کا غلبہ ہوتا ہے اور میری خاموشی میں شیطانی وسوسے ہوتے ہیں۔ اگر کبھی میری زبان پر استغفار کا کلمہ آ جاتا ہے تو دل میں بہت سے گناہوں کی خواہش ہوتی ہے۔ اگر کبھی اتفاق سے نامحرموں کو دیکھنے سے بچتا ہوں تو چشمِ تصور میں بہت سے نامحرموں سے ہم آغوش ہوتا ہوں۔ مَیں بظاہر شریعت اور محبت بلکہ اس سے زیادہ دعویٰ کرتا ہوں لیکن حقیقت میں میرا معاملہ منافقت والا ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ ایسے دعوے کا کیا صلہ اور ایسے معاملے کا کیا اجر ہوسکتا ہے؟ مَیں اور گناہگاروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ گناہگار ہوں۔ جس شخص نے یہ چند روزہ زندگی اللہ کی ناپسندیدہ چیز یعنی دُنیا کے لیے دوڑ دھوپ میں لگا دی ہو اور فضول کاموں میں ضائع کر دی ہو، اُس سے زیادہ بُرا کوئی نہیں ہوسکتا۔ دنیا میں اُس سے زیادہ کوئی گناہگار نہیں ہوتا ایسے شخص کی کوئی عاجزی قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ ہاں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اپنی رحمت کے

سائے میں لے لے تو اس کی نجات ممکن ہے۔

حضرت رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ عبادت اور مناجات کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دل و جان سے ان کے آداب سیکھنے کی کوشش کرے۔ ظاہری و باطنی خشوع اختیار کرے۔ دل کے آئینے سے غیر اللہ کے نقوش اور دل کی تختی پر سے غیروں کی محبت مٹا دے۔ اگر اُسے تکلف کر کے غیر اللہ کی یاد دلائی جائے، تب بھی اُسے یاد نہ آئے، پس افسوس ہے اُس شخص کے حال پر جس نے ماسوا کو دل میں بسایا ہوا ہو اور گھٹیا دُنیا کے مسائل میں اُلجھا ہوا ہو، وضو بھی پریشانی اور بے چینی کی حالت میں مکمل کرتا ہو اور پنجگانہ نمازیں بھی، جو پچاس نمازوں کا خلاصہ ہیں، شیطانی وسوسوں میں ادا کرتا ہو، نہ اس کا وضو، وضو ہے اور نہ اس کی نماز، نماز ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ: ''اَقِمِ الصَّلوٰةَ لِذِكْرِی'' [۲۰/۱۴] (میرے ذکر کے لیے نماز قائم کرو) اور ''لاَ صَلوٰةَ اِلَّا بِحَضُوْرِ الْقَلْبِ'' (دل کی حضوری کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی) جس کی یہ حالت ہو، اس کی صورتِ حال پر ماتم ہی کرنا چاہیے:

خَبَرم باز رسانید بہ مُرغانِ چمن
کہ ہم آوازِ شما در قَفَسی افتاد است

(ترجمہ) چمن کے پرندوں کو میری خبر دیجیے کہ تمھارا ہم نوا پنجرے میں پھنس گیا ہے۔

دنیا کی فانی خواہشوں اور تعلّقات کو اپنا محبوب بنا لینا اور اَبدی و سرمدی جہان کو گنوا دینا عقل مندوں کا شیوہ نہیں ہے۔ آج اگر یہ چند سانسیں بھی اللہ کی دُھتکاری ہوئی دُنیا کی بھاگ دوڑ کی نذر کر دی جائیں گی تو کل قیامت کے دن کس زبان سے معافی مانگی

جائے گی؟

ننگم بادا اگر چنین خواہم زیست
شرمم بادا اگر چنین خواہم مُرد

(ترجمہ) اگر مَیں اِس طرح جیوں تو میرے لیے باعثِ عار ہے اور اگر مَیں اِس حالت میں مَروں تو میرے لیے شرمندگی ہے۔

غفلت، بدنصیبی اور حماقت کی انتہا یہ ہے کہ موت اور قیامت ایسی قطعی اور سامنے کی حقیقتیں ہیں جن سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا اور اہلِ غفلت نے ان سے رُوگردانی اختیار کررکھی ہے اور بیہودہ کاموں میں مشغول ہیں۔ کیا انھیں معلوم نہیں کہ آج یا کل وہ موت کا شکار ہوں گے اور فنا کی لُو ان کی خوشیوں کے باغوں کو ویران کردے گی؟ ان کی زندگی کا حاصل خاک میں مل جائے گا۔ ان کی شیرینی، تلخی میں بدل جائے گی۔ اس وقت پشیمانی اور ندامت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس صورتِ حال سے اپنی پناہ میں رکھے!

موت سے پہلے یہ فرصت غنیمت ہے، اِس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ہمیں آج ہی امرونہی کے احکام کی تلخی برداشت کرلینی چاہیے۔ یہ تلخی ہی درحقیقت شیرینی ہے۔ ہمیں تمام مسائل چھوڑکر، گھربار اور مال ودولت سے بے نیاز ہوکر ہندوستان کا رخ کرنا چاہیے تاکہ وہاں کے حضرات اور درویشوں کی خدمت میں حاضری ہوجائے۔ ہمارے زنگ آلود سینے اُن کی لطیف نصیحتوں کے صیقل سے چمک اٹھیں اور ہمارے دل ان کی توجّہ کے طفیل غیر کی محبت سے پاک ہوجائیں۔ ہمیں اپنی نافرمان پیشانیاں حَرَمَین شریفین کے صُفّہ باصفا سے رگڑنی چاہئیں تاکہ ہم منزلِ مقصود تک پہنچ سکیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہدایت اور توفیق دینے والا ہے:

بردوشِ خود این سرِ پُرسودا را

برداشتہ ایم تا: کجا می افتد

(ترجمہ) ہم اپنے کندھوں پر یہ سودائی سر اُٹھائے پھرتے ہیں۔ دیکھتے ہیں یہ کہاں گرتا ہے!

من نہ بہ اختیارِ خود می رَوَم از قفایِ او

آن دو کمندِ عنبرین می بَرَدَم کشان کشان

(ترجمہ) مَیں اپنی مرضی سے اُس کے پیچھے پیچھے نہیں جا رہا۔ اُس کی مہکتی ہوئی زلفوں کی دو کمندیں مجھے کھینچے لیے جاتی ہیں۔

یک جذبہ زِ حق آمد و دل بُرد بہ غارت

مجنون چہ کُند، این کشش از جانبِ لیلیٰ ست

(ترجمہ) اللہ کی طرف سے ایک کشش نے آ کر دل لوٹ لیا۔ مجنوں کیا کرے؟ یہ کشش لیلیٰ کی طرف سے ہے۔

خاتمہ

حضرت سیّد آدم بنوریؒ کے بعض عرفانی مکتوبات وملفوظات

اور ضروری نصائح کے بیان میں:

مکّہ شریف میں حضرت سیّد آدم بنوریؒ کے بعض خطوط بیس سال بعد میری نظر سے گذرے جن میں علوم وعرفان اور بہت سی نصیحتوں کا بیان ہے اور کسی نہ کسی حوالے سے ضمناً آپؒ کے بعض خلفاء اور درویشوں کی تعریف بھی ہے۔ اس باب کی مناسبت سے مَیں آپؒ کے بعض خطوط بعینہ نقل کرتا ہوں اور بعض مکتوبات کا لُبِّ لباب لکھتا ہوں۔

ان میں سے ایک خط میراں سیّد علی اور سیّد عبدالرحمان کے نام ہے:

''سلام کے بعد تاکید ہے کہ آپ کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے جیسا کہ روبہ رو بھی کہی گئی تھی کہ عقیدۂ شرعی پر سچے دل سے اعتقاد رکھیں۔ اللہ کے ذکر میں اِس طرح مشغول رہیں کہ اُس معبودِ حقیقی کی عظمت نظر میں رہے اور اپنی مکمل بندگی کا احساس ہوتا رہے اپنے علم پر قناعت کرتے ہوئے جلوت اور خلوت میں ذکر کرتے رہیں۔ اگر حقیقی بندگی اور فقر کا مرتبہ حاصل ہوجائے تو یہ بہت بڑا درجہ ہے۔ اشیاء کی حقیقت اسی کے ذریعے سمجھی جاسکتی ہے۔ اشیاء کے حقائق عارفانِ زمانہ میں مشہور ہیں۔ بلکہ یہ عرفان اُمتیوں ہی کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے۔

مَیں نے آپ حضرات پر اپنے کمال کی کوئی حقیقت اِس لیے ظاہر نہیں کی کہ آپ اپنے کمال سے مطمئن اور اُسی پر قانع ہیں۔ مَیں نے کمالِ شریعت کی حقیقت کے سلسلے میں ایک بات عرض کی تھی کہ ہر صوفی کی ذات اور صفات اور اس کو عطا ہونے والی ہر چیز بے

شک اعلیٰ ترین درجے ہی کی کیوں نہ ہو، عالمِ شہادت سے تعلق رکھتی ہے۔ پس عالمِ شہادت میں عالمِ غیب سے شہود ہوتا ہے، فی نفسہٖ غیب حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا عالمِ غیب فی نفسہٖ مکشوف نہیں ہوتا۔ پس ایسے بحث مباحثے کے دوران بہت احتیاط کرنی چاہیے کہ تنزلات اور تبدّلات کا تعلق فی نفسہٖ غیب سے ہے۔ اہل کشف کا یہ خیال دوسروں کے لیے ماننا ضروری نہیں ہے۔ یہ تو شریعت کے قطعی عقائد کے خلاف ہے! اور جن حضرات کو ایسا کشف ہوتا ہے وہ خود معذور ہیں۔ حقیقت شریعت کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ یہ مرتبہ امّت کے کچھ افراد کو مدّتوں کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ جب کہ یہ مشہور عرفان اکثر لوگوں کو حاصل ہو جاتا ہے۔ آج کے اِس زمانے میں، سُنی سنائی باتوں کے علاوہ، کم وبیش ہزاروں لوگوں کو کشف کا یہ مقام حاصل ہوگا۔ خود میرے ساتھیوں میں سے تقریباً ایک ہزار لوگ کچھ ہی عرصہ پہلے اِس کشف کے مرتبے میں پہنچے ہیں اور مروّجہ اصطلاح کے مطابق وحدت الوجود کے قائل ہوئے ہیں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ان میں سے تقریباً ایک سو ساتھی اِس درجے سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ اگر چہ ہم خود کچھ بھی نہیں ہیں لیکن اللہ کے کرم سے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔

اِن دنوں اِس علاقے میں، امان اللہ کے مریدوں میں سے پچّاس کے قریب لوگ وحدت الوجود کی کیفیت میں مشہور ہوئے ہیں لیکن اِس مرحلے سے آگے بڑھنا کم ہی خوش نصیبوں کے مقدّر میں ہوتا ہے۔ یہ خط اختتام تک دو صفحوں پر مشتمل ہے۔

میر مقصود جامی کے خط میں ایک خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اب تک تقریباً دو سو ساتھیوں نے بڑی تیزی سے ذکرِ قلبی کی منزل حاصل کر لی ہے۔ ان میں سے ایک میر کامران بیگ مغل ہیں۔ وہ بڑے باصلاحیّت اور کامل تھے۔ جس

روز آئے تھے، اُسی دن دو گھڑی وقت بھی نہیں گذرا تھا کہ مطلوبِ حقیقی کے مشاہدے سے مشرف ہو گئے تھے۔ اِسی طرح شیخ اسماعیل پنجابی جو آج کل سرہند میں شیخِ کامل ہیں، کمال صلاحیت کے حامل تھے اور عبادات و ریاضات کا ذوق رکھتے تھے۔ پہلی ہی ملاقات میں اُن کا معاملہ بھی انتہا کو پہنچ گیا۔ داود خان چار دنوں میں اور شیخ نظام الدّین ملتانی تین دنوں میں شہود کے مرتبے کو پہنچ گئے اور چھ ماہ مکمل ہونے سے پہلے اس سے بھی اعلیٰ مدارج پر فائز ہو گئے تھے۔ اسی طرح شیخ محمد باطن نے ایک ماہ میں شہود و مشاہدہ کا مرحلہ طے کر لیا اور دیگر احوال و تصرفات حاصل کر کے معارفِ تنزیہی تک پہنچ گئے۔ اِن دونوں عزیزوں کو اسی ماہ شعبان ۱۰۴۶ھ میں خلافت و اجازت دے کر رخصت کر دیا گیا۔

ساتھیوں کے نام کہاں تک لکھے جائیں۔ اِن سے پہلے بھی کئی دوسرے ساتھی تھوڑی مدّت میں، بعض تین چار سال کے عرصے میں مرتبۂ کمال کو پہنچے ہیں اور آج مختلف علاقوں میں ہزاروں لوگ ان سے فیض پا رہے ہیں۔

ذرا خیال فرمایئے کہ طریقت کے سلسلے میں کئی ہزار لوگ مجھ سے وابستہ ہیں اور ہر ایک پر اُس کی صلاحیّت کے مطابق توجّہ کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے توجّہ کا ایک خاص اور نیا طریقہ القا فرمایا ہے اور جب مَیں ساتھیوں کے حلقے میں بیٹھتا ہوں تو سب پر اُس طریقے کے مطابق ایک ہی توجّہ کرتا ہوں۔ سب کو اُسی جامع توجّہ سے طرح طرح کا فیض حاصل ہوتا ہے۔ اُن میں مُبتدی بھی ہوتے ہیں، مُتوسط بھی اور مُنتہی بھی۔ ہر شخص کو اُس کی صلاحیّت اور رُجوع میں اِخلاص کے مطابق فائدہ پہنچ جاتا ہے اور مَیں تشویش سے فارغ رہتا ہوں۔

جب مَیں نے یہ عمل شروع کیا اور ساتھیوں میں اِس کے اچھے اثرات ظاہر ہونے

لگے اور وہ خود اس کا بیان بھی کرنے لگے تو مَیں نے مستقل طور پر اِسی طریقے پر عمل شروع کر دیا۔ عام لوگوں میں جو کشف و کرامت مشہور ہے، وہ مجھ میں باقی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ مجھ فقیر کو اُس نے حُضُوری کے کس مرتبے پر رکھا ہوا ہے۔

یہ جو آپ نے خواب میں دیکھا ہے کہ بعض ساتھی، لوگوں کے گنّے کاٹ کر لائے ہیں لیکن کھا نہیں سکے اور آپ کو خیال آتا ہے کہ وہ میرے شرم وحیا کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکے، اِس کی دو تعبیریں ہو سکتی ہیں:

ایک تو یہ کہ چند دن پہلے کچھ نامعقول لوگ ناحق بُرا بھلا کہنے کی نیّت سے آئے تھے لیکن اُنھیں اپنی خباثت کے مطابق زبان درازی کا موقع نہیں ملا۔ بعض کے ساتھ مَیں نے بات چیت بھی کی۔ اُمیّد ہے اُن میں سے کچھ کا دل صاف ہو گیا ہوگا۔ بعض لوگ ناحق زبان درازی کر کے ہمیں تکلیف دینا چاہتے ہیں لیکن ہم بزرگوں کی توجّہ کے طفیل اُن کے شرّ سے محفوظ رہتے ہیں اور ایسا کئی بار دیکھا گیا ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ شیاطین جو سالکوں کے راہزن ہیں، گویا سالکوں کو کاٹ کر کھا جاتے ہیں اور اپنی کارستانی پر خوش ہوتے ہیں۔ لیکن چوں کہ میری محفل میں شیاطین کا بس نہیں چلتا اور وہ اپنے مقصد میں ناکام رہتے ہیں، اس لیے مَیں نے شیاطین کو اکثر اپنے آپ پر غضب ناک دیکھا ہے۔ اِن دنوں ایک عجیب واقعہ ہوا۔ مَیں باطنی تربیت دیتے ہوئے ایک سالک پر پورے تصرّف سے توجّہ ڈال رہا تھا۔ اِس دوران مَیں نے اُسے شیطانی پھندوں میں گرفتار دیکھا تو اُسے حفاظتِ الٰہی کے حوالے کر دیا۔ اُسی وقت شیطان اُس کے بائیں پہلو میں مجسّم دکھائی دیا۔ وہ غصّے اور حسرت سے مجھے کہہ رہا تھا کہ تمھارے ہاتھوں ہم پر بھاری مصیبت ٹوٹتی ہے۔ یہ جملہ کہہ کر وہ غائب ہو گیا۔

یہ جو آپ نے دیکھا ہے کہ مَیں انتہائے کمال کو پہنچ گیا ہوں تو یہ ایمانِ کامل کا اثر ہے۔ آپ قلبی اور رُوحانی صَفا اور جِلا حاصل کیجیے۔

جان لیجیے کہ آپ کے خلوص اور حُسنِ ظن کی وجہ سے بعض راز کی باتیں آپ کو لکھی جا رہی ہیں۔ میرے نزدیک یہ باتیں معمولی ہیں۔ مَیں ناقصوں کے سامنے اِن کا اظہار نہیں کرتا ہوں کہ وہ اِسے خودنمائی سمجھتے ہیں۔ اکثر ساتھی گواہ ہیں کہ مَیں خلوت اور جلوت میں تہِ دل سے اعتراف کیا کرتا ہوں کہ مَیں اپنے نفس کا قیدی ہوں اور میرے اعمال ناقص اور بے کار ہیں۔ مَیں اپنے اعمال کو کچھ بھی نہیں سمجھتا ہوں۔ مجھ میں جو کچھ بھی ہے۔ اللہ کا فضل و کرم ہی ہے۔

بہت سے صوفیا نے خواب اور بیداری میں، سفر اور حَضَر میں میرے بارے میں عجیب و غریب خواب اور بشارتیں ملاحظہ کی ہیں۔ انھیں میرے کئی تصرفات دِکھائی دیے ہیں لیکن بخدا مَیں نے آج تک کسی کو اپنے احوال نہیں لکھے ہیں۔

مکتوب بنامِ برادرِ رُوحانی مولانا شیخ یوسف:

فقیرانہ سلام کے بعد واضح ہو کہ میرے حالات قابلِ شکر ہیں۔ بھائیوں کی سلامتی اور استقامت کا طالب ہوں۔ اللہ تعالیٰ یہ دعا قبول فرمائے۔

باقی عرض ہے کہ شیخ جمال اور محمد خان نے چند دن میری صحبت میں گزارے ہیں اور سلوکِ طریقت کا فیض پایا ہے۔ رخصت ہوتے وقت اِنھوں نے درخواست کی کہ مَیں آپ کو اِن کی سفارش لکھ دوں۔ جب آپ رخصت ہو رہے تھے تو مَیں نے آپ سے کہا تھا کہ کسی معاملے کو بھی اپنی نسبت سے نہ دیکھیے گا۔ جو بھی دیکھیے، یہی جانیے کہ اللہ کی طرف

سے ہے۔ یہاں تک کہ ذاتِ باری غالب آجائے۔ کسرِ نفسی کی اِس حالت میں اگر احسن طریقے سے مریدوں کی خدمت اور تربیت کی جاسکے تو بڑی سعادت کی بات ہے۔ واضح ہے کہ ان کی سب سے بڑی خدمت یہی ہے کہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے، غیروں سے اُن کا تعلّق ٹوٹ جائے اور وہ معرفتِ حقیقی حاصل کر کے صفائے قلب کے مرتبے کو پہنچ جائیں۔ لہٰذا سالکانِ حق سے صحبت ضروری ہے۔ ہر شخص کے عقل کی مقدار اور اپنی نورانی قوّت کے مطابق سب سے بات چیت کیا کریں اور اپنے آپ کو خلوت اور جلوت میں، خاموشی اور گفتگو کے دوران، مراقبۂ حقیقی میں مصروف رکھیں۔

مصنّف لکھتا ہے کہ اخوند مُلّا یوسف مرحوم ۱۰۴۰ھ میں پشاور میں درس و تدریس کیا کرتے تھے اور بڑے عالم تھے۔ مَیں، شیخ محمد صدّیق اور مُلّا حسن علی اُن کے اہم شاگردوں میں سے تھے۔ آپؒ بیان کرتے تھے کہ جہانگیر بادشاہ کی حکومت کے ابتدائی دنوں میں ہم لاہور میں علم حاصل کرتے تھے۔ فقر و فاقہ سے بُرا حال ہو جاتا تھا تو مجبوراً راتوں کو گداگری کیا کرتے تھے۔ اُن دنوں لاہور میں قحط تھا۔ ہمیں دس گھروں سے پانچ لقمے بھی نہیں ملا کرتے تھے۔ بہر حال ہم نے قناعت کی اور تعلیم مکمل کر لی۔ اب دس سال سے پڑھا رہا ہوں۔ بغیر کسی طلب کے اِتنی دولت ملی ہے کہ امیر ہو گیا ہوں۔ بے شک یہ اُس صبر و قناعت اور غناو فراغت ہی کا نتیجہ ہے۔

آپؒ کے شاگردوں میں سے سب سے پہلے مُلّا عثمان، ملّا حسن علی، شیخ محمد صدّیق اور محمد امین بدخشی نے صوفیا کا راستہ اختیار کیا۔ بعد میں خود ملّا یوسفؒ بھی صوفی ہو گئے۔ لیکن آپؒ پہلے کشمیر میں ملّا شاہ بدخشیؒ کی خدمت میں گئے۔ ریاضت کی اور رسمی توجّہ لے کر حضرت آدم بنوریؒ کی خدمت میں آئے۔ شروع شروع میں حضرت شیخ بنوریؒ

سے بحث مباحثہ کرتے رہے۔ دو تین ماہ مناظرے میں لگ گئے۔ آخر کار آپؒ سے بیعت ہو کر مطمئن ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد انھیں خلافت عطا ہوئی اور آپ نے وطن میں جا کر شریعت اور طریقت کے فروغ کا سلسلہ جاری کیا۔ دوسری مرتبہ انتہائی محبت اور محویّت کے عالم میں بنّور آئے اور طریقت کی تکمیل کی۔ حضرت شیخؒ نے آپؒ کو اجازتِ مطلق عطا فرمائی۔ آپؒ پشاور اور اس کے گرد و نواح میں مرشدِ کامل تھے۔ ۱۰۷۰ھ کے قریب وفات پائی۔

مکتوب:

برادرِ روحانی سیّد عبدالکبیر نے بہت اظہار کیا کہ سیّد عالم کو صفائے باطنی حاصل ہے۔ جان لیجیے کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا ہے کہ اِس راستے کی طلب کا جذبہ بہت بڑی دولت ہے۔ اگر صرف اِتنا ہی ہو کہ تھوڑی دیر دل سے اہلُ اللہ کی باتیں سُنی جائیں تو بھی سعادت ہے۔ ایسے شخص کی تربیت کرنی چاہیے اور اُس کی حوصلہ افزائی ضروری ہے تاکہ اُس کی گرم جوشی میں کمی نہ آئے۔

برادرم عبدالکریم کو طریقہ وسلوک اور صفائے باطن کے حصول کی تربیت اور اجازت دی گئی ہے۔ آپ تجدیدِ وضو یا غسل کر کے خلوت میں اِن سے تربیت لیا کریں۔ آپ اِن سے جو کچھ بھی سیکھیں، جو کچھ بھی سُنیں، اسے میری طرف سے ہی جانیں۔ عجز و نیاز اور خلوص و محبت سے یہ سفر جاری رکھیں۔ خلوت اور جلوت میں کسی لمحے بھی نفس سے غافل نہ ہوں۔ جس کی طبیعت میں بھی آدمیّت ہے وہ اِس راستے میں کمال کا طالب ہے۔ عُمر گذرتی جاتی ہے۔ عاشق کے لیے ضروری ہے کہ ثابت قدمی سے معشوق کا حکم

مانے اور ہرگز اس کی خلاف ورزی نہ کرے۔سب سے پہلے سچّے دل سے توبہ ضروری ہے۔اس کے بعد رزقِ حلال کا اہتمام کیا جائے۔دنیا اور اہلِ دنیا کو حقیر سمجھے۔باطنی سلوک کے راستے میں بڑی احتیاط سے، دی گئی تلقین کے مطابق چلتا رہے اور سچّی ہمّت اور محبّت کو پیشِ نظر رکھے:

کسی کہ عشق ندارد، خُداش راضی نیست
هزار سال عبادت کُند ، نمازی نیست

(ترجمہ) جو شخص عشق سے محروم ہے، اُس سے اللہ راضی نہیں ہے۔ایسا شخص اگر ہزار سال بھی عبادت کرے تو صحیح معنوں میں نمازی نہیں کہلا سکتا۔

مکتوب:

برادرم سید عالم کوشش فرمائیں کہ کچھ سلوک اور صفائے قلبی حاصل کرلیں کیوں کہ وقت گذرتا جاتا ہے۔مردانگی اور بہادری یہ ہے کہ نفسانی خواہشات کی سرکشی کے سامنے ہتھیار نہ ڈالے جائیں اور ہمّت کر کے بہادروں اور عقل مندوں کا راستہ اختیار کیا جائے تاکہ کل قیامت کے دن اللہ والوں میں شمار ہو جائے۔اگر برادرم سیّد کبیر موجود ہوں تو ان کی صحبت غنیمت جانیں۔اُن سے باطنی تلقین حاصل کریں اور اس پر عمل کریں۔اِس راستے میں جو کچھ بھی حاصل ہو جائے، ہزار غنیمت ہے۔لوگوں کی باتوں کو اہمیت نہ دیں اور ہر وقت استفادہ کرتے رہیں کیوں کہ جو دن بھی خالی گذر گیا، دوبارہ ہاتھ نہیں آئے گا۔موقع غنیمت جاننا چاہیے۔ایسا کام کیا جائے جو آخرت میں فائدہ دے اور قیامت کے دن شرمندہ نہ ہونا پڑے اور عذاب سے جان بچ جائے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے پناہ دے!

اختتامِ خاتمہ

حضرت شیخ آدم بنّوریؒ کے سفرِ حرمین اور سفرِ آخرت کے مختصر حالات کے بیان میں:

اگر چہ مَیں نے یہ واقعات دس جزوں میں لکھ دیے ہیں لیکن اب مناسب معلوم ہوتا کہ کہ اُن کا خلاصہ اِس "مناقبِ آدمیّہ" کے آخر میں شامل کر دیا جائے۔ قارئین اگر ضروری سمجھیں تو اِس کے ساتھ کرامات اور فوائد وتنبیہات وغیرہ بھی شامل کرلیں کیونکہ ان کے بہت فائدے ہیں۔

جان لیجیے کہ حضرت سیّد آدم بنّوریؒ ۱۰۵۱ھ میں بال بچّوں اور ایک سو اکابر مُریدوں کے ساتھ، برسات کے موسم میں بنّور سے پیدل روانہ ہوئے۔ آپؒ نے انتہائی عاجزی اور استغراق کی حالت میں کعبے کی زیارت کی۔ ہندوستان کے مختلف شہروں میں عالموں اور نیک لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ بہت سے لوگ آپؒ کے مُرید ہوئے۔ کئی حضرات آپؒ کی کیفیات اور علوم ومعارف سن کر لطف اندوز ہوئے۔ مشائخِ کرام سے ہونے والی گفتگوئیں مَیں نے کتاب "سفرِ برّی وبحری وحرمین" میں لکھی ہیں۔

جب آپؒ سورت کی بندرگاہ میں جہازِ خضری میں سوار ہوئے تو فرمانے لگے:
"مجھے اِس جہاز میں تاریکیاں دِکھائی دے رہی ہیں۔ یہ سلامتی سے پہنچ جائے تو تعجب ہے"
آپؒ کا یہ مکاشفہ اِس طرح صحیح ثابت ہوا کہ پہلی منزل میں جہاز رُک گیا۔ طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھا کر پچیس دنوں بعد بندرگاہِ مخا سے گذرے اور جدّہ کی طرف روانہ ہوئے۔

لوگ خوش اور آپؒ افسردہ تھے کہ خواب میں حضرت رسولِ کریم ﷺ کی زیارت ہوئی ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ جہاز غرق ہو جائے گا۔ یہ سانحہ جہاز میں موجود لوگوں کی شامتِ اعمال کی وجہ سے پیش آئے گا۔ حضرت بنّوریؒ فرماتے تھے کہ مَیں یہ سُن کر ڈر گیا تو حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ "بیٹے خوفزدہ اور اداس نہ ہو کیونکہ مشائخ کو ایسی آزمائشوں میں سے گذرنا پڑتا ہے"۔

جہاز بندرگاہِ کامران کے پاس غرق ہو گیا۔ لوگ بچ گئے لیکن ان کا ساز و سامان ضائع ہو گیا۔ زانیوں، شرابیوں اور ظالموں میں سے کچھ ڈوب مرے اور کچھ کو حج کی سعادت نصیب ہو گئی۔ بعض لوگوں کو یمن کے حُکّام نے قید کر لیا۔ گناہگاروں کی شامتِ اعمال کے نتیجے میں نیک لوگ بھی گرفتار ہو گئے۔

بندرگاہِ کامران کے افسران حضرت شیخؒ کے معتقد ہو گئے اور اُنھوں نے آپؒ کو قنفذہ کی بندرگاہ تک پہنچایا۔ وہاں سے عرفات تک بارہ منزلوں کا فاصلہ تھا اور حج میں چھ دن باقی رہ گئے تھے۔ فاصلہ زیادہ تھا، دن تھوڑے تھے اور اونٹ مِل نہیں رہے تھے۔ اِن حالات میں حضرت شیخؒ اور آپؒ کے ساتھی دل گرفتہ تھے۔ آپؒ نے لوگوں کو اونٹوں کے حصول کے لیے حاکموں کے پاس بھیجا۔ حاکموں نے جواب دیا کہ حج کے تمام قافلے روانہ ہو چکے ہیں اور اونٹ موجود نہیں ہیں۔ یہ سُن کر آپؒ نے ساتھیوں سے کہا کہ جو لوگ پیدل سفر کر سکتے ہیں، وہ عرفات چلے جائیں کیونکہ ہم بال بچّوں والے اور بوڑھے لوگ تو نہیں جا سکتے۔ یہ کہہ کر آپؒ افسردگی کی حالت میں گھر چلے گئے اور تمام ساتھی غمزدہ ہو کر کہنے لگے کہ افسوس کہ مال و دولت بھی ضائع ہو گیا اور حج بھی نصیب نہ ہوا۔ واپس گھر پہنچنے میں دو سال لگیں گے اور خالی ہاتھ ہونے کی مصیبت الگ ہوگی۔ سب ساتھی اِس طرح کی دُکھ

بھری باتیں کر رہے تھے کہ اچانک حضرت شیخؒ خوشی خوشی باہر تشریف لائے اور فرمایا: ''مَیں اسی رنج وغم کی حالت میں سو گیا تھا۔ خواب میں حضرت سرورِ کائنات ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ بھی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''ساتھیو! ان لوگوں کو جلدی حج پر پہنچاؤ''۔ صحابہؓ میں حضرت عمرؓ زیادہ زحمت فرما رہے ہیں اور ہمارے سفر کا بندوبست کر رہے ہیں۔ اِسی خوشی میں مَیں بیدار ہو گیا ہوں۔ اب بظاہر تو کچھ بھی سامنے نہیں ہے لیکن یقین ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مدد آن پہنچے گی۔ مَیں اِسی خوشی میں باہر آ گیا ہوں اور ساتھیوں کو بشارت دے رہا ہوں''۔

بعض ساتھیوں کو یہ بات عجیب لگی کہ حاکموں نے بھی کوشش کر لی مگر اونٹ نہیں ملے۔ عرفات دُور ہے اور دن بہت کم ہیں۔ حج کیسے نصیب ہو گا؟ ان ساتھیوں نے سوچا کہ یہ بشارت بس خیالی ہی ہے! اچانک حاکموں نے آ کر کہا کہ جلد تیار ہو جایئے کچھ اونٹ مل گئے ہیں۔ اِسی خوشی میں سب لوگ جلدی جلدی تیار ہو گئے۔ سامان وغیرہ لاد کر اونٹوں پر روانہ ہوئے۔ رات دن سفر کرتے ہوئے ۹۔ ذوالحجہ کو عرفات میں پہنچ گئے۔

اُس وقت بخارا کے بادشاہ امام قُلی خان اور روم اور شام کے اُمَراء سمیت تقریباً چھ لاکھ حاجی عرفات ٹھہرے ہوئے تھے کہ عصر کے وقت بارش ہو گئی۔ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ بیس برسوں سے عرفات میں بارش نہیں ہوئی تھی، اب اِن نیک لوگوں کے طفیل قبولیت کے آثار ظاہر ہوئے ہیں اور ہم سب کے حج قبول کر لیے گئے ہیں۔

اس کے بعد مزدلفہ اور منیٰ کے اعمال بجا لا کر بیتُ اللہ کے طواف کے۔لیے روانہ ہوئے۔ وہاں آپؒ نے کئی بشارتیں بیان کیں اور کعبہ کے معارف بیان فرمائے۔ نیز آپؒ نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے، کعبے کی حقیقت اور ماہیت سے مجھے مطلع

کر دیا۔ تا کہ طالبانِ کعبہ بصیرت سے کام لیں اور فائدہ اُٹھائیں۔ جو شخص کعبے سے کوئی نتیجہ حاصل کرنا چاہتا ہے، اُسے چاہیے کہ اس کی حقیقت اور ماہیت سے باخبر ہو کر، اس کی روحانیت کی طرف متوجّہ ہو تا کہ برکات اور رشد و ہدایت حاصل کر سکے"۔

حج اور زیارتوں کے دوران آپؒ نے کئی بشارتیں اور مکاشفے بیان کیے۔ اُن میں سے کچھ چیزیں نتائجُ الحَرَمین کے بابِ بشارات والہامات میں لکھ دی گئی ہیں۔

اِس کے بعد حضرت سیّد آدم بنّوریؒ چھ ماہ مکّہ مکرّمہ میں ٹھہرے رہے۔ اس عرصے میں آپؒ نے بہت سے الہامات، بشارتیں اور روحانی اسرار و رموز بیان کیے اور تفسیر سورۂ فاتحہ و تصوّف تحریر فرمائی۔ مخالفین کہتے کہ: "اے شیخ! جلدی مدینہ شریف جایئے کیوں کہ عاشق لوگ جلد مدینہ منوّرہ چلے جاتے ہیں"۔ آپؒ فرماتے: "ہم وطن سے رخصت ہو کر آگئے ہیں۔ زندگی کا آخری حصّہ مدینہ شریف ہی میں مقیم رہنے کی نیّت ہے۔ ابھی طوافِ بیتُ اللہ غنیمت ہے"۔

ماہِ رجب کے قریب آپؒ مدینہ منوّرہ حاضر ہوئے۔ راستے میں آپؒ کو آنحضرت علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف سے بہت سی بشارتیں ملیں۔ آپؒ نے فرمایا: "اگر قافلے میں دس سے زیادہ لوگ شامل ہوئے تو نبی کریم ﷺ خود قافلے کا استقبال فرمائیں گے۔ اگر دس سے کم لوگ ہوئے تو پھر آنحضرت ﷺ کے نمائندے استقبال کے لیے آئیں گے"۔

سفر کے دوران حضرت شیخؒ پر برکات کی خوب بارش ہوئی اور آپؒ کو بڑے اِعزاز و اِکرام سے بارگاہِ رسالت ﷺ میں لے جایا گیا۔ راستے میں رقّتِ قلب، شدّتِ شوق اور کثرتِ بَرَکات کا غلبہ رہا۔ آپؒ کثرت سے درود شریف پڑھتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔

ذی الحلیفہ پہنچے تو سُنتِ رسول ﷺ کے مطابق پہلے مسجدِ قُبا میں جا کر زیارت کی اور پھر مدینہ شریف کی طرف رواں ہوئے۔ راستے میں نمازیں ادا کرتے ہوئے مدینہ منوّرہ پہنچ گئے۔ آداب بجالائے۔ روضہ رسولؐ میں مواجہہ شریف کے سامنے سلام و نیاز عرض کیے۔ آنحضرت ﷺ کی طرف سے آپؒ نے سلام کا جواب بھی سُنا اور حضور نبی کریم ﷺ کے مصافحے سے بھی مشرّف ہوئے۔ آپؒ نے فرشتوں کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ: "ایسے بزرگ یہاں کم ہی آئے ہیں!" رہائش گاہ پر پہنچ کر آپؒ نے تمام ساتھیوں سے خصوصی مصافحہ کیا اور توجّہ دی۔ بہت سے لوگوں نے آپؒ سے بیعت کر کے باطنی فیض پایا۔

بعض مخالفوں نے حسد کے مارے کئی بار آپؒ سے بحث مباحثہ کیا اور توہین کرنی چاہی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ آپؒ کی مخالفت اور مناظرے کی تفصیل مَیں نے دوجزو میں الگ لکھی ہے۔

چند دنوں بعد آپؒ نے ساتھیوں سے کہا کہ میری وفات قریب ہے۔ میرے لیے جنّت البقیع میں کوئی قبر تلاش کرو تاکہ اُسے حلال کی رقم کے عوض خرید لیا جائے اور اس میں تدفین ہو۔ ساتھیوں نے قبر کی زمین خریدنے کے لیے بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ بتایا گیا کہ قبرستان کی ساری زمین وقف ہے، فروخت نہیں کی جاتی۔ مجبور ہو کر آپؒ نے حضرت عثمان غنیؓ سے قبر کی جگہ مانگی۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے قریب ہی جگہ عطا فرمادی۔ آپؒ بے حد خوش ہوئے۔

بعد میں آپؒ مدینہ کے کنوؤں کی زیارت کرنے گئے۔ چاہِ عروس پر پہنچے تو اس کا پانی پیا اور فرمایا: "وفات کے بعد مجھے اِس کنوئیں کے پانی سے غُسل دیجیے گا"۔ اپنی وفات کے بارے میں آپؒ کثرت سے خبریں دیتے رہے۔ ہندوستان میں ساتھیوں سے رخصت

ہوتے ہوئے بھی آپؒ یہ شعر پڑھتے رہے تھے:

اَلوداع ، اَی دوستانِ ! ما رَختِ خود برداشتیم

برشما بادا مبارک ، آن چہ ما بگذاشتیم

(ترجمہ) الوداع اے دوستو، ہم نے اپنا سازوسامان اُٹھالیا، جو کچھ ہم چھوڑے جاتے ہیں، وہ آپ لوگوں کو مبارک ہو۔

پھر آپؒ نے شعبان کے آخری دس دنوں سے عیدالفطر تک چالیس روزہ اعتکاف کی نیّت کرلی اور مسجد نبَوی میں حاضر رہے۔ اعتکاف والے چلّے کے دوران آپؒ نے بہت سے علوم ومعارف اور برکات کا بیان کیا۔ کئی مصافحوں اور بشارات سے سرفراز ہوئے۔ اُن میں سے زیادہ تر چیزیں مَیں نے کتابِ ''احوالِ برّی وبحری'' اور ''نتائج الحَرَمین'' کے آخر میں تحریر کردی ہیں۔

چلّہ ختم ہوا اور آپؒ نے عید کی نماز روضۃ الجنّۃ میں ادا کی۔ کافی دیر مواجہہ شریف کے سامنے صلوٰۃ وسلام میں مصروف رہے۔ وہاں سے گھر آئے تو بخار بہت زیادہ ہوگیا۔ رمضان کا سارا مہینہ بخار رہا تھا۔ جُمعے کے دن ۱۳۔ شوال ۱۰۵۳ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ سال ختم ہونے میں اڑھائی ماہ اور ایک دن باقی تھا۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک دن کا بخار، ایک سال کا کفّارہ ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ جو شخص حج یا رمضان کے بعد، مدینہ میں، اعتکاف یا پردیس میں یا جمعے کے دن بخار سے فوت ہو، اُسے شہادت وشفاعت کا درجہ عطا ہوتا ہے۔ حضرت شیخؒ میں یہ تمام نشانیاں موجود تھیں۔ آپؒ کو یقیناً شہیدوں کا ثواب اور شفاعت کا مرتبہ عطا ہوا۔

جُمعے کے دن مسجدِ نبوی میں آپؒ کا جنازہ لایا گیا۔ جمعے کی نماز کے بعد جنازہ پڑھا

گیا۔ علماء اور صُلحاء آپؒ کا جنازہ اُٹھا کر حضرت عثمان غنیؓ کے مقبرے کے پاس لائے۔ مقبرے کے پاس ہی قبلے کی طرف آپؒ کو دفن کیا گیا۔ مقبرے کا سایہ آپؒ کی قبر پر پڑتا ہے۔

بہت سے عقیدت مندوں اور دوسرے نیک لوگوں نے آپؒ کے بارے میں اچھے خواب دیکھے اور آپؒ کی قبر سے خوب فیض پایا۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ حضرت رسولِ خدا ﷺ کے قدم آپؒ کے سر اور کندھوں پر ہیں۔ حضرت شیخؒ نے خود بھی اپنی کتاب ''نکات الاسرار'' میں ایسی کئی بشارتیں تحریر کی ہیں۔

وفات کے وقت حضرت شیخؒ مکمل طور پر ہوش وحواس میں تھے اور ذکر وفکر میں مشغول تھے۔ آپؒ نے فرمایا تھا کہ میری وفات کے وقت جو لوگ موجود ہوں گے، وہ خوش نصیب ہوں گے۔ آخری سانس میں آپؒ نے اونچی آواز میں کلمۂ شہادت پڑھا اور واصل بہ حق ہو گئے۔

آپؒ کی تاریخ وفات بڑے عمدہ لفظوں میں تلاش کی گئی ہے۔ مصنّف نے اِن تین جُملوں سے تاریخ نکالی ہے:

۱۔ قطبِ دوران رفت

۲۔ نورانی آدمی بود

۳۔ شیخِ مکمّل بود

ایک منظوم تاریخ میں سال وفات (ایک عدد کم) محفوظ ہو گیا ہے۔ وہ یہ ہے:

سنہ اثنین وخمسین بود برالف

کہ صبحِ جمعہ رُوحِ پاکِ اکرم

سُوئِ خُلدِ برین رفت و ملایک
ہمہ گفتند از جان خیر مقدم

(ترجمہ) ۱۔ سال ۱۰۵۲ھ (۱۰۵۳ھ) تھا جب جمعے کی صبح کو وہ پاکیزہ اور محترم روح

۲۔ جنّت کی طرف روانہ ہوئی اور فرشتوں نے تہِ دل سے اُسے خوش آمدید کہا۔

دوسری تاریخِ وفات یہ ہے:

ولیِ عارف و ہادیِ دین بنی آدم
کہ در طریقِ طلب تارکِ دوعالَم بُود
فرشتہ سیرت و در دیدہ آدمی صورت
بہ علم ومعرفتش رہنمایِ اَدہم بُود
دَمِ مفارقتش در ھزاروپنجہ وسہ
بہ اقتضایِ قضا یک دوماہ زان کم بُود

(ترجمہ) ۱۔ وہ ولی، عارف، پیشوائے دین، اولادِ آدم جو راہِ سلوک میں دونوں جہانوں کو ترک کر چکے تھے۔

۲۔ اُن کی سیرت فرشتوں جیسی تھی، بظاہر وہ آدمیوں ہی کی صورت میں دِکھائی دیتے تھے۔ اپنے علم و عرفان کے لحاظ سے وہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کے بھی راہنما تھے۔

۳۔ جب وہ قضائے الٰہی سے فوت ہوئے تو ۱۰۵۳ھ میں سے ایک دو مہینے کم تھے۔

سبحان اللہ! بخت اور سعادت کا کیا عالَم تھا کہ جب آپ وطن سے روانہ ہوئے تو آپؒ نے بیتُ اللہ شریف کو اپنے استقبال میں دیکھا۔ آپؒ طرح طرح کی نعمتوں اور عجیب

بشارتوں سے مشرّف ہوئے۔ جہاز کے لوگ جو اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق ہو جانے کے لائق تھے، آپؒ کے طفیل ہلاکت سے بچ گئے۔ پہلے ہی سال جب حج کی امید نہیں رہ گئی تھی، آپؒ کو حج کی سعادت حاصل ہوگئی۔ چھ ماہ مکّہ مکرّمہ میں قیام رہا اور نئے علوم و معارف، کثیر مکاشفات اور الہامات اور عظیم بشارات و عنایات سے سرفراز ہوئے۔ آپؒ نے کئی بار مقاماتِ مقدّسہ کی زیارت کی اور ساتھیوں کے لیے دعائیں فرمائیں جو یقیناً قبول ہوئیں۔ جمادی الآخر کے مہینے میں مدینہ شریف کے لیے روانہ ہوئے تو اعلیٰ بشارتیں اور بلند درجات پائے۔ کئی بار آنحضرت ﷺ کے مصافحوں کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپؒ کے تمام ساتھی بھی آپؒ کے صدقے میں مقبولِ بارگاہ ہوگئے۔ شعبان اور رمضان کے مہینوں میں آپؒ مسجدِ نبوی میں مُعتکف رہے اور مخصوص برکتیں حاصل کیں۔ اِس طرح اپنے آخری ایاّم بہت ہی عمدہ طریقے سے گذار کر بارگاہِ الٰہی میں پہنچ گئے۔ نمازِ جمعہ کے وقت آپؒ کا جنازہ روضہء رسول ﷺ میں لایا گیا۔ ہزاروں لوگوں نے جنازے میں شرکت کر کے دعائیں بھیجیں۔ علما اور مشائخ نے جنازہ اٹھایا اور ذکر اذکار کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ کے روضے کے ساتھ تدفین کی۔ سب نے یہ آواز سُنی کہ آپؒ اولیاء اللہ میں سے تھے۔

مُریدوں نے آپؒ کی وفات کے بعد بھی آپؒ سے بہت فیض پایا۔ آپؒ کے مناقب کے بارے میں کئی کتابیں لکھی گئیں۔ آپؒ کے اکثر خلفاء آپؒ کی رحلت کے بعد وفات پا گئے۔ جو زندہ رہے وہ اعلیٰ درجے کے پیرِ طریقت بنے اور عرب، عجم اور ہندوستان میں برکاتِ آدمیہ، احمدیہ، معصومیہ و نقشبندیہ سے فائدے اٹھاتے ہوئے مخلوق کے راہنما بنے۔

اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں اضافہ فرمائے۔ اُن کی دنیا اور آخرت بہتر کرے اور ہمیں ان کی برکتوں سے مستفید فرمائے (آمین)

[illegible] باشد [illegible]

[illegible] ملفوظات غریب که درین زمان [illegible] نوشته [illegible]

[illegible] عشق [illegible]

تالیف [illegible] این مکتوبات و ملفوظات با برکات که [illegible]

[illegible] باشد [illegible]

باشد بنابر آن استخاره بعد از [illegible]

کاهی کلمه چند از ملفوظات [illegible] بر صفحه حضور [illegible]

[illegible] تحریر [illegible]

[illegible] والمعلم النافع [illegible] محیی القلوب

بالقاء [illegible] المقامات

العالیه [illegible] الصادقة والکرامات [illegible]

قطب العارفین غوث السالکین [illegible] المحققین [illegible] العصر مرشد [illegible]

امان الدوران خلیفة الزمان الذی [illegible] صفاته [illegible]

بیت [illegible] در وصفش [illegible] کی توانم وصف [illegible]

از چه وصف [illegible] اوصاف [illegible]

نسخہ (کتاب خانہ گنج بخش) اسلام آباد کا ایک صفحہ

32

[illegible] مجموعه ام و هم زاد و حضور کعبة الله و حضور

یاران مجموعه مسوده نموده با ایشان مقابله کرده ام از ایشان دیده و شنیده ام ده یکی نوشته ام

و اگر همه را نوشتمی دفترها پر میشد ولیکن خیر الکلام ما قل و دل را رعایت نموده اختصار

و انتخاب کرده ام و نقل ضعیف و چیزی مشهور را ترک کرده ام اگر جائی نقل ضعیف و غیر

مشهور رسد و قول واحد را در فضائل و مناقب قبول کرده اند [illegible] شیخ محمد [illegible]

علیهما الرحمة فرموده اند و از حضرت خلیفة الزمانی فرموده اند [illegible]

[illegible] خار مغیلان بسیار است یاران [illegible] خارستان [illegible] شدم و

[illegible] خارها را پاک میکردم و میرفتم [illegible]

[illegible] یاران [illegible] از راه بیرون [illegible]

[illegible] یاران [illegible] استقامت [illegible]

[illegible] در مسجد [illegible] حلقه [illegible] یاران [illegible]

از مراقبه سر برداشته گفتند [illegible]

کردند خاستند که ظاهر و باطن [illegible] سعادت یاران [illegible]

توقف کردم [illegible] نزول کرده گفت اول در سینه

[illegible] بعد از آن بر سینه مریدان یک شخص بیگانه در حلقه حاضر بود [illegible]

کردند [illegible] حلقه یاران [illegible]

[illegible] برکات از طفیل یاران [illegible] ایشان بود [illegible]

نسخہ انڈیا آفس لائبریری لندن کا ایک صفحہ

خواند. بامدنا بار الیه بعد از استمداد ... ثنای غیر مکرر حسب الامر که
کلمه چند از ملفوظات و صحیفه ... سپید دم یارد از زلال مکنون در سلک تحریر
سفته بودم که باز بتقاضای سرشت بنی آدم و اقتضای ارادت ذو الکرم
ذو العلم النافع و العمل الرافع محی القلوب بانفاس المسیحی مکمل الطالبین تربیت الاولیاء
مطلع الانوار منبع الاسرار صاحب المقامات العالیه و المناقب السامیه
و الاحوال الصادقه و الکرامات الجاریه قطب العارفین غوث السالکین حجة المحققین
نادر العصر ... الدهر امام الدوران خلیفة الزمان الذی لا یمکن احاطة صفاته بلسان
العبارات ... در صفت زبانها مانده لال کی توانم سفت ناسفته در مشغل
از چه وصف مشک گویم بر نقش مشک را اوصاف ... مشک بین چون بوی
در نقاب تواری ایزد و پرواز عالم قدس نمودند و این ... خیابان بیابان
صحبت برادر ... مهاجرت در ماند حسرت ... گریبان گیر
اکنون لازم گشت که ... و اقعات ... ایشان که در
حاضران مذکور است نویسم همه از مکشوفات و ملفوظات و بشارات و کرامات

نسخہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور کا ایک صفحہ

اشخاص

مقامات

کُتُب

مناقب الحضرات

تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ بنوریہ

تالیف
حضرت شیخ محمد امین بدخشی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و تقدیم
ڈاکٹر صاحبزادہ معین نظامی

خانقاہِ فتحیہ
گلہار ○ کوٹلی ○ آزاد کشمیر